50

عشق

رومانی ناول

از

رئیس احمد جعفری

ادارہ اشاعت اردو

پیر الٰہی بخش کالونی ۲۶۶ ۔ کراچی (پاکستان)

~~قیمت [illegible] بارہ آنے~~

عرصہ تین سال کے لئے حقوقِ طباعت

اشاعت بحق سید عبدالرزاق مالک ادارہ

اشاعت اُردو کوارٹر ب ۲۶۶ پیر الٰہی بخش کالونی

کراچی (پاکستان) محفوظ ہیں۔

طبع اول۔ جولائی سنہ ۱۹۵۲ء

مطبوعہ کلیم پریس۔ کراچی۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

عنوانات

زندگی اور موت	۹
بھائی بہن کی باتیں	۲۳
کشش	۳۸
اعتراف	۵۲
پھر ملیں گے	۶۶
نیا شہر	۷۳
لگاوٹ	۸۴
تعاقب	۱۰۲
کشمکش	۱۱۰

چوری ۱۲۸
ایگریمنٹ ۱۴۶
تصویر کے دُو رخ ۱۵۳
عجیب معمہ ۱۷۶
دعوت ۱۸۵
انکشاف ۱۹۲
نیا مشغلہ ۲۰۹
توہین ۲۲۱
آمنا سامنا ۲۳۲

وارنٹ گرفتاری	۲۴۲
کوئی صورت نظر نہیں آئی	۲۵۱
دوسرے دن	۲۵۸
سزا	۲۶۵
ہلچل	۲۷۳
مہ جبین	۲۸۶
نیا شگوفہ	۲۹۵
اضطراب	۳۰۱
اُکھڑی اُکھڑی باتیں	۳۱۲

خوئے یار	۳۲۱
تجدید محبت	۳۲۸
لڑائی	۳۳۵
ریل کا سفر	۳۶۵
ماہ کی موت	۳۸۱
ایک روز انکشاف	۳۸۹
اور ایک روز	۳۹۴

باب ۱

زندگی اور موت

وہ بڑا ہونہار نوجوان تھا۔ دوستوں کی محفل میں بلبلِ ہزار داستاں کی طرح چہکتا۔ یونین کے اسٹیج پر وہ پوری خطیبانہ شان سے فصاحت و بلاغت اور اخلاق و معارف کے دریا بہاتا۔ ساتھی فخر و ناز کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کی تقریر سنتے، اساتذہ اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد پیٹھ ٹھونک کر دیتے۔ وہ بڑا بذلہ سنج اور حاضر جواب تھا۔ بات میں بات پیدا کرنا اور بڑی سے بڑی بات کو ایک ہی بات میں اڑا دینا اس کا کمال تھا۔ دوستوں اور استادوں کا خیال تھا حسبِ معمول اس سال بھی وہ فرسٹ آئے گا۔ اور گریجویٹ ہونے کے بعد جس شعبہ میں بھی جائے گا۔ سب سے نمایاں اور ممتاز رہے گا آئی، سی، ایس کے امتحان میں بیٹھا تو بھی اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگا لیکن انسان سوچتا کچھ ہے، اور ہوتا کچھ ہے، امتحان سے صرف چند روز پیشتر اطلاع ملی کہ والد کی حالت نازک ہے، وہ پہلی ٹرین سے اپنے وطن سعد آباد روانہ ہوا۔ باپ کی تیمار داری میں دن رات ایک کر دیئے۔ لیکن موت کسی کے

ساتھ رعایت نہیں کرتی۔ کسی کے ساتھ مروت سے پیش نہیں آتی۔ کسی پر رحم نہیں کرتی۔ صبح کو جب فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ خان بہادر نیاز احمد نے آخری سانس، اپنے اکلوتے، چہیتے اور ہونہار بیٹے کی گود میں لی۔ اور اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنکھیں موڑ لیں،

امتیاز کے لئے یہ سانحہ اتنا بڑا تھا۔ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی تک وہ ہر فکر اور پریشانی سے محفوظ تھا۔ باپ کی کمائی پر گلچھرے اڑاتا تھا۔ کالج کے ہوسٹل میں سب سے زیادہ دریادل اور مالدار وہی سمجھا جاتا تھا اور اب جب باپ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا بینک بیلنس چار سو روپے سے زیادہ نہیں اور قرض ۵ ہزار سے زیادہ ہے، سوگواروں کے علاوہ تین غمزدہ بہنیں بھی تھیں۔ جن میں سے ایک ریحانہ کی شادی ہو چکی تھی، فرزانہ اور رخسانہ ابھی ناکتخدا تھیں۔ لیکن شادی کی بات چیت چل رہی تھی، ان بہنوں کی شادی کیسے ہوگی؟ باپ کا قرض کس طرح اترے گا؟ گھر کا خرچ کیوں کر چلے گا۔؟ آج یہ باتیں وہ امتیاز سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جس نے کبھی اپنا قیمتی وقت ان لغو اور بیکار باتوں کے سوچنے پر ضائع نہیں کیا تھا۔

خان بہادر کا انتقال اسی دن ہوا تھا۔ جس دن کالج کا امتحان ختم ہوا تھا۔ اب امتحان دینے کے لئے ایک سال مزید انتظار کرنا تھا لیکن کس برتے پر؟ اسی امتحان کے بارے میں اس نے سوچا تھا کہ وہ کامیاب ہو کر آئی سی۔ ایس کے امتحان میں ضرور بیٹھے گا۔ یا لندن چلا جائے گا۔ اور وہاں کیمرج یا آکسفورڈ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے گا۔ لیکن باپ کی بے وقت موت نے

امید کے محل گرا دیئے۔ اور اب اسے ان تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، جن کا مقابلہ ہر نوجوان کو کرنا پڑتا ہے۔ اور جن کا مقابلہ کرنے سے ہر نوجوان کتراتا اور گھبراتا ہے ــــ!

اس طرح جیسے چند لمحے گذرے ہوں، چالیس دن کی مدت گزر گئی۔ پریشانیوں کے باوجود اس نے باپ کا چالیسواں بڑے اہتمام اور عالی حوصلگی سے کیا۔ شریک ہونے والے رشتہ داروں اور عزیزداروں نے داد دی۔ یہ لڑکا خاندانی روایات کو قائم رکھے گا۔ اور جن لوگوں کا قرضہ خان بہادر مرحوم پر آتا تھا ان میں سے ایک صاحب نے بڑی سی ڈکار لینے کے بعد کہا۔

"بیٹے اب اس خاندان کے کرتا دھرتا تمہی ہو۔ سب سے پہلے تمہیں باپ کا قرضہ اتارنے کی کوشش کرنی چاہیئے!"

دوسرے ہم پیشہ نے تائید کی۔

"ہاں میاں! قرض کا بوجھ میّت کے ساتھ جاتا ہے۔ بڑی سے بڑی نیکی بھی کام نہیں آتی۔ جب تک کہ قرض نہ ادا ہو جائے!"

تیسرے صاحب نے جن کی بہت کم رقم آتی تھی کہا۔

"میں اگر خود پریشان نہ ہوتا۔ تو کوئی بات زبان پر ذکر بھی نہ لاتا۔ لیکن کیا کروں تم خود دیکھتے ہو، آجکل کاروبار کا کیا حال ہے!"

امتیاز نے بڑے اطمینان اور ساتھ ہی ساتھ بڑی صفائی سے کہا۔

"آپ حضرات کا میں مشکور ہوں کہ آپ نے والد مرحوم کو قرض دیا

یہ وعدہ بھی کرتا ہوں کہ اپنی طرف سے اس کی ادائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گا ۔۔۔!"

پہلے صاحب نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں میاں تمہاری شرافت اور سعادت مندی سے ہمیں یہی امید تھی ۔۔۔!"

اب ان کی بات کاٹ کر امتیاز نے کہا

"لیکن ایک بات کان کھول کر سن لیجئے!"

"ہاں ہاں کہو! شوق سے کہو!"

"میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں کہ اسے گھما دوں اور ہُن برسنے لگے۔ یہ قرض آپ کو اس وقت ملے گا جب حالات سازگار ہوں گے، میں روزگار سے لگ جاؤں گا۔!"

"اندازاً کتنے دن لگ جائیں گے۔ حالات کے سازگار ہونے اور تمہارے روزگار سے لگنے میں!"

امتیاز نے فوراً جواب دیا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا!"

تیسرے صاحب نے جل کر فرمایا

"اس کے معنے تو یہ ہوئے، نہ نومن تیل ہوگا، نہ رادھا ناچے گی، نہ حالات سازگار ہوں گے، نہ تم روزگار سے لگو گے، نہ ہمارا روپیہ ملیگا!"

دوسرے صاحب نے برجستہ فرمایا۔

"تو بھیا صاف صاف کہدو تم اس بوجھ کے اٹھانے سے انکار کرتے ہو——!"

ابھی ان کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ پہلے صاحب نے جملہ اپنی طرف سے مکمل کردیا۔

"پھر ہم بھی دیکھ لیں گے۔ جہاں اتنا گیا ہے وہاں تھوڑا سا اور سہی!"

امتیاز نے پوچھا

"کیا آپ ازراہ عنایت مجھے مزید کچھ قرض عطا فرمانے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور مانتا ہوں کہ واقعی آپ نے والد مرحوم سے دوستی کا حق ادا کردیا۔"

انھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر حیرت اور غصہ کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا۔

" سن لیا بھئی؟ صاحبزادے مذاق فرمارہے ہیں ہم سے، شاباش بٹیا شاباش! خوب نام روشن کروگے اپنے باپ، اور خاندان کا۔ اب ہماری تمہاری باتیں عدالت میں ہوں گی۔ چلو بھئی چلو —— السلام علیکم!"

اور وہ اپنے دونوں ساتھیوں سمیت اٹھ کر جانے لگے۔ امتیاز نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا۔

"سنیئے تو ؟"

وہ پلٹ پڑے

"کیا بات ہے ؟"

"آپ تو خفا ہو گئے!"

"میں خفا ہو گیا، یا تم نے خفا کر دیا۔ غضب خدا کا ایک تو ہم قرض دیں پھر ہمارے ساتھ نادہندگی کی جائے، ہمارا مذاق اڑایا جائے، میں تو یہ باتیں نہیں برداشت کر سکتا۔ اپنی رقم ہمیں لینی ہے۔ اور وہ ہم لے کر رہیں گے، خواہ یہاں دو، خواہ عدالت میں!"

امتیاز نے بڑی نرمی سے کہا

"آپ کی رقم بہر حال ہمیں دینی ہے۔ خواہ یہاں لیجئے یا عدالت میں!"

چڑ گئے، بگڑ کر بولے۔

"پھر وہی مذاق، وہی خیلاپن، اگر قول کے سچے اور بات کے دھنی ہو تو لاؤ گن دو!"

امتیاز نے کہا۔

"ضرور گن دوں گا۔ لیکن ابھی نہیں ——— چچا آپ بہت جلدی کرتے ہیں، آپ خود سوچئے۔ اگر گھر میں روپیہ ہوتا۔ تو والد قرض ہی کیوں لیتے۔ جب تک میں روزگار سے نہ لگ جاؤں، کہاں سے دے سکتا ہوں، آپ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کو کہتے ہیں، میں منع نہیں کرتا لیکن عدالت آپ کو ڈگری دے سکتی ہے روپیہ نہیں دے سکتی"

دوسرے صاحب جن کا نام خیرالدین تھا، پہلے صاحب یعنی رستم علی سے کہنے لگے۔

"میاں صاحبزادے کو یہ تو معلوم ہے کہ عدالت ڈگری دے سکتی ہے

روپیہ نہیں دے سکتی۔ اور یہ نہیں کہ وہ انھیں جیل بھی بھیج سکتی ہے، گھر کی ایک ایک چیز قرق کر سکتی ہے، یہ گھر، اس کا ساز و سامان سب نیلام ہو سکتا ہے۔!"

اب تیسرے صاحب یعنی رحمت حسین سے بھی ضبط نہ ہو سکا، کہنے لگے۔

" تب معلوم ہو گا عدالت کیا ہوتی ہے، اور اس کے اختیارات کتنے وسیع ہوتے ہیں، ان صاحبزادے نے عدالت کو بھی گھروندا سمجھ لیا ہے!"

امتیاز نے کہا

" تو یہ آپ نے پہلے کیوں نہ کہا؟"

" کیا پہلے نہ کہا؟"

" یہی کہ آپ کو مکان چاہیئے!"

شیخ رستم علی نے تکلف بالائے طاق رکھا اور کہا

" جب نہیں کہا تو اب کہتے ہیں۔ ہم تینوں کی رقم اس مکان سے نکل آئے گی۔ ہمارے نام بیعنامہ کر دو!"

" بیعنامہ تو میں نہیں کر سکتا"

" کیوں بھئی کیوں نہیں کر سکتے؟ پھر کیا کرو گے؟"

" واقعی آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں؟"

" ہاں ہاں ہاں۔ کئے دفعہ کہلواؤ گے!"

"تو ذرا انھیں پوچھ لوں !"

"پھر وہی بیکار کی باتیں۔ ارے بھئی کس سے پوچھو گے ؟ بھابی سے وہ وہی کریں گی جو تم کہو گے اور وہی کہیں گی جو تم کہو گے۔ بھلا تمہارے کہنے سے باہر جا سکتی ہیں وہ !"

"نہیں ان سے نہیں !"

"لاحول ولاقوۃ، آخر پھر کس سے پوچھو گے ؟"

"وکیل صاحب سے !"

"وکیل صاحب ؟ کون وکیل صاحب۔ اس میں آخر قانونی مشورہ لینے کی کیا بات ہے ؟ سیدھی سی بات ہے۔ تمہارا مکان ہے تم اس کے مالک ہو، تم مکان دیتے ہو، ہم لیتے ہیں !"

"آپ شوق سے مکان لیجیے۔ بخدا مجھے ذرا بھی عذر نہیں۔ موجودہ حالات میں تو وہ مجھ پر ایک بار ہے۔"

"وہ تو ہوگا !"

"آپ ہی غور کیجیے، ہر مہینہ پچاس روپے کہاں سے لاؤں، جو وکیل صاحب کو دوں، ، اجان کی بات اور بھی !"

امتیاز کے یہ الفاظ سن کر رستم علی، رحمت حسین، خیرالدین تینوں چکرا گئے۔ حیرت سے انھوں نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا۔ آخر رستم علی نے ہوش وحواس بجا کرتے ہوئے کہا۔

"پچاس روپے ؟ وکیل صاحب ! ـــــــ کیا مطلب ہے

تمہارا ان باتوں سے!"

"مکان کے مالک وکیل ہی صاحب تو ہیں۔ اور وہ ہر مہینہ پچاس روپے کرایہ لیتے ہیں۔"

رحمت حسین نے پوچھا۔

"یہ کارروائی کب ہوئی۔ مکان کب بکا؟"

جواب کا انتظار کئے بغیر خیر الدین نے کہا۔

"گویا مرحوم مرتے مرتے بھی حق وفا ادا کر گئے!"

امتیاز نے ذرا بھی برہمی کا اظہار نہ کیا۔ اس نے بڑے ٹھنڈے دل سے یہ باتیں سنیں اور کہا۔

"دیکھئے حق وفا۔ اور حق دوستی کا نام نہ لیجئے، جیسا آپ نے ان سے کیا، ویسا ہی وہ جواب دے گئے!"

رستم علی بولے

"ہم سے تو یہی گناہ سرزد ہوا کہ اپنی گاڑھی کمائی کا روپیہ قرض دیا۔"

امتیاز نے جواب دیا۔

"جی نہیں۔ ایک اور گناہ بھی آپ سے سرزد ہوا، آپ نے ہزار روپیہ دے کر دو ہزار کا کاغذ لکھایا۔ اور اس پر سود در سود لگایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اب تک دو ہزار وصول کر چکے ہیں، اور تین ہزار آپ کا باقی ہے۔ حق دوستی تو یہ ہے کہ ایک ہزار روپیہ آپ مجھے واپس کر دیں، تاکہ والد مرحوم کی روح خوش ہو۔ اور آپ کے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو!"

رحمت حسین کے خشک اور بے آب وگیاہ چہرے پر اب تبسم کے گل بوٹے کھلے، انھوں نے کہا۔

" اچھا بھئی مان لیا۔ رستم علی کے ساتھ یہ معاملہ ہوا، اب ذرا لگے ہاتھوں ہمارا حساب بھی بیباق کرتے چلو!"

" آپ نے بھی پانچ سو دے کر ہزار کا کاغذ لکھایا، والد سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ کے باغات دس ہزار میں بکوادیں۔ تو آپ ڈیڑھ ہزار کمیشن دیں گے انھوں نے بارہ ہزار میں سودا کرایا۔ نہ آپ کو توفیق ہوئی کہ دیں، نہ ان کی ہمت پڑی کہ مانگیں۔ وہ مر گئے، اور آپ قرضہ کا جھنڈا لئے کھڑے ہیں؟"

رحمت حسین جھینپ گئے، کہنے لگے" ہمارا اور رستم علی بھائی کا حساب تو ہو گیا۔ اب خیرالدین کا بھی کھاتہ کھولو!"

قبل اس کے کہ امتیاز کوئی جواب دیتا خیرالدین برہمی کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگے۔

" اب ختم بھی کرو گے یہ قصہ؟ تم جانو اور تمہارا کام۔ میں اس لونڈے کے منہ نہیں لگتا۔ میں جاتا ہوں یہاں سے سیدھا کورٹ میں۔ اگر قبل از فیصلہ ڈگری نہ لی، تو پٹیاب سے اپنی مونچھیں منڈوادوں گا، میرا نام خیرالدین ہے خیرالدین!"

امتیاز نے بڑی نرمی سے کہا۔

" چچا اگر قبل از فیصلہ ڈگری آپ نے لے بھی لی، تو آپ پائیں گے کیا مکان تو وکیل صاحب مول لے چکے ——— اب کیا رہا ہے۔ جس پہ

رقیبوں کا ڈر کریں ؟ اب ہمارے پاس ہے کیا ؟"

اسی برہمی کے عالم میں چچا خیرالدین نے گردوپیش پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ فرنیچر، یہ میز کرسی، یہ صوفے۔ میری رقم ان سے بھی نکل آئے گی ——!"

امتیاز نے پوچھا

"ان چیزوں کا کیا کریں گے آپ؟"

"کھڑے کھڑے نیلام کرا دوں گا۔ ایک ایک چیز میں کوئی اور نہیں خیرالدین ہوں خیرالدین!"

"یہ تو میں جانتا ہوں آپ خیرالدین چچا ہیں۔ لیکن پرائی چیزیں آپ نیلام کیسے کرا دیں گے!"

"پرائی چیزیں ؟ ہونہہ، اچھی کہی، چیزیں عزیز ہیں تو روپے رکھ دو، ورنہ ——————!"

"آپ نیلام کرا دیں گے ؟"

"ہاں نیلام کرا دوں گا!"

"اور آپ کا خیال ہے سیٹھ بھائی نور بھائی چپ چاپ کھڑے تماشہ دیکھتے رہیں گے!"

"سیٹھ نور بھائی دخل دینے والے کون ؟ خوب کہی بھائی مان نہ مان میں تیرا مہمان!"

بڑی سادگی اور معصومیت سے امتیاز نے کہا

"تو یہ فرنیچر اور سامان جس پر آپ کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی ہیں ہے کس کا ؟"

برہم ہو کر اور چیخ کر پوچھا

"نور بھائی کا ہے ؟"

"جی انہی کا تو ہے، ہر مہینہ بیس روپے کرایہ کا لیتے ہیں ؟"

"ایں ! کیا کہا ؟"

"جی ——— یقین نہ ہو تو جاتے ہوئے نور بھائی سے پوچھتے چلے جائیے گا۔ راستہ ہی میں تو ان کی فرنیچر کی دکان پڑتی ہے۔!"

حیرت سے ایک نظر امتیاز پر ڈالی اور کہا۔

"یعنی خان بہادر صاحب اندر سے بالکل خالی لفافہ تھے اور ظاہر میں یہ ٹیم ٹام رکھ چھوڑا تھا !"

"تو اور کیا کرتے ؟ آپ جیسے دوست جس کو میسر آئیں گے، وہ یہی کرے گا ؟"

"یہ لو، میں بھی مجرموں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔ میں نے کیا خطا کی بھئی۔ قسم لے لو جو ایک پیسہ بھی زیادہ لکھوایا ہو، ۴ سو دیئے تھے۔ چار ہی سو کی تحریر لکھوائی۔ نہ سادہ سود، نہ سود در سود، میں نے آج تک نہ سود دیا نہ لیا ——— ؟"

امتیاز نے غور سے خیر الدین کی باتیں سنیں اور کہا۔

" ٹھیک ہے آپ نے چار ہی سودے دیئے۔ اور اتنے ہی کی تحریر دی۔ لیکن کیا یہ غلط ہے کہ آپ نے اباجان کے عہد عروج میں بار بار انھیں تجارت کی ترغیب دی اپنے نفع کی خاطر انھیں سبز باغ دکھائے ہزاروں روپے ایک دفعہ نہیں بار بار ان سے وصول کئے۔ اور اس تجارت میں آپ کو اتنا خسارہ ہوا کہ نفع تو رہا الگ۔ اصل میں بھی سے ایک پائی تک نہ ملی ——— مجھے یاد پڑتا ہے ایک مرتبہ تین ہزار آپ میرے سامنے ان سے بھیک کی طرح مانگ کرے گئے تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر اس مرتبہ نفع نہ ہوا۔ تو گھر کے برتن بیچ کر یہ رقم جو میں لئے جا رہا ہوں، واپس کر دوں گا۔ قول مرداں جان دارد۔ خان بہادر صاحب آپ میری بات کا یقین کیجئے میں اور کوئی شخص نہیں خیر الدین ہوں خیر الدین، اور اباجان نے مسکراتے ہوئے تین نوٹ آپ کے ہاتھ میں پکڑا دیئے تھے، بتلیئے، اور رقموں کو چھوڑیئے، وہ تین ہزار آپ نے واپس کیئے ؟"

" اچھا تو یہ کہیئے، بیٹا باپ کا بدلہ لے رہا ہے ؟"

" جی نہیں، آئینہ دکھا رہا ہوں۔ بدلہ لیتا، تو پہلے آپ کی جیب صاف کرتا۔ آپ کے پاس جو کچھ ہے۔ وہ میرے والد کا دیا ہوا ہے، آپ ہی نے انھیں تباہ کیا۔ آپ ہی نے ان کی زندگی برباد کی، آپ ہی نے انھیں مرنے پر مجبور کیا۔ ورنہ ابھی وہ زندہ رہتے !"

" لاحول ولا قوۃ، لاحول ولا قوۃ، کیا کفر بک رہا ہے لڑکے ؟ ——— ——— موت کا ایک دن معین ہے ——— نادان یہ بھی نہیں جانتا ؟"

"خوب جانتا ہوں۔ لیکن وہ دن ابا جان سے ابھی دور تھا!"

"پھر کیسے آگیا ——؟"

"آپ کے پہونچائے ہوئے نقصانوں کی بدولت، رستم چچا، اور رحمت چچا کی دوست نوازی کی بدولت، خدا کا دیا ان کے پاس بہت کچھ تھا، لیکن آپ ہی حضرات اپنی جھولیاں بھرتے رہے اور ان کی جیب خالی کرتے رہے، اور آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قرضدار بن گئے، اور آپ قرض خواہ بن گئے —— تفو برتو اے چرخ گرداں تفو!"

یہ مصرعہ کچھ اس طرح گرج کر امتیاز نے پڑھا کہ پہلے خیرالدین، پھر رحمت حسین اور رستم علی اس تیزی سے کمرے سے نکلے۔ جیسے اب ان پر حملہ ہوا ہی چاہتا ہے۔

ان لوگوں کو رخصت کر کے امتیاز اندر پہونچا، فرزانہ سے چائے مانگی۔ اور خود ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اخبار پڑھنے لگا۔ آجکل وہ خبریں بعد میں پڑھتا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر "ضرورت ہے" کے کالم پر پڑتی تھی، اسی کالم کو پڑھنے لگا۔ کہ شاید کوئی اچھی سی ملازمت نظر آجائے ——!!

باب ۲

بھائی بہن کی باتیں

امتیاز کی اپنے خوش آئند مستقبل سے متعلق ساری امیدیں ختم ہوگئیں، لیکن اس کے عزم وحوصلہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ بڑا منچلا اور عجیب وغریب طبیعت کا شخص تھا، وہ ہار ماننا جانتا ہی نہیں تھا، تقدیر کے آگے سب راضی برضا یا قانع وشاکر ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ تقدیر سے کبھی ہار نہیں مانتا تھا۔ اس کی زندگی صرف دو کیفیتوں سے عبارت تھی، زندگی کے آخری سانس تک جدوجہد کا جاری رکھنا، اور سخت سے سخت ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی تبسّم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ وہ بڑی سے بڑی مصیبت کا مقابلہ اپنے تبسّم کے ہتھیاروں سے کرتا تھا۔ اور اکثر کامیاب ہوتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ جب ہم خدا کی مرضی بدل نہیں سکتے، تقدیر کا لکھا ہوا میٹ نہیں سکتے۔ قدرت کے احکام اور فیصلوں میں ردوبدل نہیں کر سکتے، تو آخر ہر ناپسندیدہ، نامرغوب۔ اور ناموافق حالات پر آنسو کیوں بہائیں؟ روئیں کیوں ———؟ آخر کیوں نہ ان حالات کے سانچے

میں ہم اپنے تئیں ڈھال لیں۔ جو قدرت نے ہمارے لئے تیار کر دیا ہے،
اسی سانچے میں ہمیں زندہ رہنا اور مرنا ہے پھر آخر رو رو کر اپنی زندگی کیوں
بسر کریں۔ ہنس ہنس کر کیوں نہ جیئں، ہاں غالب کے اس شعر کا بہت
قائل تھا۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے

شمع اپنی عمر طبیعی میں کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ لیکن قدرت
نے ایک اختیار اسے ضرور دیا ہے۔ یہ کہ یہ عمر طبیعی خون کے آنسو بہا بہا کر
گزارے یا ہنس ہنس کر! ——— مجھے تو بھی یہ آخری صورت پسند
ہے۔ میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے وقت بھی مسکرانا چاہتا ہوں۔ اور رو
دھو کر تخت شاہی حاصل کرنا بھی میری افتاد اور رنگ طبیعت کے
خلاف ہے، ———

وہ اپنے مختصر سے ڈرائنگ روم میں خاموشی کے ساتھ بیٹھا
سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا، اتنے میں فرزانہ آئی۔ اس کی آنکھیں اب
تک سوجی ہوئی تھیں۔ پھول سا چہرہ کمھلا کر زرد ہو گیا تھا۔ ہر وقت بلبل کی
طرح چہکنے والی لڑکی، حسرت و حرماں کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ وہ آئی۔ اور
آکر چپ چاپ سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ امتیاز کے ماتھے پر شکن پڑ گئی
اس نے کہا۔

"فرزانہ تمہارے آنسو اب تک خشک نہیں ہوئے؟"

وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"بھیا یہ تو زندگی بھر بہتے رہیں گے!"

حیرت سے امتیاز نے فرزانہ کو دیکھا، اور کہا

"زندگی بھر بہتے رہیں گے؟"

"ہاں بھیا!"

"کیوں آخر؟"

"میرا محبت کرنے والا باپ ——————"

اور وہ منھ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امتیاز بے تابی کے ساتھ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے کہا۔

"اچھا تم جی بھر کر رو لو میں جاتا ہوں!"

فرزانہ نے جلدی جلدی آنسو پونچھے۔ محبت کرنے والے بھائی کی طرف پرنم آنکھوں سے دیکھا اور کہا۔

"کہاں ——؟"

وہ کہنے لگا۔

"نمعلوم کہاں اور ہمیشہ کے لئے!"

فرزانہ کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اس نے تقریباً چیختی ہوئی آواز سے کہا۔

"ہمیں چھوڑ دو گے بھیا!"

وہ استقلال سے بولا

ہاں چھوڑ دوں گا!"

وہ پھر رونے لگی۔

"کیوں چھوڑ دو گے؟"

اس نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ تم میری بہن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، میں اپنے مختصر سے خاندان میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتا تھا۔ لیکن تم نے آج میرا دل توڑ دیا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اب مجھے اس گھر سے، اس خاندان سے یہاں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں جدھر سینگ سمائیں گے چلا جاؤں گا، اس فضا سے اور اس ماحول سے اپنے آپ کو بالکل دور کر لوں گا!"

وہ بے بسی کے ساتھ بولی۔

"لیکن بھیا یہ سب کچھ کیوں کر دو گے؟ میں نے کون سی خطا کی، کیا گناہ سرزد ہوا مجھ سے؟"

"سب سے بڑا گناہ!"

وہ منہ سے کچھ نہ بولی، حیرت سے بھائی کی طرف دیکھنے لگی، اور اس نے بہن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"تمہارا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اب تک حالات کے سانچے میں اپنے تئیں نہ ڈھال سکیں، اب تک تمہاری آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی جاری ہے، اب تک تم رو رہی ہو ——— میری نظر میں

یہ بہت بڑا گناہ ہے !"

فرزانہ نے کہا۔

" ہاں بھیا یہ گناہ مجھ سے سرزد ہوا اور نہیں کہہ سکتی کب تک سرزد ہوتا رہے گا جس کے سر سے ایسے محبت کرنے والے اور شفیق باپ کا سایہ دفعتہً اٹھ جائے گا۔ اس کی آنکھیں خشک کس طرح ہو سکتی ہیں؟ یہ غم میری زندگی کا ساتھی بن چکا ہے، جب تک زندہ رہوں گی، اپنے مرحوم باپ پر آنسو بہاتی رہوں گی !"

امتیاز پھر کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے ایک نیا سگریٹ سلگایا، اور فرزانہ کو ہلکے سے جھنجوڑ کر کہا۔

"بیوقوف لڑکی، وہ مرحوم باپ میرے بھی تھے، بول تھے یا نہیں؟"

" ہاں تھے، کیوں نہیں تھے !"

" ان کی وفات کا جتنا صدمہ مجھے ہو سکتا ہے، تمہیں نہیں ہو سکتا ہر اعتبار سے یہ صدمہ میرے لئے بہت بڑا ہے، ان کا انتقال ہو گیا میں نے ان کی جگہ لے لی، پہلے وہ اس چھوٹے سے گھر کا سہارا تھے، اب میں ہوں، ہے نا یہ بات ؟"

" ہاں ہے، ہم لوگوں کا سہارا اب آپ کے سوا اور کون ہے ؟"

" لیکن یہ بتاؤ میں اب کس کا دامن پکڑوں گا، مجھے اب کون سہارا دے گا، جو سہارا ابا کے بعد میری صورت میں تم لوگوں کو حاصل ہوا ہے، وہ مجھے بھی کسی اور صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، بتاؤ ! بولو ؟"

"نہیں ہو سکتا بھیا !"

"اب ایک بات پر اور غور کرو، اس سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ مادی اعتبار سے بھی مجھے اتنا بڑا نقصان پہونچا ہے۔ جس کی تلافی کسی طرح نہیں ہو سکتی !"

بہن خاموش آنکھوں سے بھائی کی طرف دیکھنے لگی، اور بھائی نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" میرے کیا کیا ارادے تھے، میں ہی جانتا ہوں۔ میں نے سوچا تھا چند روز بعد گریجویٹ ہو کر آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں بیٹھوں گا، یا ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے لندن، فرانس، برلن وغیرہ جاؤں گا، ایک نئی دنیا دیکھوں گا ایک نیا تجربہ کروں گا، اپنے علم کو اور زیادہ مستحکم کروں گا، اپنے مشاہدہ کو اور زیادہ وسیع کروں گا، اپنے خیالات میں اور زیادہ پختگی پیدا کروں گا۔ اور پھر وہاں سے کامیاب ہو کر واپس آؤں گا۔ تو کسی کالج کا پرنسپل بن جاؤنگا یا کسی یونیورسٹی کا پروفیسر مقرر ہو جاؤں گا، یا کسی شہر کا کلکٹر بنا دیا جاؤں گا اور پھر عیش و فراغت کا ایک ایسا دور شروع ہوگا۔ جو اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک میں بوڑھا نہ ہو جاؤں، اور میرا لڑکا میری طرح زندگی کے میدان میں کامیابی کے ساتھ گام فرسا نہ ہو جائے !"

فرزانہ کے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا تبسم کھیلنے لگا۔ وہ سوچنے لگی۔ بھیا کیسی باتیں کر رہے ہیں آج ؟ ابھی ان کی شادی تو ہوئی نہیں، اور بوڑھے ہو کر اپنے لڑکے کی کامیابیوں کا خواب دیکھنے لگے۔ امتیاز نے فرزانہ کی اس کیفیت

پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اس نے اپنی باتیں جاری رکھتے ہوئے کہا

"لیکن ابا کے انتقال سے میری یہ ساری امیدیں مکڑی کے جالے کی طرح ٹوٹ گئیں، کامیابی، فراغت، اور عیش و انبساط کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، میں گریجویٹ بھی نہ ہو سکا، اور اب شاید کبھی بھی نہیں ہو سکوں گا، کیونکہ زندگی کی کشمکش مجھے اپنی طرف بلا رہی ہے۔ جب میں گریجویٹ نہ ہو سکا۔ تو لندن اور پیرس اور برلن کس برتے پر جاؤں گا، اب مجھے ایک کلرک بن کر، یا کسی فرم میں ملازمت کر کے زندگی بسر کرنا ہے، سو پچاس روپے سے زیادہ تنخواہ کی امید میں نہیں کر سکتا، یہ آمدنی ہوگی، اور یہ گھر۔ اللہ اللہ خیر صلا، امتیاز اب صرف امتیاز رہے گا، نہ وہ بیرسٹر بن سکتا ہے، نہ ڈاکٹر، نہ آئی، سی، ایس، کیا یہ کوئی معمولی غم ہے! یہ وہ غم ہے جس نے میری زندگی غارت کر کے رکھ دی۔ پھر بھی مجھے دیکھو یہ غم میری مسکراہٹ نہ چھین سکا۔ اور میرا دعوے ہے کہ انشاء اللہ چھین بھی نہیں سکے گا۔ میں نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو راضی برضا کر لیا کہ اگر میں بیرسٹر اور ڈاکٹر نہ بن سکا، تو میری طرح اور بھی لاکھوں —— امتیاز ہیں وہ بھی نہ بیرسٹر بن سکے نہ ڈاکٹر، ان میں سے کوئی کلرکی کرتا ہے، کوئی مزدوری کوئی مجبوری اور بیروزگاری کے باعث کلرکی اور مزدوری بھی نہیں کر سکتا پھر ایک میں بھی سہی"

فرزانہ کو امتیاز کی یہ باتیں بالکل عجیب معلوم ہوئیں۔ بھائی کی محرومیوں کی داستان سن کر اسے جتنا بڑا قلبی اور ذہنی دھکا لگا تھا،

اس کی عجیب وغریب باتیں سنکر اس سے زیادہ تعجب ہوا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی اور ٹکٹکی لگائے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

امتیاز نے کہا

"اب تم اپنے کو لو ــــــــــ جب تک میں زندہ ہوں، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی، میں خود تکلیف برداشت کروں گا۔ تمہیں، رخسانہ کو اور امی جان کو کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا، تمہاری شادی بھی انشاء اللہ اپنی طاقت سے زیادہ حوصلے سے کروں گا، اچھے سے اچھا گھر ڈھونڈوں گا اور پھر تم اور رخسانہ اپنے نئے گھر چلی جاؤ گی، اور وہاں جاکر ہنسی اور خوشی کی زندگی بسر کروگی، تمہاری ایک نئی زندگی شروع ہوگی، جو ہر اعتبار سے خوش گوار اور خوش آئند ہوگی ــــــــــ لیکن تمہارا یہ بھائی امتیاز اسی طرح جوتیاں چٹخاتا رہے گا۔ اس کی قسمت میں وہی نامرادی اور محرومی کی زندگی ہوگی۔ لیکن دیکھ لینا وہ اسی طرح ہنس ہنس کر جئے گا، اور اسی طرح مسکرا مسکرا کر مرے گا!"

فرزانہ کانپ گئی، اس نے بھائی کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا، اور بیساختگی کے ساتھ کہنے لگی،

"خدا نہ کرے بھیا، آپ ایسی باتیں کریں گے، تو میں پھر رونے لگوں گی!"

امتیاز نے بپھر کر کہا

"پھر وہی کمزوری کی باتیں ــــــــــ آخر رونے کیوں لگوگی؟

رونے سے کون سا مسئلہ حل ہو جائے گا ؟"

" پھر ایسی باتیں نہ کیجئے ہمارے سامنے !"

" کیسی باتیں ——— ؟"

" یہی جینے مرنے کی !"

امتیاز نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

" دیکھو فرزانہ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ تم حقیقت پسند بن جاؤ۔ لیکن تم ایک خالص اور سو فیصدی عورت بننے پر تلی ہوئی ہو۔ جس کا پہلا اور آخری ہتھیار صرف رونا ہوتا ہے۔"

فرزانہ مسکرا دی

" اچھا اب نہیں روؤں گی، وعدہ کرتی ہوں !"

امتیاز نے پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

" شاباش !"

وہ کہنے لگی۔

" لیکن ایک شرط ہے !"

" فرمائیے کون سی شرط پیش کریں گی آپ !"

" وعدہ کیجئے، مان لیں گے !"

" ہاں ہاں کیوں نہیں مانوں گا، کہو تو ؟"

" میرے اور رخسانہ آپا کے جو زیورات ہیں انھیں بیچ ڈالئے !"

حیرت سے امتیاز نے فرزانہ کو دیکھا، اور کہا۔

"بیچ ڈالوں؟ کیوں؟"

"پہلے بیچ ڈالیے پھر بتاؤں گی!"

"یہ نہیں ہو سکتا، پہلے وجہ بتاؤ!"

بڑے بوڑھوں کی طرح اپنے بڑے بھائی کو سمجھاتی ہوئی فرزانہ بولی:

"دیکھیے اس میں بڑا فائدہ ہے!"

"وہی تو میں پوچھتا ہوں کیا؟"

"ان زیورات کو بیچ کر آپ سیدھے ولایت چلے جائیے، ہم یہاں کسی نہ کسی طرح گرہستی کا سامان بیچ بیچ کر اپنا گذارہ کر لیں گے!"

"مان لیا گذارہ کر لوں گی۔ لیکن میں ولایت جا کر کیا کروں گا؟"

"وہاں بیرسٹری یا ڈاکٹری کا امتحان دیجیے۔ پھر واپس آکر زیور بھی چھڑا دیجیے گا۔ کچھ اور نئے بھی بنوا دیجیے گا، اور کامیابی کے ساتھ اپنی زندگی بھی بسر کیجیے گا ——— !"

امتیاز زور سے ہنس پڑا۔

فرزانہ نے خفا ہوتے ہوئے کہا

"لیجیے آپ تو مذاق اڑا رہے ہیں میرا!"

امتیاز نے بڑی شفقت اور محبت سے کہا

"گویا میری اتنی دیر کی ساری دماغ سوزی رائگاں گئی، کیوں ری بے وقوف!"

"رائیگاں کیوں جاتی، آپ نے بڑی اچھی باتیں بتائیں اور میں نے انہیں گرہ میں باندھ لیا، لیکن میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ بھی تو دور اندیشی کی بات ہے، آپ میری بات کیوں نہیں مانتے بتایئے؟"

"فرض کرو تمہاری تجویز میں مان لوں اور ولایت چلا جاؤں، وہاں سے بیرسٹری یا ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر واپس آؤں، لیکن ——————"

وہ روٹھ کر بولی۔

"اب لیکن ویکن کچھ نہیں!"

"سُن تو لو، سنو تو!"

وہ عاجز آکر بولی۔

"کہہ بھی چکیئے بھیّا —— کہیئے!"

امتیاز نے ملامت کے ساتھ کہا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے، میں امتحان میں ناکام ہو جاؤں، پھر؟"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا، آپ آج تک کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوئے!"

"اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ جو بات کبھی نہیں ہوئی وہ

اب نہ ہو، لیکن تمہاری خاطر سے مانے لیتا ہوں کہ امتحان میں کامیاب ہوجاؤں گا!"۔

وہ مداخلت کرتی ہوئی بولی۔

"ہاں کامیاب تو ہوں گے!"

"ٹھیک ہے مان لیا —— لیکن ایک اور بات بھی تو سوچو!"

"پھر کوئی نئی بات سوچی ہوگی آپ نے!"

وہ مسکرایا۔

"ہاں نئی، لیکن بہت سچی!"

"تو کہئے!"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ بیرسٹری نہ چلے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری میری جیب میں ہو۔ لیکن نہ کسی کالج میں جگہ ملے نہ یونیورسٹی میں!"

"یہ لو، ان کی بھیّا کی سنو!"

"ہاں میری بہن، میں غلط نہیں کہتا، یہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر روز یہ تماشا میری آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں، اتنا بڑا رسک RISK میں اپنی بہنوں کے زیور پر نہیں لے سکتا۔ باپ کی کمائی پر لے سکتا تھا!"

"کیوں کیا بہنیں کچھ غیر ہوتی ہیں؟"

"بالکل نہیں —— بہنیں جو کچھ ہوتی ہیں وہ کوئی بھی نہیں

ہو سکتا اس دنیا میں!"

"پھر یہ منافرت کیوں برت رہے ہیں آپ؟"

"بھائی کا فرض معصوم اور سراپا محبت بہن کی پونجی پر ڈاکہ ڈالنا نہیں ہوتا۔ یہ ہوتا ہے کہ خود تباہ ہو جائے مگر ان پر آنچ نہ آنے دے، خود بھوکا رہے انہیں اچھے سے اچھا کھلائے۔ خود پھٹے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے۔ انہیں اچھے اچھے کپڑے پہنائے۔ سمجھ گئیں فرزانہ بیگم؟"

وہ جل کر بولی۔

"ہاں سمجھ گئی!"

وہ خوش ہو کر بولا۔

"شاباش!"

فرزانہ کہنے لگی۔

"اچھا ایک بات تو بتائیے!"

"کہو کیا بات؟"

"بھائی کا فرض تو یہ کچھ ہوتا ہے لیکن بہنوں کا بھی کچھ فرض ہوتا ہے یا نہیں؟"

"کیوں نہیں ہوتا ضرور ہوتا ہے!"

"ذرا بتا بھی دیجئے!"

"صرف ایک فرض کہ بھائی کا کھائیں!"

اور یہ کہکر وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

فرزانہ بگڑ گئی

"بس ہنسنا کوئی بھیا سے سیکھ لے چاہے موقعہ ہو یا نہ ہو!"

"تو پھر کیا روؤں؟"

اور پھر بہت محبت بھرے لہجہ میں کہا۔

"فرزانہ جو باتیں تمہارے سوچنے کی نہیں ہیں اُنہیں تم بالکل نہ سوچو، یہ باتیں میرے اوپر چھوڑ دو، میرا سینہ بہت چوڑا ہے۔ میں تمہارے تمام حوادث کے لئے سپر بن جاؤں گا۔ میں صرف ایک بات کا وعدہ تم سے چاہتا ہوں! —— بولو کرتی ہو سچے دل سے؟"

"کاہے کا؟ پہلے بتایئے تو!"

ایک تاثر کے عالم میں امتیاز نے کہا۔

"یہ کہ اب کبھی میں تمہاری آنکھوں کو آب گوں نہ دیکھوں۔"

"مسکراتی رہوں ہمیشہ آپ کی طرح؟"

"ہاں میری بہن جو ہو!"

اور اب جو امتیاز نے نگاہ اٹھائی تو فرزانہ کے ہونٹوں پر واقعی تبسم کھیل رہا تھا۔

امتیاز نے اسے مسکراتا ہوا دیکھا اور پھول کی طرح اس کا چہرہ کھل اٹھا، اس نے کہا۔

"فرزانہ اگر تو مسکراتی رہے گی تو ہر غم کو میں آسان بنا لوں گا۔ پھر میرا حوصلہ جسے کوئی نہیں چھین سکے گا۔ پھر میں طوفان کا مقابلہ

کروں گا اور انہیں شکستِ فاش دوں گا، پھر میں بڑی سے بڑی قوت سے ٹکر لینے میں ذرا نہیں جھجکوں گا۔ ابا جان جتنا مجھے چاہتے تھے اور تو جانتی ہے کہ بہت چاہتے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ میں تجھے چاہتا ہوں!"

"جانتی ہوں بھیا ——— مجھ سے زیادہ کون اس حقیقت کو جانے گا!"

"بس تو پھر اگر مجھے کامیاب دیکھنا چاہتی ہو تو خوش رہو رخسانہ کو بھی کبھی نہ رونے دو، اور امی جان کی آنکھوں سے بھی کبھی آنسو کا ایک قطرہ نہ ٹپکنے پائے۔!"

وہ ہنس کر بولی۔

"یہ لو، جیسے سارا گھر میرے ہی اشارہ پر تو چلتا ہے!"

"ہاں چلتا ہے، میں جانتا ہوں اماں بھی تجھے بہت چاہتی ہیں اور رخسانہ بھی، ان دونوں کو خوش رکھنے کی صرف ایک تدبیر ہے کہ یہ تجھے خوش دیکھیں!"

باب ۳

کشش

کالج کھل گیا!

وہی چہل پہل تھی وہی رونق، وہی احباب کی بے تکلف مجلسیں، وہی دوستوں کے بے ساختہ قہقہے، وہی شوخیاں، وہی شرارتیں، وہی فیلڈ کی ہنگامہ آرائیاں اور یونین کی خوش کلامیاں —— بس اگر کمی تھی تو یہ کہ امتیاز نہ تھا۔

وہی امتیاز جو دوستوں کا بھی محبوب تھا اور حریفوں کا بھی، واقعہ یہ ہے کہ اسے سب چاہتے تھے، وہ اس قابل تھا کہ چاہا جائے۔ اس کی عادات، اندرونی صفات، ایسے نہیں تھے جو فراموش ہو جائیں اس نے نقصان کبھی کسی کو نہیں پہنچایا، اور خدمت سب کی کرتا رہا۔ یہی باتیں تھیں جو سب کو یاد آتی تھیں۔

آج خاص طور پر اس کی یاد دوستوں کو بہت آرہی تھی، امجد کے نام اس کا ایک خط آیا تھا۔

عزیز دوست!۔

تمہارے کئی خط آئے، تم نے جس خلوص سے پرسش احوال کی اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس خلوص سے کالج آنے کی دعوت دی اس کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن اب میں کالج نہیں آسکتا، اب میں گریجویٹ نہیں بن سکتا، والد کے انتقال نے ساری اسکیمیں درہم برہم کر دیں۔ اب میں ہوں اور کشمکش روزگار، تم ان سطروں کو ماضی، حال، اور مستقبل کا نوحہ نہ سمجھ لینا، میں روتا نہیں، ہمت نہیں ہارتا جس دن والد کا انتقال ہوا اُس دن میں نے اپنے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا تھا میاں امتیاز، آدمی کو حقیقت پسند ہونا چاہیئے اور مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے، اب تم کچھ نہیں بن سکتے نہ وکیل نہ بیرسٹر، نہ ڈاکٹر نہ پروفیسر، اب تم صرف ایک کلرک بنو گے جس طرح اور بہت سے ہزاروں لاکھوں آدمی محنت مزدوری پر گذر بسر کرتے ہیں تم بھی کرو گے۔ تم میں کچھ سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں۔ کہ تمہارے بہت سے ابنائے جنس فاقے کریں اور تم اعلیٰ اعلیٰ کھانے کھاؤ۔ وہ پاپیادہ چلیں اور تم موٹر میں اُڑے اُڑے پھرو، وہ ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کریں اور تم فرسٹ کلاس کی سیٹ اپنے لئے بک کراؤ، وہ مشکل سے دال روٹی کھانے بھر کی مزدوری کریں اور تم ہزاروں روپیہ ماہوار تنخواہ وصول کرو، یہ نہیں ہو سکتا

تمہیں بھی اُنہی کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئیے اور دل کے اندر سے مجھے جواب ملا - امتیاز گھبرانا نہیں تم بالکل ٹھیک راستہ پر جا رہے ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں ——— امجد سچ کہتا ہوں وہ دن ہے اور آج کا دن پھر کبھی اونچا اڑنے کا خیال ہی نہیں آیا - اپنی موجودہ حالت پر قانع بھی ہوں اور خوش بھی - ہر روز اخبار میں "ضرورت" ہے کا کالم پڑھتا ہوں اور خود ہی ٹائپ کر کے درخواست بھیج دیتا ہوں، نہ جانے کہاں کہاں بھیج چکا ہوں، بہر حال کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں یہ تیر نشانے پر تو لگے ہی گا -

اچھا بھئی اب رخصت، تمہارا
امتیاز

امجد نے یہ خط سارے حلقۂ احباب میں گشت کرایا - سب نے اسے باری باری پڑھا -

انتصار نے کہا،

"پاگل ہے!"

اختر نے ریمارک کیا

"یہ تم نے کون سی نئی بات کہی!"

سب لوگ ہنس پڑے!،

"پاگل کہو یا کچھ، آدمی بڑے تیور کا ہے وہ جھوٹ نہیں بولتا، جو کچھ کہتا ہے کرتا بھی ہے -!"

امجد نے تائید کی،

"تم نے سچ کہا، واقعی وہ ایسا ہی آدمی ہے۔ لیکن یار اس کی جدائی نہیں برداشت ہو گی۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"میری رائے تو یہی ہے کہ اسے بلایا جائے!"

"نہیں آئے گا ——— اب وہ اکیلا نہیں اپنے بدقسمت گھر کا سہارا وہی اکیلا ہے!"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے، پرنسپل صاحب اسے آسانی سے وظیفہ دے دیں گے!"

"ٹھیک ہے، لیکن گھر کا انتظام کیسے ہو گا؟"

"ہم اس کے لئے چند ٹیوشن تلاش کریں گے!"

افتخار نے دخل درمعقولات کرتے ہوئے کہا۔

"جتنی اسکیمیں چاہو بنا لو، لیکن نتیجہ دیکھ لینا وہی ٹائیں ٹائیں فش ہو گا!"

"کیوں آخر؟"

"اس لئے کہ میں اس کی طبیعت جانتا ہوں، نہ وظیفہ لے کر وہ پرنسپل کا احسان لے گا نہ ٹیوشن قبول کر کے آپ حضرات کا زیر بارِ کرم ہو گا!"

"پھر کیا ہو گا آخر؟"

"وہی ہو گا جو اس نے لکھا ہے!"

"یعنی کلرک بن کر زندگی بسر کرے گا؟"

"ہاں قطعاً یہی!"

اختر نے بڑے افسوس کے لہجہ میں کہا،

"یار یہ سوچ کر دُکھ ہوتا ہے کہ امتیاز اور کلرک، لیکن بڑا ضدی ہے، افتخار تم سچ کہتے ہو، وہ ہم میں سے کسی کی نہیں سنے گا!"

مایوسی کی تاریکی میں امید کی کرن امجد کو نظر آئی۔ اس نے بڑے جوش کے ساتھ کہا۔

"پھر بھی ہمیں کوشش تو کر لینی چاہیئے!"

"ہاں کر لو کوشش! لکھ دو خط!"

"نا بھئی خط سے کام نہیں چلے گا!"

"پھر تار بھیجا جائے؟"

"وہ بھی بیکار ثابت ہوگا!"

"آپ کو نمائندہ بنا کر اس کے پاس بھیج دیا جائے!"

"لاحاصل، بیکار، اس سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکل سکے گا!"

"پھر آخر کیا چاہتے ہو؟ ——— ایک وفد بھیجا جائے اس کی خدمت میں؟"

امجد اُچھل پڑا۔

"قسم خدا کی تم نے میرے دل کی بات کہی۔ یہی میں چاہ رہا تھا۔ اس کے سوا اسے راہِ راست پر لانے کی کوئی ترکیب نہیں!"

اختر بیچ میں بول پڑا۔

"تجویز معقول ہے، میں وفد کے ساتھ چلوں گا!"

افتخار کیوں کسی سے پیچھے رہتا۔

"میں بھی چلوں گا!"

انصار نے ساری کمی پوری کر دی۔

"میں اکیلا یہاں رہ کر کیا بھاڑ جھونکوں گا؟ میں بھی چلوں گا!"

امجد نے اعلان کیا۔

"بس وفد ترتیب پا گیا۔ اب تمام ممبران باری باری اپنا کرایہ یہاں جمع کر دیں اور امیر وفد کا انتخاب کر لیں تاکہ آج ہی رات کی ٹرین سے روانگی عمل میں آجائے!"

افتخار نے کہا۔

"بننے کیوں ہو؟ —— امیر وفد تمہارے سوا کون ہو سکتا ہے؟ رہا کرایہ کا معاملہ تو پہلے دوسروں سے لے لو، پھر میں بھی غور کروں گا۔!"

دوسرے لوگوں نے فوراً اپنا اپنا کرایہ امجد کے پاس جمع کرا دیا۔ افتخار نے اپنی خالی جیبوں میں ہاتھ ڈالا اور کہا۔

"وصول ہو گیا سب؟"

امجد نے جواب دیا۔

"ہاں ہو گیا —— اب تم لاؤ!"

"یار میں کہیں بھاگا تو نہیں جاتا ٹکٹ لے لو، میں امتیاز سے

اپنا کرایہ دلوا دوں گا۔ اس نے ایک دفعہ مٹھائی کھلانے کا وعدہ کیا تھا، مگر ٹال گیا۔ اب حساب کتاب برابر کر دوں گا۔!"

سب لوگ ہنسنے لگے اور سفر کی تیاریوں کے سلسلہ میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

اور عین اس وقت جب امتیاز کے یہ بے تکلف دوست اُس کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے اور وفد بنا رہے تھے کہ جائیں اور اسے پکڑ کر لائیں۔ مہ جبین اپنی خوبصورت کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں ملول و افسردہ بیٹھی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا اس کے اندر سے خط نکال کر پڑھتی پھر رکھ دیتی؛ پھر پڑھتی اور پھر کچھ سوچنے لگتی۔

یہ امتیاز کا خط تھا۔

امتیاز نے اسے لکھا تھا ــــــــ!

"مہ جبین!"

تمہارا خط میں نے پڑھا، اسے پڑھ کر لطف بھی آیا، حیرت بھی اور افسوس بھی ہوا

پوچھو۔ کیوں؟

میں بتاتا ہوں:

لطف اس طرح آیا کہ بہت دنوں کے بعد تمہاری وہی بے ساختہ اور پُر لطف باتیں یاد آ گئیں جو ایک عرصہ دراز تک میرے وقت کی بہتر بن ساتھی رہی ہیں اور پھر تمہارا وہ طرز ــــ جو ہمیشہ سے تمہاری خصوصیت ہے۔ گفتگو میں جتنا

تیز نظر آتا تھا تحریر میں اس سے بھی زیادہ کارگر ثابت ہوا۔ میں نے پہلی مرتبہ تمہاری تحریر دیکھی اور اس سے اندازہ ہوا کہ تم بڑی اچھی اور حسب ضابطہ طرز ادیب بن سکتی ہو۔

حیرت یوں ہوئی کہ تمہاری اس تحریر سے میں نے اندازہ لگایا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہم دونوں کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بعض شریر لوگ مثلاً افتخار اور اختر انگشت نمائی بھی کرتے تھے لیکن میں نے اُن کی بکواس کو کبھی اہمیت نہیں دی، جھوٹ کیوں بولوں بارہا میرا دل چاہا کہ تم سے محبت کروں، کبھی کبھی ایسے لمحے بھی آئے کہ میں محسوس کرنے لگا محبت ہو گئی۔ لیکن جس طرح مجھے اپنے اوپر قابو ہے اسی طرح دل پر بھی ہے۔ میں نے ایسے جذبات کو ہمیشہ بُری طرح کچلا اتنا کچلا اتنا کچلا کہ وہ میرے تابع ہو گئے۔ جذبات کے سمندر میں انسان کی حقیقت تنکے سے زیادہ نہیں۔ وہ بہاتے ہیں یہ بہتا ہے لیکن تم نے سنا ہو گا جس طرح بعض متوکل جنوں کو قابو میں کر لیتے ہیں اسی طرح میں نے بھی جذبات کے جن کو قابو میں کر لیا۔

جب بھی میرے دل میں تمہیں چاہنے کا خیال آیا میں نے سوچا میری تمہاری محبت نبھ نہیں سکے گی۔ کہاں میں کہاں تم؟ میں ایک اوسط درجہ کے خاندان کا فرد، تم ایک ملک التجار کی نورِ نظر۔ اگر ہماری محبت پروان بھی چڑھی اور تمہاری شادی بھی ہو گئی تو بھی مستقل طور پر میں احساسِ کمتری کے مرض میں گرفتار رہوں گا اور تم کچھ عرصہ کے بعد احساسِ برتری کی مریض بن جاؤ گی۔ یہ چیزیں جذبات کے ہیجان میں زیادہ شدت کے

ساتھ نہیں محسوس ہوتیں لیکن جذبات کا دور ختم ہوتا ہے اور حقیقت زندگی میں داخل ہوتی ہے تو یہ چیزیں بہت زیادہ کھلتی ہیں، لہذا میں نے فیصلہ کرلیا ہم دونوں دوست بن کر رہ سکتے ہیں میاں بیوی نہیں بن سکتے۔ لیکن تمہارے خط سے یہ اندازہ ہوا کہ میرے دل کی کیفیت غلط نہ تھی جو وہ محسوس کررہا تھا وہی تمہارا دل بھی محسوس کررہا تھا۔ میں نے جس جذبہ کو اپنے دل سے نکال پھینکا تم اسے پالتی رہیں اور اخلاقی جرأت سے کام لے کر تم نے اس کا اعتراف بھی کرلیا۔ حیرت مجھے اس پر ہوئی لیکن فوراً ہی وہ افسوس سے بدل گئی۔ اگر والد کا انتقال نہ ہوا ہوتا یا میرے خاندانی حالات اس درجہ ابتر نہ ہوگئے ہوتے تو میں بڑی خوشی سے تمہارے اعتراف کے جواب میں اپنا مخلصانہ اعتراف پیش کر دیتا۔ لیکن اب میں جو زندگی اختیار کر رہا ہوں اس میں ادائے فرض کے سوا عشق و محبت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آج میں نے ایک خط امجد کو بھی لکھا ہے۔ وہ تمہارا صرف بھائی ہے اور میرا دوست بھی ہے اور بھائی بھی۔

امید ہے تم میرے خط کا غلط مطلب نہ لوگی اور وہی سمجھوگی جسے میں نے سچے دل سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

امتیاز

مہ جبین پر ایک اضمحلال سا طاری تھا۔ امتیاز کے اس خط نے

اسے عجب کشمکش و پیچ کی کیفیت میں ڈال دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اب کیا کرے؟

وہ امتیاز کو بہت صاف اور بے لاگ آدمی سمجھتی تھی، اسے یقین تھا، اس نے جو کچھ لکھا ہے سچ ہے۔ لیکن اس طرح بھی وہ اپنے دل کو اس پر آمادہ نہیں پاتی تھی کہ امتیاز کی یاد سے دست بردار ہو جائے، اس کی محبت کا خیال ترک کر دے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنی زندگی کا شریک بنا لے۔

وہ اسی سوچ میں بیٹھی تھی کہ امجد آ گیا۔ اس نے مہ جبین کو دیکھا اور کہا۔

"کیا بات ہے؟ تم افسردہ اور مضمحل کیوں نظر آ رہی ہو؟ میں جب یہاں سے گیا تھا تم بہت خوش تھیں، بتاؤ؟"

اُس نے امتیاز کا خط جلدی سے چھپا لیا اور کہا۔

"کچھ نہیں بھیّا، یونہی سر میں درد سا ہو رہا ہے کچھ دیر سے!"

"اوہ کوئی بات نہیں، ٹھیک ہو جائے گا۔ ہر وقت پڑھا لکھا نہ کرو!"

اور پھر اس نے کچھ دیر رک کر اپنی بہن سے کہا،

"ذرا میرا سامانِ سفر ٹھیک کر دو!"

وہ حیرت سے بولی۔

"کہیں جا رہے ہیں آپ؟"

"ہاں بس چند روز کے لئے!"

"آخر کہاں؟ کچھ بتائیے تو!"

امجد نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"بھائی بات یہ ہے کہ امتیاز کے بغیر جی نہیں لگتا۔ وہ اب آنے کو نہیں کہتا۔"

"یہ کیوں بھیّا؟"

"بیوقوف ہے اور کیوں۔"

وہ مسکرائی،

"تو آپ نے سوچا خود جاکر لے آئیں، کیوں؟"

وہ بھی مسکرا دیا۔

"ہاں اور کیا —— اختر افتخار اور انصار بھی جا رہے ہیں بیچارے کا غم بھی ہلکا ہو جائے گا ہم لوگوں کے جانے سے، باپ کے مرنے کا بہت صدمہ ہے اُسے۔ بڑے ضبط کا آدمی ہے۔ زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن خط کے ایک ایک لفظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صدمہ نے اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے!"

"کب جا رہے ہیں آپ؟"

"یہی نو بجے رات کی ٹرین سے صبح ہوتے ہوتے ہم وہاں پہنچ جائیں گے!"

وہ بچوں کی طرح اِٹھلا کر بولی

"بھیّا میں ایک شرط سے جانے دوں گی آپ کو۔!"

امجد نے مسکرا کر پوچھا،

"کون سی شرط!"

"مجھے بھی ساتھ لے چلئے!"

حیرت سے امجد نے مہ جبین کو دیکھا اور کہا

"تم کیا کرو گی جا کر ——— ؟"

وہ کہنے لگی۔

"آپ کے اتنے گہرے تعلقات ہیں، سب جانتے ہیں، وہ آپ کی وجہ سے، اس گھر میں آنے جانے لگے، اور رفتہ رفتہ انھیں وہی حیثیت حاصل ہوگئی، جو ایک رکن خاندان کی ہوتی ہے۔ لیکن میرے بھی وہ تو آخر کلاس فیلو ہیں، کیا میرا فرض نہیں ہے کہ میں بھی تعزیت اور ہمدردی کروں !؟"

"کیوں نہیں ہے خط لکھدو!"

وہ بچوں کی طرح روہانسی ہو کر بولی

"پھر آپ بھی خط کیوں نہیں لکھ دیتے ؟"

امجد لاجواب ہو گیا۔

"لیکن تم جا کر کرو گی کیا؟"

"آپ امتیاز سے تعزیت کیجئے، میں ان کی والدہ اور بہنوں سے کروں گی!"

بات امجد کی سمجھ میں آگئی

"تجویز تو معقول ہے ——— لیکن میرے ساتھ اور لوگ بھی تو جا رہے ہیں!"

"ٹال دیجئے سب کو، سچ کہتی ہوں، بھیا یہ لوگ مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے، ہیں تو آپ کے دوست، لیکن بڑے غیر مہذب ہیں، ان کے ساتھ تو میں قیامت تک نہ جاؤں!"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے، ان لوگوں کے ساتھ تمہارا سفر بے محل ہے لیکن ان کمبختوں کو ٹالوں کس طرح؟"

وہ مسکرائی۔

"کیا آپ کے سر میں کبھی درد نہیں ہوتا بھیا!"

امجد نے مسکراتے ہوئے بہن کو دیکھا۔

"کیا مطلب ——؟"

"بس آپ کے سر میں درد ہے، طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ کہیں نہیں جائیں گے، پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ اور —— اور کل ہم لوگ یہاں سے چلدیں گے، کالج میں چار، پانچ دن کی چھٹی بھی ہے کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ ہماری چال کا!"

امجد ہنس پڑا۔

"چالباز کہیں کی —— اچھا تو کسی آدمی سے کہلا دو، وہ سب آٹھ بجے سے ہی اسٹیشن پہونچ جائیں گے!"

"ہاں میں کہلائے دیتی ہوں آپ جایئے گھر میں! —— اور کل کے سفر کے لئے امی جان کو راضی کیجئے!"

"وہ راضی ہو جائیں گی۔ میرا کہا نہیں ٹالتیں اچھا میں امی جان کے

پاس جاتا ہوں، تم کسی کو ہوسٹل بھیج دو ابھی!"

"ابھی بھیجتی ہوں خیراتی کو ذرا باہر گیا ہے، آجانے دیجئے!"

"فون کیوں نہ کر دو!"

"ہاں یہ سب سے اچھا ہے!"

امجد اندر چلا گیا، اور مہ جبین نے ریسور اٹھایا —— !

باب ۴

اعتراف

امجد اور مہ جبین رات کی گاڑی سے روانہ ہوئے اور صبح ہوتے ہوتے امتیاز کے گھر پہونچ گئے۔

اور یہاں پہونچ کر دونوں کو ایک عجیب صورت حال سے دوچار ہونا پڑا، معلوم ہوا۔ رات ہی کی گاڑی سے امتیاز دلّی روانہ ہوگیا ہے، گھر والے امجد اور مہ جبین کے نام سے واقف تھے، فوراً مردانہ حصہ امجد کے لئے صاف کر دیا گیا، اور مہ جبین اندر پہونچ گئی، فرزانہ اور رخسانہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اس محبت سے دونوں پیش آئیں کہ معلوم ہوتا تھا، بہت پرانا ساتھ ہے، امجد نے لاکھ لاکھ کوشش کی کہ دوسری ٹرین سے واپس چلا جائے، لیکن نہ مہ جبین راضی ہوئی، نہ فرزانہ اور رخسانہ نے اجازت دی امجد کی طرح امتیاز کے گھر میں بھی پردہ کا رواج نہ تھا، لہذا چند ہی روز میں اجنبیت کی فضا دور ہو گئی، اور امجد بھی یہ محسوس کرنے لگا کہ وہ کسی غیر جگہ نہیں ہے، اپنے ہی گھر میں ہے، امتیاز کی والدہ کے حسن سلوک

اور شفقت و محبت سے امجد اور مہ جبین بہت متاثر ہوئے، ان کا پریشان چہرہ دیکھ کر دونوں بھائی بہن کے دل پر چوٹ سی لگی تھی، اگر وہ بھی بڑی صابر و شاکر بی بی تھیں، کیا مجال جو کبھی ان کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکلا ہو! جس سے اندازہ ہو سکے کہ وہ آج کل سخت مالی دشواریوں اور پریشانیوں میں گھری ہوئی ہیں،

ایک روز شام کی چائے پر یہ مختصر سا کنبہ بڑی دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا، پھر ایک ایک کر کے لوگ اٹھنا شروع ہوئے، سب سے پہلے امتیاز کی اماں نے باورچی خانہ کا رخ کیا، پھر رخسانہ کسی کام سے اپنے کمرے میں چلی گئی، اب فرزانہ، مہ جبین اور امجد باقی رہ گئے، امجد نے کہا

"بڑا ضدی ہے امتیاز، ہم نے سوچا تھا اسے کالج واپس لے چلیں گے، لیکن اسے نوکری کا خبط سمایا ہوا ہے، دلی چلا گیا"

مہ جبین بولی،

"ضدی نہ کہیئے بھیا، —— ان میں خود اعتمادی کا جوہر ہے جو شخص اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے، وہ کسی دوسری طرف نہیں دیکھتا!"

اور فرزانہ نے کہا۔

"میرے بھیا، بڑے اٹل ارادہ کے آدمی ہیں۔ میں نے کتنا کتنا زور دیا کہ وہ ولایت چلے جائیں، لیکن نہ ماننا تھے، نہ مانے، اپنی ہی بات پر اڑے رہے!"

اسی اثنا میں امجد کسی کام سے باہر چلا گیا، اب صرف مہ جبین اور

فرزانہ رہ گئیں۔

مہ جبین نے پوچھا،

"لیکن ولایت جانے کے وسائل ——————— یہی سوچ کر رہ گئے ہوں گے!"

فرزانہ بولی،

"نہیں بہن، وسائل تو تھے، بڑے مزے میں جا سکتے تھے، لیکن وہی تمہاری والی بات، انھیں اپنے اوپر اتنا بھروسہ ہے، کہ وہ کسی اور طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتے!"

مہ جبین نے سوال کیا

"دلّی میں کتنے کی جگہ ملی ہے؟"

"ڈیڑھ سو کی بتا رہے تھے!"

"بس!"

"ہاں اور کیا ——— وہ تو کہہ رہے تھے موجودہ حالات میں یہ بھی بہت ہے!"

"میں سوچتی ہوں، کیا کریں گے وہ اس رقم میں، کیا اپنے پاس رکھیں گے کیا یہاں بھیجیں گے!"

"کہہ رہے تھے، سو یہاں بھیجوں گا، اور پچاس اپنے پاس رکھوں گا!"

مہ جبین جل کر بولی

"انھیں تو خود تکلیف اٹھانے، اور دوسروں کو تکلیف کی حالت میں

دیکھنے میں لطف آتا ہے، اس طرح خود بھی تکلیف اٹھائیں گے، اور گھر میں بھی کسی کو سکھ نہ پہونچا سکیں گے!"

"یہ نہ کہو مہ جبین ـــــــ بھیا نے سچ کہا کہ واقعی یہ رقم ہم لوگوں کیلئے کافی ہے، پچاس روپیہ ایک آدمی کے لئے بہت ہیں بشرطیکہ وہ شوقین اور فضول خرچ نہ ہو، اسی طرح سو روپے میں ایک چھوٹا سا گھر چل سکتا ہے، بشرطیکہ ہم یہ محسوس کرلیں کہ سادی زندگی بسر کی جاسکتی ہے!"

وہ اپنایت کے لہجے میں ذرا اکڑتی ہوئی بولی،

"فرزانہ تم کچھ بھی کہو، میری یہ پختہ رائے ہے کہ انھوں نے جلد بازی سے کام لیا!"

فرزانہ مسکرائی۔

"ابھی امجد بھیا کے سامنے تو کچھ اور کہہ رہی تھیں، اتنی جلدی رائے بدل دی؟"

مہ جبین نے مسکراتے ہوئے کہا،

"میری وہ رائے بھی صحیح تھی، یہ بھی صحیح ہے، میں ان کے خود اعتمادی کے جذبہ کی قدر کرتی ہوں، لیکن خود اعتمادی کے معنے یہ تو نہیں ہیں کہ آدمی جائز سہولتیں بھی ٹھکرا دے، انھوں نے اگر امجد بھیا کا کہنا نہیں مانا تھا، نہ مانتے، لیکن تم نے بھی تو وہی کہا، کہ یہاں ان کے ولایت جانے کی سبیل نکلی، اور اسے بھی ٹھکرا دیا ـــــــ یہ کون سی عقلمندی تھی آخر!"

فرزانہ خاموش ہوگئی!

تھوڑی دیر تک چپ بیٹھے رہنے کے بعد مہ جبین نے کہا

"تمہاری بڑی بہن ریحانہ آپا کہاں ہیں؟"

"سسرال میں!"

"اچھا ایک بات پوچھوں؟"

"شوق سے پوچھئے!"

"رخسانہ کی کہیں بات چیت ٹھہری!"

فرزانہ نے کہا۔

"ہاں ایک جگہ ٹھہری تو ہے، شاید اگلے مہینے ان کی شادی وہاں ہو جائے!"

"شاید کیوں؟"

"شاید اس لئے کہ اگر حالات نے ہمارا ساتھ دیا ——— آجکل شادی بھی تو ایک مرحلہ بن گیا ہے۔!"

"ہاں یہ تو ہے!"

پھر دونوں پر خاموشی طاری ہو گئی!

تھوڑی دیر کے بعد پھر مہ جبین نے قفل سکوت توڑا،

"ایک بات اور پوچھوں؟"

"آپ اجازت کیوں لیتی ہیں، پوچھئے!"

"شرماؤ گی تو نہیں!"

یہ کہہ کر مہ جبین ہنس پڑی، اور فرزانہ بھی کچھ جھینپ سی گئی، کہنے لگی،

"کچھ اور باتیں کیجئے!"

"یہ بتاؤ تمہاری بات بھی کہیں ٹھری!"

ذرا جھجکتے ہوئے فرزانہ نے کہا۔

"جب تک رخسانہ آپا کا مرحلہ طے نہ ہو جائے، میرا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!"

مہ جبین نے ایک نظر فرزانہ پر ڈالی اور کہا

"اچھا بھئی، ایک بات اور بتا دو، پھر اگر کچھ ہم پوچھیں تو جو چور کی سزا وہ ہماری!"

فرزانہ ہنسنے لگی

"لگے ہاتھوں وہ بھی پوچھ ڈالئے!"

"تمہارے امتیاز بھیا کی شادی کہاں ہو رہی ہے؟"

فرزانہ کا تبسم نہ رک سکا

"ایک شرط سے جواب دوں گی!"

"منظور ہے وہ شرط!"

فرزانہ نے بے تکلفی کے ساتھ کہا

"پہلے سن لیجئے! ——— پھر میں بھی جو کچھ پوچھوں، آپ کو جواب دینا پڑے گا ——— اس کا وعدہ کیجئے، تب آپ کے سوال کا جواب دونگی!"

مہ جبین نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں جو کچھ تم پوچھو گی۔ بتا دیں گے۔ پہلے ہمارے سوال کا جواب دو

ٹھیک ہے!"

"بھیا کی شادی ابھی کہیں بھی نہیں ہو رہی ہے، اور میرا جہاں تک خیال ہے، وہ ایک عرصہ تک شاید اس جنجال میں نہ پڑیں!"

"یہ کیوں آخر؟"

فرزانہ نے کہا۔

"اب میری باری ہے، پہلے میرے سوالات کا جواب دیجئے، پھر پوچھئے گا اور کچھ!"

اٹھلاتے ہوئے مہ جبین بولی

"فرمایئے کیا ارشاد ہوتا ہے؟"

"صرف ایک سوال!"

"کہہ ڈالو جلدی سے!"

"آپ کی شادی ہو گئی؟"

مہ جبین کا چہرہ سرخ ہو گیا

"نہیں!"

فرزانہ نے پھر پوچھا

"کہیں بات چیت ٹھہری؟"

مہ جبین نے صرف ایک لفظ کہا

"نہیں!"

فرزانہ نے ذرا شرماتے ہوئے کہا

"اب ایک بات اور پوچھنا چاہتی ہوں جی کڑا کر کے!"

بڑی محبت کے ساتھ مہ جبین نے کہا

"پوچھو میری بہن! کیا پوچھتی ہو؟"

فرزانہ نے ڈرتے ڈرتے کہا

"آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گی، برا تو نہیں مانیں گی، میرے متعلق کوئی غلط رائے تو نہ قائم کر بیٹھیں گی؟"

بڑے پیار سے مہ جبین بولی

"تم سے خفا ہو جاؤں گی؟ تمہاری بات کا برا مانونگی؟ تمہارے بارے میں غلط رائے قائم نہ کر بیٹھوں گی؟ ——— کہیں ایسا ہو سکتا ہے!"

"اچھا تو یہ بتائیے؟"

"ہاں کیا بتاؤں؟ کیا پوچھتی ہو؟"

"آپ محبت کرتی ہیں کسی سے؟"

مہ جبین کی کنپٹی سرخ ہو گئی

"یہ تم کیوں پوچھتی ہو؟"

سہم کر فرزانہ نے کہا ———

"میں پہلے کہتی تھی، آپ خفا ہو جائیں گی؟"

اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں

مہ جبین نے پیار سے اسے گلے لگا لیا

"اے تم تو رونے لگیں ——— خدا کی قسم، میں ذرا بھی خفا

نہیں ہوئی!"

فرزانہ نے آنسو پونچھ ڈالے اور کہا۔

"اچھا تو بتلایئے؟"

مہ جبین کو ہنسی آ گئی،

"یہی کہ میں کسی سے محبت کرتی ہوں یا نہیں؟"

"ہاں یہی ——————— ؟"

ایک ٹھنڈی سانس لے کر مہ جبین نے کہا

"نہیں ——————— نہ مجھ سے کوئی محبت کرتا ہے نہ میں!"

فرزانہ نے بات کاٹ لی،

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کوئی آپ سے محبت نہیں کرتا۔؟"

"یہ بات میرے سوا اور کون کہہ سکتا ہے، سب سے پہلے مجھی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے!"

"یہ تو قطعاً ضروری نہیں ہے ——————— محبت کی زبان بھی ہوتی ہے اور وہ بے زبان بھی ہوتی ہے، کوئی اپنی طبیعت کا راز کہہ دیتا ہے، کوئی نہیں کہتا، کوئی درد کا اظہار کرتا ہے، کوئی چپ رہتا ہے، کسی کی زبان چلتی ہے کسی کا دل دھڑکتا ہے، یہ تو اپنی اپنی طبیعت اور اپنا اپنا مزاج ہے!"

مہ جبین غور سے فرزانہ کی باتیں سنتی رہی اور پھر بولی۔

"یا تو تم اس طرح گم سم اور چپ چاپ بیٹھی تھیں کہ مجھے شبہ ہونے لگا کہ تم ان باتوں کو جانتی بھی ہو یا نہیں! اور یا بولیں تو ساری کسر نکال دی۔"

فرزانہ نے کہا

" میرا ذکر چھوڑیئے ——————— یہ بتایئے، اگر کوئی آپ سے محبت کرتا ہو، تو —————— ؟"

" مجھ سے اگر کوئی محبت کرتا ہو تو —————— ؟"

" ہاں ۔ بتلایئے، آپ اس کی محبت قبول کریں گی یا ٹھکرا دینگی ؟"

ایک مرتبہ پھر مہ جبین کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن جلد ہی وہ اپنی کیفیت پر غالب آگئی !

" یہ تو تم اس طرح پوچھ رہی ہو، جیسے تمہیں معلوم ہو، مجھ سے کوئی محبت کرتا ہے ؟"

" فرزانہ نے فوراً کہا

" ہاں میں جانتی ہوں !"

مہ جبین کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہو گیا، کہنے لگی ،

" کون ہے وہ شخص ؟ ذرا مجھے بھی بتا دو ، میں بھی تو دیکھوں کون صاحب ہیں جو مجھ سے عشق فرمانے کی زحمت گوارا کر رہے ہیں !"

" کوئی بھی ہے پہلے میرے سوال کا جواب دیجئے —————— آپ اس کی محبت قبول کریں گی، یا ٹھکرا دیں گی ؟"

مہ جبین نے شریر نظروں سے فرزانہ کو دیکھا ، اور کہا ،

" قبول کر لوں گی !"

خوشی سے بیتاب ہو کر فرزانہ تقریباً چیخ پڑی

"سچ ! سچ بتایئے ؟"

" کہہ رہی ہوں، اور کس طرح کہوں ؟"

" آپ اس کی محبت قبول کر لیں گی ! نہیں ٹھکرائیں گی ؟ میں یقین کر لوں ؟"

مہ جبین نے عاجز آتے ہوئے کہا

" ہاں بھئی، آخر کس طرح مانو گی ! مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے ! بھلا سوچو تو سہی، محبت کرنے والا دل بڑی مشکل سے ملتا ہے، اسے کوئی بیوقوف ہی ٹھکرا سکتا ہے !"

قبل اس کے کہ فرزانہ جواب میں کچھ کہے، مہ جبین نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

" لیکن کون ہے وہ شخص ! ——— کہیں تم ہی تو نہیں ہو ؟"

فرزانہ نے ذرا خفا ہوتے ہوئے کہا

" لیجئے اب مذاق کرنے لگیں آپ !"

" اس میں مذاق کی کیا بات ہے، کیا تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتیں میری پوچھو تو سچ کہتی ہوں چند ہی روز میں تم سے اتنی محبت کرنے لگی ہوں اتنی محبت کرنے لگی ہوں کہ کہہ نہیں سکتی !"

" وہ تو ٹھیک ہے، میں مانتی ہوں، ان چند دنوں میں خود میں بھی جتنی محبت آپ کی شرافت، اخلاق، اور سچائی سے کرنے لگی ہوں، میرا ہی دل

جانتا ہے، لیکن میں جو کچھ پوچھ رہی ہوں وہ دوسری بات ہے؟"

"یعنی تمہارے علاوہ کوئی اور صاحب ہیں جو مجھ سے محبت کرتے ہیں؟"

"ہاں، ہاں، ہاں!"

مہ جبین نے فرزانہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا،

"کون؟ ——— اب تمہیں نام بتانا پڑے گا!"

"اور اگر میں نہ بتاؤں تو؟"

"تو میں خفا ہو جاؤں گی تم سے!"

"اچھا ہاتھ چھوڑیئے ابھی دکھاتی ہوں!"

"دکھاؤ گی کیا! میں جو کچھ پوچھ رہی ہوں وہ بتاؤ!"

"ہاں ہاں بتاتی بھی ہوں، اور دکھاتی بھی ہوں ——— آیئے میرے ساتھ!"

فرزانہ مہ جبین کو اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے گئی اور کہنے لگی،

"جانتی ہیں آپ یہ کس کا کمرہ ہے!"

پھر اس نے ایک الماری کھولی،

"جانتی ہیں آپ یہ کس کی کتابیں ہیں؟"

پھر اس نے ایک البم نکالا

پھر اس نے البم کھولا، ایک حسین وجمیل، خوب رو اور خوش اندام، طرحدار اور باوقار تصویر پر انگلی رکھی اور کہا

"جانتی ہیں آپ یہ کس کی تصویر ہے؟"

مہ جبین شرما گئی

"یہ اسی کی تصویر ہے ——— ؟"

پھر فرزانہ نے تصویر اور آگے بڑھائی اور آگے بڑھائی، اور مہ جبین کی آنکھوں کے سامنے لے جا کر کہا

"ذرا اسے بھی پڑھیئے!"

تصویر پر امتیاز کے ہاتھ کا لکھا ہوا جگر کا یہ شعر درج تھا ؎

ایک تجلی، ایک تبسم، ایک نگاہِ بندہ نواز!
اس سے زیادہ اے غمِ جاناں، دل کی قیمت کیا کہیئے!

شوخ نظروں سے فرزانہ نے مہ جبین کو دیکھا اور کہا۔

"کہیئے پڑھا آپ نے ؟"

وہ سنجیدگی کے ساتھ بولی

"ہاں پڑھ لیا!"

فرزانہ نے اسی شوخی سے پوچھا

"یقین آیا آپ کو ؟"

"نہیں!"

فرزانہ کی شوخی کافور ہوگئی، اس نے بیتابی اور اضطراب کے ساتھ کہا

"نہیں ؟"

اور زیادہ سنجیدگی کے ساتھ مہ جبین نے کہا

"بالکل نہیں ——— اس پر کون سی تاریخ لکھی ہے ؟"

"چھ مارچ!
اور آج کون سی تاریخ ہے!"
"پندرہ جولائی!"
"اتنے دنوں میں بہت کافی تغیر ہو سکتا ہے حالات اور خیالات میں، یقین نہ ہو تو یہ دیکھو!"

یہ کہکر مہ جبین نے امتیاز کا وہ خط فرزانہ کے سامنے ڈال دیا، جو ابھی چند روز پہلے اس نے لکھا تھا،

اور جب فرزانہ نے خط پڑھ کر نظر اٹھائی، تو دیکھا. مہ جبین کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو اس طرح جھلمل جھلمل کر رہے تھے، جیسے تالاب میں کنول کا پھول،

وہ کچھ نہ کہہ سکی
اس کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں!

باب ۵

پھر ملیں گے

امتیاز نے اپنی نئی زندگی کا دور ہمت اور حوصلہ سے شروع کیا، اس نے اسے بالکل فراموش کردیا، وہ کل تک کیا تھا، اور آج کیا ہے! اور یہ "آج" بھی مستقل ہے یا نہیں؟ کہیں ماضی کی طرح یہ بھی تو نہ چھن جائے گا!

اسے ماں کی یاد ستاتی تھی، بہنیں یاد آتی تھیں، امجد یاد آتا تھا، کالج کے بے تکلف اور دکھ درد کے ساتھی، دوست یاد آتے تھے، اور سب سے بڑھ کر اس کے دل میں مہ جبین کی یاد چٹکیاں لیتی تھی، لیکن اسے اپنے جذبات پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی، ان یادوں کو وہ اپنے دل سے محو کر دیتا تھا، اور دل کو سمجھاتا تھا. لاحاصل کا چاہنا حماقت ہے، نہ ملنے والی چیز کے لئے تڑپنا بیوقوفی ہے جذبات کی رو میں بہہ کر حقائق کو نظر انداز کردینا دیوانہ پن ہے، دل بڑی مشکل سے سمجھتا تھا، لیکن آخر کار اسے امتیاز کی بات ماننی ہی پڑتی تھی،

امتیاز کی زندگی بڑی محنت اور عسرت کی زندگی تھی، لیکن نہ وہ اس زندگی

کاشاکی تھا، نہ کسی بہتر زندگی کا خواب دیکھتا تھا، وہ عملی آدمی تھا، فکر و تخیل کی دنیا سے نہ اسے کوئی سروکار تھا، نہ وہ کسی قسم کا سروکار رکھنا چاہتا تھا،

ایک روز شام کو جب وہ دفتر سے باہر نکلا، تو اختر اس کے ساتھ ہو لیا یہ بھی اسی دفتر میں ملازم تھا، ذہین اور خوش اخلاق نوجوان تھا، نہ جانے کیوں پہلے ہی دن سے یہ امتیاز کو پسند کرنے لگا تھا، وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ وہ اسی کے پاس صرف کرتا تھا، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے اس سے باتیں کرنے کے مواقع نکالتا تھا، کبھی کسی مسئلہ پر بحث چھڑ جاتی، تو وہ خواہ مخواہ امتیاز کا ساتھ دیتا تھا، امتیاز بھی اس سے اخلاق و تپاک کے ساتھ ملتا تھا، اس کی ذہانت اور رفاقت کا معترف تھا، اس سے مل کر اور باتیں کر کے وہ بہت خوش ہوتا تھا، چنانچہ وہ اس وقت بھی اختر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا،

"ارے بھئی آج سنیچر ہے!"

"ہاں تو؟"

مسکرا کر امتیاز نے کہا

"میرا مقصد یہ ہے کہ آج تو تمہیں سنیما میں ہونا چاہئے تھا، میرے ساتھ کہاں جا رہے ہو؟"

اختر نے کہا

"بھئی امتیاز، سنیما دیکھنا ہے اور ضرور دیکھیں گے، مگر تنہا نہیں!"

"پھر کیا پروگرام ہے، کس کے ساتھ جا رہے ہو؟"

"تمہارے ساتھ!"

"نا بھئی مجھے معاف کرو ——— میں کہاں اور یہ وبال کہاں! میرے پروگرام میں فی الحال تفریحات کی کوئی گنجائش نہیں! نہ میرے بجٹ میں سینما کی کوئی مد ہے!"

اختر نے کہا۔

"آؤ سمجھوتہ کرلیں!"

پھر وہ بولا

"تم پروگرام میں گنجائش نکال لو، میں بجٹ میں سے یہ مد نکال لوں گا!"

امتیاز ہنس پڑا۔

"اچھا تم نہیں مانتے تو چلا چلوں گا!"

اختر سمجھ گیا تھا، امتیاز کی نہیں کو ہاں سے بدلوانا آسان نہیں ہے اس وقت خلاف توقع امتیاز کی رضامندی سے وہ بہت خوش ہوا اس نے کہا۔

"پتھر میں بھی جونک لگ سکتی ہے؟"

امتیاز نے مسکرا کر پوچھا

"کیا مطلب؟ ——— میں پتھر ہوں اور تم جونک!"

دونوں ہنس پڑے۔

اتنی دیر میں سینما ہاؤس آگیا۔ اختر نے ٹکٹ لئے اور دونوں اطمینان سے بیٹھ کر فلم دیکھنے لگے۔

فلم میں کوئی خاص بات نہ تھی! ———

وہی عشق و محبت کی پرانی داستان، وہی عشق و محبت کی کشمکش، وہی آہ و فغاں کی شرر باریاں، وہی ہجر و فراق کی کہانیاں، وہی دراندازوں کی مخالفتیں، لیکن اختر اس فلم سے بہت متاثر ہوا، بار بار اس نے رومال سے اپنے آنسو پونچھے، کئی بار تو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پھوٹ پڑے گا۔

سینما دیکھ کر جب دونوں دوست باہر نکلے، تو امتیاز نے اختر کو چھیڑتے ہوئے کہا

"یہ آج معلوم ہوا کہ تم بڑے رقیق القلب ہو!"

اختر نے جل کر کہا

"اپنی طرح ہر ایک کو سنگ دل کیوں سمجھتے ہو؟"

امتیاز نے کوئی جواب نہ دیا!

دونوں خاموشی کے ساتھ چلتے رہے

امتیاز کی قیام گاہ پر پہونچ کر اختر نے کہا

"شب بخیر!"

امتیاز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

"کہاں چلے حضرت، ادھر آیئے غریب خانہ کی طرف!"

اختر نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا

"بہت دیر ہو جائیگی پھر —— اب جانے دو!"

وہ بولا۔

"جانے کیسے دوں؟ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں تم سے!"

اختر امتیاز کے ساتھ ہولیا! پہلے دونوں نے کھانا کھایا، پھر اختر نے پوچھا ــــــــــــ

"کیا کہہ رہے تھے ؟"

امتیاز نے جواب دیا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یہ ملازمت ترک کر دوں !"

اختر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا، اس نے اختر کی ذہنی کیفیت کی ذرا بھی پروا کئے بغیر کہا۔

"اور میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ اس شہر کو بھی الوداع کہدوں !"

اختر اب بھی کچھ نہ بولا۔ اور امتیاز اپنی رو میں بدستور کہے چلا گیا

"لہذا آج کی رات تم جتنی دیر میرے پاس بیٹھ سکو بیٹھو، صبح ہوتے ہوتے میں رخصت ہو جاؤں گا !"

اب اختر بولا

ان دو فیصلوں کے ساتھ تمہیں ایک تیسرا فیصلہ بھی کر لینا چاہیئے تھا ــــــ !"

"وہ کیا ؟"

"یہ کہ ملازمت چھوڑنے اور شہر کو الوداع کہنے سے پہلے مجھے مار ڈالو!"

امتیاز نے آنکھ اٹھائی تو دیکھا اختر کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے :

تھوڑی دیر تک خاموشی سی طاری رہی، پھر امتیاز نے کہا

"دیکھو اختر، تمہاری انہی باتوں سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، تم بہت جذباتی آدمی ہو!"

اختر نے کہا۔

"میں بحث کرنا نہیں چاہتا، نہ تمہیں قائل کرنا چاہتا ہوں، اس لئے کہ تمہیں کوئی قائل نہیں کر سکتا، پھر بھی کیا میں تم سے دریافت کر سکتا ہوں کہ اس قدر جلد تم نے اتنے اہم فیصلے کیسے کر ڈالے؟"

امتیاز گہری سوچ میں پڑ گیا

اختر نے کہا

"جواب دو امتیاز

امتیاز نے سر اٹھایا

"یہ نہ پوچھو تو اچھا ہے!"

"ضرور پوچھوں گا، اور تمہیں بتانا پڑے گا؟"

"بات یہ ہے کہ اس ملازمت کے سلسلہ میں مجھے اپنے ضمیر کے خلاف کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، جعلسازوں کا ساتھ دینا پڑتا ہے، بلیک مارکٹ کرنیوالوں کی حوصلہ افزائی کرنا پڑتی ہے، رشوت دینے والوں کا خیر مقدم کرنا پڑتا ہے، خود غرضوں اور قوم کے دشمنوں کے ساتھ رعایت کرنی پڑتی ہے، یہ کام میں نہیں کر سکتا!"

اختر نے پوچھا

"لیکن کیا تمہارے مستعفی ہو جانے سے یہ صورت حال ختم ہو جائیگی

"میرا حصہ تو ان کاموں میں کچھ نہ رہے گا!"

"اچھا صاحب آپ نے ملازمت ترک کر دی پھر؟"

"یعنی اس کے بعد میں کیا کروں گا؟"

"ہاں میرا مقصد یہی ہے۔"

"یہ میں نے ابھی نہیں سوچا!"

"اس شہر نے تمہاری کیا خطا کی ہے؟ اسے کیوں چھوڑ رہے ہو؟ بہت سے کام یہاں مل سکتے ہیں!"

"اس لئے کہ میں نے اپنے استعفے میں ان تمام لوگوں کے جرائم واشگاف طریقہ پر بیان کر دیئے ہیں، جن کا نامۂ اعمال سیاہ ہے، خواہ وہ میرے ماتحت ہوں یا افسر۔ مجھے ان لوگوں سے اور کوئی خطرہ نہیں، یہ اندیشہ ضرور ہے کہ یہ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں گے کہ مجھے کوئی اور روزگار نہ ملے، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گے، لہٰذا تقاضائے دانش یہی ہے کہ میں کسی اور جگہ جا کر قسمت آزمائی کروں!"

اختر نے کہا

"بڑے ظالم ہو تم، اب میں تمہیں کہاں پاؤں گا؟"

اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں!

امتیاز نے محبت بھری نظروں سے اختر کو دیکھا

"اگر زندگی باقی ہے تو پھر ملیں گے!"

باب ۶

نیا شہر

امتیاز صبح ہوتے ہوتے روانہ ہوگیا، اختر اسے اسٹیشن تک پہنچانے آیا۔ جب ریل نے سیٹی دی، اختر نے کہا

"خط لکھتے رہنا!"

اور گاڑی روانہ ہوگئی۔

امتیاز دوسرے دن بمبئی پہنچ گیا، اتنا بڑا اور شہر اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، یہ چوڑی چکلی سڑکیں، یہ ٹریم کار، یہ بسیں، یہ ایک سے ایک بہتر اور خوبصورت موٹریں، یہ لوگوں کا بے پروا ہجوم، یہ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط، یہ سینما ہاؤسوں کی کثرت، یہ فلم کمپنیوں کا ہجوم، یہ دن کی گرم بازاری، یہ رات کی شہر یاری، یہ مزدوروں کی ریل پیل، یہ سرمایہ داروں کی ارزانی، یہ مسجدیں، یہ مندر، یہ کلیسا، بلند و بالا عمارتیں، یہ نظر فریب اور دلفریب تفریح گاہیں، یہ کلب، یہ نشاط خانے، یہ ہوٹل، یہ

سبزہ زار، یہ اسکول، یہ کالج، یہ پرشور سمندر، یہ پرسکون ساحل، یہ تاج محل ہوٹل ——— !

غرض جو چیز تھی وہ عجیب !

اس نے اپنے دل میں سوچا، انسانوں کے اس سمندر میں مجھ قطرۂ ناچیز کو کون پوچھے گا، پھر اس نے اپنے دل سے کہا،

"ہمت ہارنا مردوں کا شیوہ نہیں، میں اس شہر میں رہوں گا اور اپنی جگہ ضرور نکالوں گا !"

وہ ایک مسافر خانے میں ٹھہرا تھا، ہوٹل میں کھانا کھاتا تھا، رہتا یہاں تھا، اس نے کئی فرموں اور کمپنیوں میں ملازمت کی درخواست دے رکھی تھی. مگر جواب تک نہ ملا تھا، وہ سیٹھوں اور ساہوکاروں سے ملا، مگر کسی نے سیدھے منہ بات تک نہ کی، جو تھوڑی سی پونجی وہ اپنے ساتھ لایا تھا وہ ختم ہوتی جا رہی تھی، اور ملازمت کا دور دور نزدیک کہیں کوئی پتہ نہ تھا، اس کا معمول یہ تھا کہ صبح سے شام تک دفتروں اور آفسوں کے چکر کاٹتا تھا، اور رات ہوتے ہوتے مسافر خانے میں واپس آ جاتا تھا !

ایک روز وہ گھومتا گھامتا دادر میں پہونچا، ایک خوب صورت سی عمارت پر ایک شاندار بورڈ آویزاں تھا۔

"نیشنل پکچرز"

امتیاز نے سوچا لاؤ یہاں بھی قسمت آزمائی کر لیں، وہ سیدھا منیجر کے کمرے میں پہونچا، منیجر صاحب نے عینک اتار کر اسے دیکھا۔

"فرمایئے کیا چاہیئے آپ کو؟"

امتیاز نے سامنے کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا

"ملازمت چاہیئے!"

منیجر صاحب سمجھے تھے یہ کسی اخبار کا منیجر ہے، اشتہارات کا بل لینے آیا ہے، لیکن یہ نکلا ملازمت کا امیدوار انھوں نے فوراً گھنٹی بجائی دربان حاضر ہوا۔

"صاحب کو سیٹھ صاحب کے پاس لے جاؤ!"

امتیاز دربان کے ساتھ سیٹھ صاحب کے کمرے میں پہونچا، سیٹھ صاحب کا نام قاسم سیٹھ تھا۔ لکھپتی آدمی تھے، خوب کمایا اور خوب لٹایا۔ جتنا کمایا فلموں سے کمایا اور جو کچھ کمایا سب فلموں پر نچھاور کردیا، ان کا خرچ اس لئے تھا کہ آمدنی بن جائے، اور آمدنی اس لئے تھی کہ خرچ بن جائے، اس وقت راجہ اندر بنے پریوں کے اکھاڑے میں بیٹھے تھے، ایک سے ایک ایکٹرس ملازم بھی، اور ملازمت کی امیدوار بھی، اور امیدوار کرم بھی، سیٹھ صاحب کو اپنے جلو میں لئے بیٹھی تھیں امتیاز نے کارڈ بھیجا، سیٹھ صاحب نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور دربان سے کہا

"بلاؤ ——— !"

دربان باہر گیا اور امتیاز اندر آگیا۔

امتیاز کو دیکھ کر یہ پردۂ فلم پر ناچنے اور گانے اور عشق و محبت کا سوانگ رچانے والی عورتیں اس طرح دبک کر بیٹھ گئیں، جیسے بھیڑوں کے گلہ میں بھیڑیا آگیا، امتیاز نے کسی کی طرف نہیں دیکھا۔ چپ چاپ صوفہ پر آکر بیٹھ گیا۔

سیٹھ صاحب نے پوچھا،

"کہو بھئی کیا چاہتے ہو ؟"

اس نے وہی جواب دہرایا جو منیجر کو دیا تھا یعنی ؛

"ملازمت !"

سیٹھ صاحب نے پوچھا

"کس قسم کی ؟"

وہ بولا۔

"یہ آپ کے اختیار میں ہے !"

ملازمت کے کسی امیدوار نے سیٹھ صاحب سے اب تک اس بیباکی سے بات چیت نہیں کی تھی، یہ پہلا اتفاق تھا کہ انھیں اس طرح کے آدمی سے پالا پڑا وہ آرام کرسی پر دراز تھے، اب سنبھل کر بیٹھ گئے !

"گانا جانتے ہو ؟"

"بالکل نہیں !"

"کسی فلم کمپنی میں اس سے پہلے کام کیا ہے ؟"

"جی نہیں !"

سیٹھ صاحب نے پوچھا

"سینما دیکھتے رہتے ہو ؟"

وہ بولا۔

"کبھی کبھی !"

اتنی دیر میں سیٹھ صاحب نے فیصلہ کر لیا

"پھر ہمارے ہاں تمہارا کیا کام ؟"

وہ اٹھ کھڑا ہوا

"شکریہ !"

سیٹھ صاحب اسے حیرت سے دیکھنے لگے، نہ التجا، نہ التماس، نہ نظر ثانی کی درخواست، نہ رحم و کرم کی اپیل، عجیب ٹیکھے مزاج کا ہے یہ نوجوان !

جب وہ جانے لگا، سیٹھ صاحب نے کہا۔

"سنو تو !" ۔

وہ واپس آکر بیٹھ گیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے تم اس جواب کے متوقع تھے !"

"جی ہاں ——— جب سے بمبئی آیا ہوں، یہی جواب سن رہا ہوں۔ لہذا آپ کے انکار پر نہ مجھے صدمہ ہوا، نہ تعجب، ہاں اگر آپ مجھے ملازمت دیتے، تو ضرور مجھے تعجب ہوتا !"

سیٹھ صاحب کے پاس جو ایجنٹ لیس بیٹھی تھیں۔ یہ الفاظ سنکر مسکرانے لگیں، سیٹھ صاحب کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا، کہنے لگے،

"پھر اب کیا کرو گے ؟"

"ابھی کافی دن باقی ہے، تین چار جگہوں کا اور چکر لگاؤں گا، پھر میں ہوں اور میرا مسافر خانہ !"

"ارے ارے تم مسافر خانہ میں ٹھہرے ہو؟"

"جی ہاں!"

"کہیں باہر سے آئے ہو؟"

"جی ہاں بہت دور سے!"

سیٹھ صاحب کے قریب ہی ایک نوخیز اور خوبصورت ایکٹریس بیٹھی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے سنگ مرمر کا مجسمہ رکھا ہو، اس نے سیٹھ صاحب سے کہا۔

"وہ آپ نئی فلم جو بنا رہے ہیں ——————"

"ہاں ہاں! "بے روزگار!"

وہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی بولی،

"جی وہی —————— اس میں ایسے ہی ہیرو کی ضرورت ہے جیسے یہ ہیں!"

سیٹھ صاحب نے نگاہ توجہ سے امتیاز کو دیکھا اور کہا۔

"ہاں بات تو ٹھیک ہے!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"یہ گانا تو جانتے ہی نہیں، پھر رکھ کر کیا کیجئے گا!"

سیٹھ صاحب نے بے پروائی سے کہا۔

"گانا نہیں جانتے، لب ہلانا تو جانتے ہیں!"

وہ ہنس پڑی، سیٹھ صاحب بھی مسکرا دیئے، لیکن وہ ہار ماننے والی نہیں

تھی، کہنے لگی۔

" انھوں نے کسی فلم میں کام بھی تو نہیں کیا ہے!"

سیٹھ صاحب نے کہا

" اب سبھی! اب کرلیں گے!"

وہ بولی۔

" یہ سینما بھی تو نہیں دیکھتے!"

سیٹھ صاحب نے کہا

" تو اس سے کیا ہوتا ہے!"

اس نے امتیاز پر ایک نظر ڈالی، جس میں شوخی بھی تھی، اور شرارت بھی، لگاؤ بھی، اور بے نیازی بھی، پھر سیٹھ صاحب سے مخاطب ہو کر کہا

" ایکٹنگ سیکھنے سے اتنی نہیں آتی، جتنی دیکھنے سے آتی ہے!"

سیٹھ صاحب نے محبت بھرے لہجہ میں فرمایا۔

" پروین تو بڑی شریر ہے!"

وہ شوخی سے بولی،

" یہ لیجیے، میں نے کیا شرارت کی؟ میں تو چپ چاپ بیٹھی ہوں، اگر میری باتیں بری لگتی ہیں، تو جائیے، میں نہیں بولتی کسی سے کچھ!"

یہ کہکر وہ مسکرادی

سیٹھ صاحب نے پروین سے بڑے پیار سے پوچھا

" تو ان کے ساتھ کام کرے گی؟"

وہ بولی

" دیکھا جائے گا ـــــــــ پہلے ان کی آواز ٹوٹسٹ کیجئے، تصویر تو کھچوائیے۔ معاملہ تو طے کیجئے، اگر یہ کمپنی میں کام کرنے لگیں گے، تو پھر نہ یہ کسی کے ساتھ کام کرنے سے انکار کریں گے، نہ کوئی ان کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر سکے گا ـــــــــ آپ کے حکم سے کون انکار کر سکتا ہے!"

سیٹھ صاحب نے پروین سے کہا۔

" تو تم جاؤ ان کی آواز بھی سن لو، اور تصویر بھی کھچوالو، میں پھر معاملہ طے کر لوں گا۔"

پروین اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے امتیاز کی طرف دیکھا اور کہا

" آئیے تشریف لائیے!"

آگے آگے پروین اور پیچھے پیچھے امتیاز، دونوں خاموش تھے!

راستہ چلتے چلتے کیلے کا کوئی چھلکا، امتیاز کے پاؤں کے نیچے آگیا، وہ پھسلا، گرتے گرتے بچا، پروین نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا

" کہیں موچ تو نہیں آگئی؟"

اور اس کی طرف دیکھے بغیر مسکرانے لگی،

امتیاز نے کوئی جواب نہیں دیا!

اتنی دیر میں لیباریٹری آگئی، پروین نے ایک آدمی سے کہا " ان کی آواز ٹسٹ کر لو" دوسرے سے کہا " ان کی تصویر لو، کئی پوز چاہئیں!"

سب سے پہلے کیمرہ مین نے کئی زاویوں سے اس کی تصویر کھینچی، اور

جلدی سے دھو دھلاکر پروین کے ہاتھ میں کئی کاپیاں دیدیں، پھر ساؤنڈ ریکارڈ لسٹ آیا، اس نے ایک دوسرے آدمی کو امتیاز کے پاس بٹھادیا اور کہا،

"آپ دونوں حضرات باتیں کیجئے!"

وہ سوال کرنے لگا، امتیاز جواب دینے لگا، اور یہ سوال و جواب ریکارڈ ہونے لگے؛

اب تک پروین بڑی بے پروائی سے امتیاز کی تصویریں الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر ریکارڈسٹ نے امتیاز کی آواز کا ریکارڈ سنایا، سن کر وہ خوش ہوئی، کہنے لگی۔

"آواز تو اچھی ہے!"

پھر اس نے آدمی سے کہا

"جاؤ سیٹھ صاحب کو بھی یہ ریکارڈ سنا دو!"

وہ ریکارڈ لے کر سیٹھ صاحب کے پاس چلا گیا، اس کے جانے کے بعد پروین بھی اٹھی، کہنے لگی،

"آپ نے اپنی تصویریں دیکھیں؟

امتیاز نے کہا

"جی نہیں!"

"یہ لیجئے، کئی پوز ہیں!"

امتیاز نے ایک سرسری نظر ان تصویروں پر ڈالی، وہ واقعی حسین تھا، اور اپنے آپ کو حسین سمجھتا بھی تھا، لیکن ان تصویروں نے تو اس کے حسن میں چار

چاند بھی لگا دیئے تھے، اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ کیمرہ اس کی رعنائی اور برنائی کو اس خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ قید کر سکتا ہے!

"تو یہ ہے ———— دیکھ بھی چکئے، آپ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنی تصویریں دیکھ کر کھوئے جا رہے ہیں، اگر واقعی اچھی ہوتیں، تو شاید آپ خود اپنی پوجا کرنے بیٹھ جاتے!"

امتیاز نے پروین کو تصویر واپس کیں، تو وہ مسکرا رہی تھی، اس کی شوخ آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی امتیاز نے چپ چاپ تصویریں واپس کر دیں، اور کوئی جواب نہ دیا۔

پروین نے تصویریں لے لیں اور پوچھا

"کہیئے کیسی ہیں یہ تصویریں؟"

امتیاز نے جواب دیا

"جیسا میں ہوں!"

اس نے پھر سوال کیا

"آپ کیسے ہیں؟"

وہ بولا۔

"جیسی تصویر ہے!"

پروین نے ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا کہ سیٹھ صاحب کا کمرہ آگیا، وہ تصویریں سیٹھ صاحب کے سامنے پھینک کر بولی

"دیکھ لیجئے!"

سیٹھ صاحب نے ایک نظر ڈال کر کہا۔

"اچھی ہیں ——— یہ تو بہت اچھی ہیں!"

پردین نے کہا

"ہاں ان سے اچھی ہیں ——— کہیے آپ نے آواز بھی سن لی؟"

"سن لی، وہ بھی ٹھیک ہے!"

"بس پھر کیا ہے، معاملہ طے کر لیجیے!"

سیٹھ صاحب نے امتیاز کی طرف ایک نظر ڈال کر فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"پانچسو روپیہ مہینہ دوں گا!"

امتیاز اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں سوچ کر جواب دوں گا!"

اور پھر وہ سیٹھ صاحب کا جواب سنے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا، اور سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔!

باب

لگاوٹ

امتیاز کے ذہن و دماغ کے کسی گوشہ میں کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ایکٹر بن کر زندگی بسر کرے گا. وہ فلم کمپنی کے دفتر میں بھی اس لئے گیا تھا کہ آفس میں کوئی کلرکی کا کام اسے مل جائے گا، لیکن یہاں جو کام اس کے لئے تجویز ہوا تھا، وہ اداکاری کا کام تھا، پانچسو روپے ماہوار جو قاسم سیٹھ نے اس کو پیش کئے تھے، اس کی توقع سے زیادہ تھے، لیکن اس نے ہاں صرف اس لئے نہیں کیا کہ وہ ایک بار پھر سوچنا چاہتا تھا، یہ کام کرے، یا نہ کرے؟

اس نے بار بار اپنے فکر و خیال کا جائزہ لیا، اور بار بار اسی نتیجہ پر پہونچا کہ یہ دعوت قبول کر لینی چاہیئے، اس نے سوچا آخر میں یہ کام کیوں نہ شروع کر دوں

زاھد نہیں، ولی نہیں، میں متقی نہیں

یہ ایک نئی دنیا ہے. دلچسپ بھی اور رنگین بھی، کیوں نہ کچھ عرصہ کے لئے اسے بھی دیکھ لوں، پرکھ لوں، تجربہ میں کچھ اضافہ ہی ہو گا، اور فلم کمپنی کی یہ ملازمت میرے لئے ایک اچھا امتحان بھی ثابت ہو گی، مجھے اپنی خود اعتمادی کا امتحان لینا ہے.

دیکھنا ہے، میں نے اخلاق و کردار کے جو سانچے بنائے ہیں، ان پر میں پورا اترتا ہوں یا نہیں!

پھر ذرا کے ذرا اس کے دل میں پروین کا خیال آیا، کتنا بن رہی تھی؛ زمین پر پاؤں نہیں رکھتی تھی۔ اپنے تئیں مس صاحبہ بہت شوخ اور بذلہ سنج، حاضر جواب اور شگفتہ طبع سمجھتی ہیں، سیٹھ صاحب کی شاید منظور نظر بھی ہیں، اس لئے اور زیادہ اتراتی ہیں، لیکن جلد ہی جان لیں گی۔ میں اتنا بدھو نہیں ہوں، جتنا انھوں نے سمجھ رکھا ہے،

یہ باتیں سوچ کر امتیاز مسافر خانے سے باہر نکلا، ٹرام میں بیٹھ کر سیدھا دادر پہونچا ٹرام سے اترا تو چند قدم کے بعد کمپنی کا دفتر سامنے تھا، لیکن دفعتہً اس کے پاؤں کسی نے پکڑ لیئے، جاتے جاتے وہ لوٹ آیا، نہ جانے کیوں اس کے آگے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے ہٹ گئے، کمپنی کے دروازے تک پہونچ کر وہ واپس آگیا!

اس نے سوچا پروین میرا مذاق اڑائے گی، قاسم سیٹھ مجھے ہلکا سمجھیں گے، دوسری ایکٹرسوں کی نظروں میں حقیر ہو جاؤں گا، یہ لوگ سمجھیں گے، ہار جھک مار کر پھر آگیا ——————— لیکن میں نے انکار کب کیا تھا، میں نے تو صرف یہ کہا تھا "سوچ کر جواب دوں گا" اب سوچ لیا، اب جاؤں جواب دے آؤں۔ ہاں لیجئے آپ کی ملازمت منظور ہے، پھر اس نے قدم آگے بڑھایا گیٹ تک پہونچا ہی تھا، کہ دل نے پھر ملامت کی سوچ کر جواب دوں گا کا یہ مطلب تھا کہ سیٹھ صاحب کی پیشکش مجھے منظور نہیں ہے، وہ اگر پانچسو

کے بجائے ہزار رکھ دیتے، تو ایک بات بھی تھی، اب تو میرے جانے کے معنی یہ ہوئے کہ میں ہارا اور وہ جیتے، ان کی پیشکش اپنی جگہ پر قائم ہے۔ میں چاہے قبول کروں یا نہ کروں! نہیں اس طرح جانا ٹھیک نہیں!

وہ پھر جاتے جاتے رک گیا!

پھر اس نے سوچا، یہ کیوں نہ کروں کہ جا کر سیٹھ صاحب سے کہہ دوں کہ تنخواہ کم ہے، بڑھایئے تو قبول کروں گا، ہاں یہ ٹھیک ہے، لیکن مجھے بھی تو یہ سوچنا چاہیئے، اس تنخواہ کو کم کس بنا پر کہوں؟ ایک کلرک کی تنخواہ سو ڈیڑھ سو روپے سے زیادہ نہیں ہوتی، مجھے تو پورے پانچسو مل رہے ہیں، بہت ہیں، اس سے زیادہ اور کیا ہوگا، ایک مبتدی کو زیادہ سے زیادہ جو رقم مل سکتی ہے وہ یہی ہے، مجھے دوسروں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرنی چاہیے پانچسو روپے میری ضرورت سے زیادہ ہیں، اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا حماقت ہے، مجھے بے تامل منظور کر لینا چاہیئے!

پھر آگے بڑھا۔

اتنے میں ایک شاندار موٹر زن سے گیٹ کے اندر داخل ہوئی، اس کار میں دلربائی اور رعنائی کی ہزاروں قیامتوں کے جلو میں پروین بیٹھی ہوئی تھی، وہی مسکراتا ہوا چہرہ، وہی شوخ آنکھیں، وہی شرارت سے بھری ہوئی ادائیں۔ پروین امتیاز کو نہ دیکھ سکی، لیکن امتیاز نے اسے دیکھ لیا۔

یہ ضرور میرا مذاق اڑائے گی ـــــ نہیں میں نہیں جاتا!

اور وہ پھر واپس چلا آیا، وہی مسافر خانہ تھا، اور وہی اس کی

خاموش زندگی؟

پھر وہی کنج قفس، پھر وہی صیاد کا گھر

کئی دن اسی کشمکش میں گزر گئے

آخر امتیاز نے فلم کمپنی میں کام کرنے کا خیال دل سے نکال دیا، اب پھر دوسری فرموں اور کمپنیوں کے دفاتر کے طواف میں وہ مشغول ہو گیا۔ صبح جاتا اور شام کو واپس آتا،

آخر پندرہ دن کی مدت اور گزر گئی ——————

اب امتیاز کی جیب بالکل خالی تھی

آج صبح سے اس نے نہ کچھ کھایا تھا، نہ سگریٹ پیا تھا، دفتروں کا چکر کاٹنے کے لئے ٹرام کے پیسے بھی نہیں تھے، اس نے سوچا بہت چکر کاٹ لئے۔ آج ذرا آرام کرنا چاہیئے، دن بھر سوتا رہا، شام کو اٹھا، تو طبیعت بھاری تھی، سوچا ذرا جا کر سیر کر آؤں،

ابھی وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا کہ دیکھتا کیا ہے، مس پروین بناؤ سنگار کئے تشریف لا رہی ہیں، اور آتی ہوئی سیدھی کمرے میں چلی آئیں؟

"اُفوہ، خدا کی قسم تھک گئی میں تو!"

امتیاز پروین کی اس غیر متوقع آمد سے گھبرا گیا

"آیئے تشریف لایئے! ادھر کہاں آگئیں آپ؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"یوں سمجھئے آپ کی کشش کھینچ لائی، سارے مسافر خانے چھان ڈالے
اب جاکر آپ کی زیارت ہوئی، اللہ جلنے، آپ بھی بڑے وہ ہیں!"
"آپ نے ایک سانس میں اتنی ساری باتیں کہہ ڈالیں، یہ تو بتایئے
آخر ——— غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں؟ میں
کیوں یاد آگیا آپ کو؟"
کہنے لگی۔
"آخر کب تک سوچتے رہیں گے آپ؟ کچھ فیصلہ بھی کیا آپ
نے، سیٹھ صاحب روز آپ کی راہ دیکھتے ہیں!"
بے ساختہ امتیاز کے منہ سے نکل گیا۔
"آپ کا اور سیٹھ صاحب کا شکریہ، لیکن یہ ملازمت مجھے منظور
نہیں ہے!"
پروین کا چہرہ اتر گیا
"کیوں؟ تنخواہ کم ہے اس لئے؟"
"جی ہاں بڑی وجہ یہی ہے!"
"آخر آپ کیا تنخواہ چاہتے ہیں؟"
دل کڑا کرکے امتیاز نے کہا۔
"کم از کم ایک ہزار!"
جیسے پہلے سے فیصلہ کرکے آئی تھی، پروین نے کہا
"منظور ——— اور کچھ؟ بتایئے اب تو آپ کو انکار

نہیں ہے!"

"جی نہیں!"

"تو کل سے آئیں گے آپ!——— ارے ہاں کل تو چھٹی ہے، پرسوں سے!"

"ضرور آؤں گا!"

پر دیں نے منہ بنا کر کہا

"آپ بھی بڑے کج اخلاق ہیں، کوئی مہمان آجائے، تو اس کی خاطر تواضع بھی نہیں کرتے، نہ چائے نہ پان ———!"

امتیاز سٹ پٹا گیا

"نہیں یہ بات تو نہیں!"

وہ بات کاٹ کر بولی

"اب میں کوئی عذر معذرت نہیں سنتی، آپ کو اس بد اخلاقی کی سزا بھگتنی پڑے گی!"

"یعنی اب کبھی آپ غریب خانہ پر تشریف نہیں لائیں گی!"

دفعتہً پر دیں کی آنکھوں میں شفقت لہریں لینے لگی

"نہیں، نہیں، یہ نہ کہیئے، ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ آؤں گی، مگر سزا ہر دفعہ دوں گی!"

"تو سزا کا حکم بھی سنا دیجئے!"

"آیئے میرے ساتھ!"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، امتیاز بھی کھڑا ہوگیا، وہ بولی
"آیئے؟"
امتیاز ساتھ ہو لیا، نیچے ایک شاندار موٹر کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے ادب سے دروازہ کھولا اور ہٹ کر کھڑا ہوگیا، پروین نے اشارہ کرتے ہوئے کہا
"تشریف رکھیئے!"
امتیاز اندر جاکر بیٹھ گیا، پھر پروین آئی اور وہ بھی اس کے پہلو سے پہلو ملاکر بیٹھ گئی
ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے مڑکر پروین کی طرف دیکھا، اس نے حکم دیا،
"قلابہ پائنٹ!"
موٹر ہوا سے باتیں کرنے لگی، اور تھوڑی دیر میں قلابہ کے ساحل سے لگ کر کھڑی ہوگئی
پہلے پروین اتری، پھر امتیاز!
کچھ دیر تک دونوں فٹ پاتھ پر ٹہلتے رہے، لیکن بالکل چپ اور خاموش پھر پروین نے پختہ سمنٹ کی اس دھجی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جو بڑی دور تک سمندر کے اندر چلی گئی تھی، اور جس کی چوڑائی صرف اتنی تھی کہ دو آدمی ساتھ ساتھ چل سکتے تھے،
"آیئے ذرا یہ منظر بھی دیکھیں، آفتاب غروب ہونے کا منظر یہاں بہت دلچسپ ہوتا ہے!"

امتیاز بھوک سے بے حال ہو رہا تھا، لیکن اس تفریح میں شرکت پر وہ مجبور تھا، اس نے کہا،

"شوق سے چلئے!"

سمندر کی لہریں سیمنٹ کی اس چھوٹی سی سڑک سے ٹکرا رہی تھیں سطح سمندر سے اس چھوٹی سی سڑک کی سطح مشکل سے ایک بالشت اونچی ہو گئی!

تھوڑی دور جاکر یہ سڑک ختم ہو گئی۔ جہاں سڑک ختم ہوئی تھی، وہاں سیمنٹ کا ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا تھا، پروین اس پر بیٹھ گئی، تھوڑی سی جگہ اس نے امتیاز کے لئے چھوڑ دی، اور بڑی اپنایت کے لہجہ میں کہا

"آیئے، بیٹھ جایئے!"

امتیاز بیٹھ گیا!

پروین سمندر کی پرشور لہروں کی طرف دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا

"وہ دیکھئے اوپر!"

امتیاز نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی

"دیکھئے، آفتاب غروب ہو رہا ہے ——— کیسا عجیب اور دلفریب منظر ہوتا ہے یہ بھی!"

واقعی عجیب دلفریب منظر تھا، امتیاز تو اس منظر میں کھو گیا، دفعتہً اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"سورج تو ڈوب بھی گیا!"

امتیاز چونک پڑا

"ہاں واقعی ڈوب گیا"

پروین ہنس پڑی

"آپ نے شاید پہلی مرتبہ گھر سے باہر قدم نکالا ہے!"

"جی ہاں ——— مگر آپ نے یہ کیسے اندازہ کیا؟"

"آپ کی سادگی، اور معصومیت سے!"

امتیاز مسکرا دیا

"سادگی تک تو مضائقہ نہیں، لیکن میری معصومیت کا فتوےٰ کیسے دے دیا آپ نے؟"

پروین نے ایک ادا سے اس کو دیکھا، اور کہا،

"اس شخص کے معصوم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ جو ایسے پر کیف انگیز ماحول میں بھی چپ چاپ بیٹھا ہے، نہ منہ سے بولے، نہ سر سے کھیلے ——— آیئے، بہت دیر ہوگئی، اب چلیں!"

دونوں آکر موٹر میں بیٹھ گئے، پروین نے ڈرائیور سے کہا۔

"گھر چلیں گے!"

موٹر پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی، اور تھوڑی دیر کے بعد دہلی کے ساحل پر پہونچ گئی، یہاں ایک نہایت خوب صورت اور عالیشان کوٹھی کے دروازہ پر کار رکی، پروین نے کار سے اترتے ہوئے کہا،

"آیئے تھوڑی دیر غریب خانہ پر بھی گزار لیجئے، وعدہ کرتی ہوں، آپ کو مسافر خانے تک پہونچا دوں گی!"

امتیاز نے کوئی عذر نہیں کیا ساتھ ہو لیا۔

یہ بنگلہ نہیں، ایک چھوٹا سا محل تھا، اس کی آرائش وزیبائش، اس کے فرنیچر، شیشہ کے آلات، ہر چیز سے امارت ٹپکتی تھی، پروین نے امتیاز کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا، اور،

" ابھی آئی!"

کہکر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی!"

ڈرائنگ روم کی دیواروں پر بہت سی تصویریں فریم میں لگی ہوئی تھیں، یہ سب تصویریں پروین کی تھیں، کسی میں وہ گا رہی تھی، کسی میں ناچ رہی تھی، کسی میں نیم عریاں غسل کر رہی تھی، کسی میں تنہا لب جو، شراب کی بوتل لئے ہوئی بیٹھی تھی، کسی میں کسی ایکٹر کے ساتھ داد عشق دے رہی تھی، کوئی تصویر یکسر نشاط وانبساط تھی اور کوئی تمام تر آہ و نالہ، کہیں وہ حسن وشباب کی دیوی نظر آتی تھی، اور کہیں وہ غم و حرماں کی تصویر، ایک تصویر میں وہ ایک فیشن ایبل لیڈی کے روپ میں بیٹھی تھی، جس کے پیچھے دنیا دوڑ رہی تھی، اور ایک دوسری تصویر میں وہ ایک جوگن کے لباس میں ترک اور تیاگ کی مورت بنی بیٹھی تھی جسے دنیا سے کوئی سروکار نہیں تھا، کسی تصویر میں وہ ایک وفادار، عصمت شعار اور شوہر کی وفادار بیوی نظر آتی تھی، کسی میں ایک قحبہ اور طوائف، پروین کی غیر موجودگی سے امتیاز نے پورا فائدہ اٹھایا، اور اس کی مختلف فلموں کے پیارے نمونے دیکھ لئے،

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک نئی دھج سے نمودار ہوئی، اب وہ زرق برق

لباس تھا، نہ پوڈر اور لپ اسٹک کی فراوانی، وہ سفید ساری میں ملبوس تھی، اس سفید ساری میں اس کا رنگ اس طرح جھلکتا تھا جیسے چاندی کی انگشتری میں یاقوت کا نگینہ!

وہ آئی اور امتیاز کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی

"کہیئے کیا دیکھ رہے تھے آپ؟"

"آپ کی تصویریں!"

"ان میں سے کوئی تصویر آپ کو پسند بھی آئی! ——— دیکھیئے تکلف کی سند نہیں سچ سچ کہیئے گا!"

امتیاز نے کہا

"میں جھوٹ کبھی اور کسی حالت میں کسی کے سامنے بھی نہیں بولتا!"

"تو بتایئے پھر؟"

"کئی تصویریں پسند آئیں!"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی

"ایک بتایئے، جو سب سے زیادہ پسند آئی ہو ——— آیئے اٹھیئے، بتلایئے!"

پروین امتیاز کو لے کر اپنے کمرے میں ٹہلنے لگی، ہر ہر تصویر پر وہ ٹھٹکتی تھی، لیکن امتیاز کو خاموش دیکھکر آگے بڑھ جاتی تھی، ایک تصویر کو دیکھکر امتیاز رک گیا!

پروین نے پوچھا،

"یہی تصویر سب سے زیادہ پسند ہے آپ کو !"
یہ اس کے ایک نیم عریاں غسل کی تصویر تھی !
امتیاز نے کہا
" آپ کی سب تصویروں میں فنی لحاظ سے یہی تصویر مجھے زیادہ پسند ہے، واقعی اس زاویہ سے تصویر لے کر مصور نے کمال کر دیا ہے، اور اس سے زیادہ کمال آپ کا ہے کہ نہ کہیں جھجک نظر آتی ہے نہ شرم !"
پروین جھینپ گئی
" اوہ میں سمجھ گئی !"
" کیا سمجھیں آپ !"
پروین نے کہا
" سب سے زیادہ گناہ کی تصویر آپ کی نظر میں یہ ہے !"
امتیاز نے فوراً جواب دیا
" آپ کو حق ہے جو چاہیں سمجھ لیں، لیکن میرا مطلب یہ تو نہ تھا !"
چڑھی ہوئی تیوری سے اس نے پوچھا،
" پھر کیا مطلب تھا آپ کا !"
"جو میرے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے !"
" الفاظ سے تو وہی ظاہر ہوتا ہے، جو میں سمجھی !"
" جی نہیں ——— آپ نے سمجھنے میں جلدی کی، میرا مطلب یہ تھا کہ اس بے تکلفی سے آپ نے تصویر کھچوائی ہے کہ معلوم ہوتا ہے آپ، کا اور

مصور کا سامنا نہیں ہوا، آپ نہا رہی تھیں، اس نے چوری چھپے آپ کو دیکھا اور تصویر کھینچ لی —— جب آپ کو معلوم ہی نہیں تھا، کہ تصویر کھینچی جا رہی ہے، کوئی جھانک رہا ہے، کوئی دیکھ رہا ہے، پھر آپ شرائیں کس سے! جھجکتیں کیوں! —— یہی فن کا کمال ہے، اس کی میں نے تعریف کی تھی لیکن آپ نے نہ جانے کیا سمجھ لیا!"

پروین، امتیاز کی اس توجیہہ سے خوش اور مطمئن ہو گئی، مسکرائی اور شوخ نظروں سے اسے دیکھا، دیوار سے تصویر اتاری، اس پر اپنے دستخط کئے اور امتیاز کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی

"لیجئے حاضر ہے، یہ ناچیز تصویر!"

امتیاز نے یہ تحفہ قبول کرنے میں تامل کیا، وہ بولی

"یہ ایک حقیر تحفہ ہے، اسے قبول کر لیجئے!"

"شکریہ!"

امتیاز نے تصویر لے لی، اب پروین کی باری تھی، وہ بھی خاموش نہ رہ سکی

"شکریہ!"

دونوں مسکرا دیئے

پروین پھر صوفہ پر آ کر بیٹھ گئی، امتیاز کو بھی اس نے اسی صوفے پر بٹھا لیا پھر پوچھا

"آپ کے پاس بھی کوئی آپ کی تصویر ہے؟"

"میں نے کبھی کوئی تصویر نہیں کھچوائی!"

وہ بولی

"آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ آپ بھی اپنی تصویر مجھے تحفہ میں دیں!"

امتیاز نے کہا

"آپ کی اس نصیحت کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس روز بھی تصویر کھچواؤں گا، پیش کر دوں گا!"

"کب تک انتظار کرنا پڑے گا مجھے؟"

"جب تک میں تصویر نہ کھچوالوں!"

امتیاز کے لبوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا، اور پروین بھی مسکرا دی

"نہیں میں انتظار نہیں کر سکتی!"

"پھر کیا کیا جائے!"

"آپ کل ہی اپنی تصویر کھچوائیں گے، اور مجھے پیش کریں گے ورنہ ——————"

"ہاں ہاں آگے کہیئے ورنہ ——————"

"میں خفا ہو جاؤں گی!"

اور وہ پھر ہنس پڑی، اس کے موتی کے سے دانت اس طرح چمکے اور غائب ہو گئے، جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بجلی چمکے اور نظروں سے اوجھل ہو جائے،

پھر وہ بولی

"بتلایئے وعدہ کرتے ہیں آپ ؟"

امتیاز نے کہا

" غلط وعدہ کس طرح کروں ؟"

" کیوں آخر اتنی ذراسی بات میں آپ کو تامل کیوں ہے ؟"

وہ بولا،

" تامل تو نہیں مجبوری ہے !"

وہ خفا ہوتی ہوئی بولی

" آپ نے کسی سے وعدہ کیا ہوگا، کہ اپنی تصویر کسی عورت کو نہیں دیں گے یہی نا ؟"

" نہیں یہ بات نہیں ہے، میں نے کسی سے اس قسم کا وعدہ نہیں کیا ہے ؟"

" پھر آپ مجھے ذلیل سمجھتے ہوں گے ؟"

" یہ بات بھی نہیں ہے !"

" پھر آپ اسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوں گے، کہ آپ کی تصویر اور میرے پاس !"

" لاحول ولا قوۃ، آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں، اس قسم کا خیال بھی میں نہیں کر سکتا۔ !"

" پھر آخر وہ کون سی مجبوری ہے، ذرا ہم بھی تو سنیں ؟"

" کیا کیجئے گا سنکر، آپ کو میری تصویر چاہیئے نا ! وہ چند روز میں

لے لیجئے گا!"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی

"چند روز میں کیوں؟ کل کیوں نہیں۔"

امتیاز نے تنگ آکر کہا

"بمبئی میں کوئی ایسا مصور نہیں ہے۔ جو مفت تصویر کھینچ دیتا ہو!"

"میں کب کہتی ہوں، مفت کھچوا یئے!"

"لیکن میرے پاس ہے کیا۔ جو میں اسے دوں گا؟ ——— جو کچھ تھا بیکاری کی نذر ہو گیا۔"

"ہائے! اگر چند روپے بھی نہیں ہیں!"

"چند آنے بھی نہیں!"

"پھر مسافر خانے کو آپ کہاں سے دیتے ہیں؟ ہوٹلوں کا بل کہاں سے چکاتے ہیں؟ ٹریم اور بس کے ٹکٹ کہاں سے لیتے ہیں؟"

"مسافر خانے کا قیام مفت ہے، ہوٹلوں میں نہ کھاتا ہوں، نہ بل چکاتا ہوں، ٹرام اور بس پر بیٹھنے کے بجائے پیدل چلتا ہوں، اور آج نہ تو میں نے کچھ کھایا، نہ کہیں گیا، آپ لے آئیں زبردستی اپنے ساتھ!"

پروین کا چہرہ سفید پڑ گیا

"تو آپ فاقہ سے ہیں!"

"ہاں کیا ہوا! ——— بارہا ایسا ہوا ہے اور اکثر ایسا ایسا ہوتا رہا ہے، اس طرح صحت ٹھیک رہتی ہے!"

پروین کچھ سوچنے لگی!

امتیاز اٹھ کھڑا ہوا

"اچھا اب اجازت دیجئے!"

وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"تو کل آپ یقیناً آئیں گے؟"

"یقیناً آؤں گا!"

اتنے میں ملازمہ آئی

"کھانا تیار ہے!"

پروین نے کہا

"آیئے امتیاز صاحب پہلے کھانا کھا لیجئے، پھر جایئے گا!"

امتیاز نے کہا۔

"معاف کیجئے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا ——— میرا یہ اصول ہے کہ جب فاقہ کرتا ہوں، تو کسی کی دعوت قبول نہیں کرتا، پھر دیکھا جائے گا ———

——— اچھا آداب عرض!"

ان الفاظ میں اتنا وزن تھا کہ پھر پروین کچھ نہ کہہ سکی، امتیاز کے ساتھ ساتھ وہ بھی باہر آئی، ڈرائیور کو بلایا، اور اسے حکم دیا کہ امتیاز کو مسافر خانے تک پہونچا آئے۔ امتیاز نے شکریہ ادا کیا اور کار میں بیٹھ کر مسافر خانہ روانہ ہو گیا

امتیاز کو پہونچا کر جب پروین آئی، تو اس نے ملازمہ سے کہا۔

"کھانا بڑھا لو۔ میں نہیں کھاؤں گی!"

"تھوڑا سا تو کھا لیجئے!"

"نہیں میرے سر میں بہت زور کا درد ہو رہا ہے!"

ملازمہ چلی گئی!

اور پروین منہ ڈھانپ کر بستر پر پڑ گئی، جیسے وہ بیمار ہو، جیسے اس کی آنکھیں رونے کے لئے بے تاب ہو رہی ہوں، جیسے اس کا دل سینہ توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہو!

باب ۸

تعاقب

دوسرے روز صبح امتیاز حسب معمول بیدار ہوا، اب اس کے سامنے یہی سوال تھا کہ فلم کمپنی جائے یا نہ جائے؟ رات کو اس نے پروین کے ہاں سے واپس آکر پھر اس مسئلہ پر غور کیا تھا، اور اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ فلم کمپنی کی ملازمت میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے، وہ سوچ رہا تھا کہ پروین مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہے، کیا وہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے؟

نہیں غلط!

محبت کھیل نہیں ہے، پہلی نظر کی محبت حماقت ہے، ہوتی ہی نہیں، محبت ہوتی ہے میل جول سے، دیکھ ریکھ سے، اخلاق و کردار سے، اس نے میری زندگی کا کوئی روپ نہیں دیکھا ہے، پھر وہ مجھ سے محبت کیسے کر سکتی ہے اور بہ فرض محال کرتی بھی ہو تو بھی ایک آبرو باختہ عورت کی محبت میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ سب جانتے ہیں یہ فلم کمپنی میں کام کرنے والی عورتیں پہلے اپنا جسم بیچتی

ہیں، پھر آرٹ، ان کے آرٹ کی کوئی ان کا جسم ہے، خود آرٹ نہیں، مجھے چچوڑی ہوئی ہڈیوں کی ضرورت نہیں،

اور ہاں اگر میں نے ملازمت قبول کر لی، تو میری وقعت کیا ہو گی! سب یہی کہیں گے یہ پروین کا منظور نظر ہے اس نے اسے ملازمت دلائی ہے، اور خود پروین بھی دل میں مجھے اپنا ممنون کرم سمجھے گی، اور سیٹھ صاحب کی نگاہ میں بھی میری وقعت اس سے زیادہ نہیں ہو گی کہ میں پروین کا آدرہ ہوں۔ جب تک پروین کا آفتاب اقبال نصف النہار پر ہے، اس وقت تک میں ملازمت سے چپکا رہوں گا، اور جب وہ نکالی گئی، یا علیحدہ ہوئی تو مجھے بھی بوریہ بستر باندھنا پڑے گا

نہیں، میں یہ ملازمت نہیں کروں گا۔ ———— !

کسی قیمت پر نہیں ———— !

ہرگز نہیں ———— !

یہ فیصلہ کر کے وہ مطمئن سا ہو گیا، لیکن پھر اس کے دل میں خیال آیا،

میں فاقہ سے ہوں !

اور یہ فاقہ کا سلسلہ ٹوٹتا نظر نہیں آتا، جب تک ملازمت نہیں ملتی میں کیا کروں گا! ایک انسان کب تک فاقہ کر سکتا ہے، دل نے پھر مشورہ دیا کہ فلم کمپنی کی ملازمت قبول کر لینی چاہیئے، لیکن اس نے اس مشورہ کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ میں فاقہ کرتے کرتے مر جاؤں گا

ٹھیک ہے مجھے مرجانا منظور ہے، لیکن اپنی خودداری کو بھینٹ چڑھانا منظور نہیں، مرنا آسان ہے اور ذلّت کی زندگی بسر کرنا مشکل ہے، میں مرسکتا ہوں مگر ذلت کی زندگی بسر نہیں کرسکتا،

پھر اب کیا کیا جائے!

اس نے سوچا ملازمت ملتی نہیں، اور اگر مل بھی جائے، تو بھی تنخواہ مہینہ بھر بعد ملے گی، پھر یہ مدت کس طرح کٹے گی؟ سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ فی الحال ملازمت کی جستجو ترک کردی جائے، اور مزدوری کی جائے،

اور وہ پھر سوچنے لگا کہ میں مزدوری بھی تو نہیں کرسکتا، مزدوری بھی ایک فن ہے، اس کے لئے بھی تجربہ اور واقفیت کی ضرورت ہے!

پھر — ؟ کوئی فیصلہ بھی ہو، جلد ہونا چاہیئے، ابھی اسی وقت، اگر آج مجھے کچھ نہ مل سکا، اور آج کی رات بھی فاقہ سے گزری، تو کل صبح میں اس قابل نہ رہوں گا کہ مزدوری بھی کرسکوں، اب مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں ہے کہ اطمینان سے سوچ سکوں، دماغ ماؤف ہوتا جارہا ہے۔ قوت فیصلہ بے کار ہوتی جارہی ہے، اور ایک مرتبہ پھر ظلم گمبھیر نے اس کا دامن اپنی طرف کھینچا مگر وہ دامن جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا، کمرہ سے باہر نکلا، اور ایک نامعلوم سمت کی طرف روانہ ہوگیا، اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جارہا ہے، لیکن وہ چلا جارہا تھا!

جاتے جاتے وہ اسٹیشن پہونچ گیا۔

بے ٹکٹ سفر!

نہیں یہ بھی بیکار ہے، نہ جانے کس اسٹیشن پر اتار دیا جاؤں، اور جہاں اتارا جاؤں گا، وہاں پھر یہ سوال فوراً اٹھ کھڑا ہوگا، کہ کیا کروں؟ اور کہاں سے کھاؤں؟"

وہ سیدھا اسٹیشن ماسٹر کے پاس پہونچا، وہ بہت مصروف تھا، کاغذات کا ایک ڈھیر اس کے سامنے رکھا تھا، اور وہ ان پر ضروری احکام لکھ رہا تھا، امتیاز چپ کھڑا رہا، اسٹیشن ماسٹر بدستور اپنے کام میں منہمک رہا، اس نے توجہ بھی نہ کی کہ کون کھڑا ہے اور کیوں کھڑا ہے؟

بڑی دیر گزر گئی، پھر اتفاق سے اسٹیشن ماسٹر نے سر اٹھایا!

"آپ کون صاحب ہیں؟"

"ایک مسافر!"

"فرمایئے کیا مقصد ہے آپ کا؟"

"میں یہاں بالکل نووارد ہوں، کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتا!"

بات کاٹ کر اسٹیشن ماسٹر نے کہا

"آپ ملازمت چاہتے ہیں، افسوس میرے پاس کوئی نوکری نہیں!"

امتیاز نے کہا

"میں ملازمت نہیں چاہتا!"

اسٹیشن ماسٹر بہت جلدی میں تھا، اس نے پھر امتیاز کی بات بیچ سے کاٹ لی،

" پھر آپ کس قسم کی مدد چاہتے ہوں گے، میں خود کثیر العیال اور کثیر المصارف آدمی ہوں، افسوس اس سلسلہ میں بھی کسی قسم کی مدد کرنے سے قاصر ہوں!"

امتیاز نے کہا

" میں آپ سے کسی قسم کی مالی امداد بھی نہیں چاہتا!"

اسٹیشن ماسٹر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، وہ جھنجلا گیا، اس نے کہا

" آخر پھر آپ کیا چاہتے ہیں! اپنی کرسی خالی کر دوں، آیئے اس پر بیٹھ جایئے!"

امتیاز نے بڑی سادگی سے کہا،

" اسٹیشن ماسٹر صاحب، میں یہ بھی نہیں چاہتا ——— بہت معمولی سی بات چاہتا ہوں!"

سر کھجاتے ہوئے وہ بولا

" تو فرما بھی چکئے کسی طرح، میں بہت مصروف ہوں!"

امتیاز نے اپنا مطلب بیان کیا

" میں قلی بننا چاہتا ہوں، مجھے لائسنس دیدیجئے، میں کسی کی ضمانت نہیں دے سکتا، فی الحال کوئی فیس نہیں دے سکتا، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا!"

اسٹیشن ماسٹر نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا

" آپ قلی بننا چاہتے ہیں؟"

"جی ہاں!"

"لباس سے تو آپ تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتے ہیں!"

"جی ہاں تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی ہوں!"

"کہاں تک؟"

"انڈر گریجویٹ ہوں!"

"آپ نے کہیں ملازمت نہیں تلاش کی!"

"بہت کی، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات، جو آپ نے جواب دیا تقریباً وہی جواب ہر جگہ سے ملا!"

اسٹیشن ماسٹر کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اس نے کہا

"آپ کل آیئے میرے پاس، شاید آپ کے لئے کچھ کرسکوں!"

امتیاز واپس چلا آیا! ——— اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، لیکن وہ انھیں روک رہا تھا، امید کی ایک کرن اسے دکھائی دی تھی، شاید کل کوئی چھوٹی موٹی ملازمت مل جائے، لیکن پیٹ کا اس اثنا میں کیا علاج ہوگا؟ بھوک تو یہ نہیں سوچے گی، کہ جب مجھے نوکری مل جائے اور تنخواہ وصول ہوے! تب لگے، وہ تو کل سے مجھے ستا رہی ہے، اس نے تو مجھے نڈھال کر دیا ہے،

یہی سوچتا ہوا وہ پھر مسافر خانے پہونچا، اس کا چہرا اترا ہوا تھا، اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑگئے تھے، پیدل چلتے چلتے اس کے پاؤں پر گرد جم گئی تھی، کپڑے بھی خاصے میلے تھے، چہرے پر ایک عجیب قسم کی وحشت برس

رہی تھی!

جب وہ کمرے میں پہونچا، تو دیکھتا کیا ہے، پروین دروازہ پر کھڑی ہے ——!

دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں —— پروین نے امتیاز کی صورت دیکھتے ہی سب کچھ سمجھ لیا، وہ جان گئی، امتیاز اب تک فاقہ سے ہے، دو دن سے اس کے منہ تک کھیل کا ایک دانہ بھی اڑ کر نہیں گیا ہے اور کل رات سے اس نے بھی خود کچھ نہیں کھایا تھا، نہ آج رات کو کچھ کھایا نہ آج صبح ناشتہ کیا، نہ دوپہر کا کھانا کھایا، حالانکہ دن آدھے کے قریب گزر چکا تھا!

امتیاز نے کہا

"پھر آگئیں آپ؟"

وہ بولی

"ہاں —— بے غیرت جوٹھہری! —— سیٹھ صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں!"

وہ بولا

"میری طرف سے معذرت کر دیجئے، میں یہ ملازمت کسی تنخواہ پر بھی قبول نہیں کر سکوں گا!"

پروین نے کہا

"نہ کیجئے، میں بھی اصرار نہیں کرتی، لیکن کمرہ تو کھولئے مجھے بیٹھنے کا تو

موقعہ دیجئے ۔ میں بھی نڈھال ہو رہی ہوں ۔ میری صورت دیکھئے، کیا میں کمزور نہیں معلوم ہوتی !"

امتیاز نے غور کیا ، تو واقعی اندازہ ہوا کہ وہ کچھ نڈھال سی نظر آ رہی ہے، اس نے جلدی سے کمرہ کھولا اور کہا

"آئیے تشریف لائیے !"

وہ خاموشی کے ساتھ اندر آگئی !

باب ۹

کشمکش

پروین اور امتیاز میں کشمکش جاری تھی، امتیاز نے ہر ہر معاملہ میں آ کے شکست دی، پروین نے ہر ہر معاملہ پر شکست کھائی، لیکن یہ شکست کچھ ایسی دلفریب تھی کہ پروین کو شکست کھانے میں لطف آنے لگا، وہ بہت بڑی ایکٹریس تھی، اپنے نغمہ اور رقص سے بلا مبالغہ لاکھوں روپیہ کماتی تھی، اپنی جاں ستاں اداؤں، اپنے ہوشربا حسن وجمال اور ناز وادا کا بڑے بڑے لوگوں سے سودا کر کے وہ اپنی آمدنی میں اور غیر معمولی اضافہ ہر روز کرتی رہتی تھی، وہ اپنی زندگی سے بہت خوش تھی، اپنی ذرائع آمدنی میں بھی اسے کوئی خرابی نظر نہ آتی تھی، اپنے نئے اور پرانے عاشقوں کے جھرمٹ میں بیٹھ کر وہ اپنے اندر ایک عجیب قسم کا پندار، ایک عجیب قسم کی نخوت، ایک عجیب قسم کا غرور محسوس کرنے لگتی تھی، وہ اپنے آپ کو زمین کی مخلوق نہیں کسی اور دنیا کی مخلوق سمجھنے لگتی تھی، وہ جب آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے حسن جہاں سوز کا نظارہ کرتی۔ تو اسے اپنے وجود پر خود فخر ہونے لگتا، اور وہ محسوس کرتی، جیسے یہ ساری دنیا اس لئے بنی ہے کہ

اسے پوجے، اور اس نے صرف اس لئے دنیا کو رونق بخشی، کہ اس خاکی مخلوق کی معبود بن جائے،

زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اکھڑ اور الھڑ اور سر پھرا آدمی ملا تھا، جو اسے ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا، جو اس کے التفات کو ٹھکراتا تھا، اس کی نگاہ لطف کو نگاہ تغافل سے دیکھتا تھا، اس کی شخصیت کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتا تھا، جب کبھی وہ امتیاز سے مایوس ہوتی۔ سب سے پہلی فرصت میں قد آدم آئینہ کے سامنے اپنے حسن بلاخیز کا جائزہ لیتی اور حیران رہ جاتی کہ آخر اس میں کیا کمی ہے، جو امتیاز اس کی طرف توجہ نہیں کرتا، وہ گھنٹوں اور پہروں آئینہ کے سامنے کھڑی رہتی، بار بار اپنے اوپر تنقیدی نظر ڈالتی، وہ دیکھتی اس کی آنکھوں میں وہی شوخی اور زندگی جھلک رہی ہے، جو پہلے تھی، اس کا رخ روشن اب بھی اتنا ہی تابناک ہے، جتنا پہلے تھا، اس کی کمر اب بھی چیتے کی کمر کو مات کر رہی تھی، اس کی زلف اب بھی صحیح معنے میں زلف دوتا کہلانے کی مستحق تھی، اس کی آواز میں اب بھی وہی رس تھا۔ اس کے رقص میں اب بھی وہی جادو تھا، اس کی اداؤں میں اب بھی وہی کشش تھی۔ جس نے ایک خلقت کا دل موہ لیا تھا۔ مگر ———

مگر یہ دیوانہ ان چیزوں سے کیوں متاثر نہیں ہوتا، وہ میرے فراق میں رات رات بھر کیوں نہیں جاگتا؟ وہ میرے شوق دیدار میں، سب کچھ کیوں بھول جاتا؟ وہ میرے منہ سے ایک بات سننے کے لئے جان و دل کی بازی کیوں نہیں لگا دیتا؟ وہ مجھے حاصل کرنے کے لئے، میرے پاس

بیٹھنے کے لئے، میرا قرب پانے کے لئے بے قراری اور اضطراب کا اظہار کیوں نہیں کرتا؟

کیا اس کے سینہ میں دل نہیں پتھر ہے؟

نہیں!

وہ بھی آدمی ہے!

اس کے سینہ میں بھی دل ہے، اور وہ مچلتا بھی ہے، تڑپتا بھی ہے اسے مجھ پر عاشق ہونا پڑے گا۔!

یہ سوچ کر وہ پھر امتیاز کے پاس پہونچتی، اسے ٹٹولتی، اور غصہ میں بھری ہوئی، بپھری شیرنی کی طرح واپس چلی آتی،

کئی دن کے بعد آج پھر وہ شام ہوتے امتیاز کے پاس اس کے مسافر خانہ میں پہونچی، وہ تھکا ماندہ ابھی ابھی کہیں سے آیا تھا، پروین کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تھکے ہوئے چہرے پر تبسم کی تازگی پیدا کرتا ہوا بولا،

"آیئے آیئے!"

وہ چپ چاپ حسب معمول اندر داخل ہو گئی،

"مزاج شریف!"

امتیاز نے جواب دیا

"دعا ہے آپ کی!"

وہ چڑ کر بولی،

"میں کسی کے لئے دعا نہیں کرتی!"

امتیاز نے کہا

"یہ میں جانتا ہوں کہ آپ دعا سے اتنی بے نیاز ہیں کہ کسی کے لئے تو کیا اپنے لئے بھی نہیں کرتیں، لیکن ہماری بول چال اور تہذیب میں یہ بات کچھ داخل ہو گئی ہے کہ جب کوئی مزاج پوچھے، تو جواب میں یہی کہا جاتے، کہ دعا ہے آپ کی ——— اگر میرے اس جواب سے آپ کو تکلیف پہونچی ہو تو میں معذرت کرتا ہوں"

وہ طنز کرتے ہوئے بولی

"معذرت کرتا ہوں ——— بڑے با اخلاق!"

امتیاز نے پوچھا

"میرا اخلاق بھی داغدار نظر آنے لگا آپ کو؟"

پروین کی تیوریاں چڑھ گئیں

"آپ کو شک ہے کچھ!"

"تھا ——— مگر اب نہیں ہے!"

"یہ کیوں؟"

"انسان اپنے بارے میں جو رائے قائم کرتا ہے، وہ غلط ہوتی ہے لیکن دوسرے اس کے بارے میں جو رائے قائم کرتے ہیں، وہ چونکہ مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے، اس لئے بالعموم صحیح ہوتی ہے ——— لہذا مجھے آپ کی رائے ماننے میں تامل نہیں!"

پروین غور سے امتیاز کی باتیں سنتی رہی، پھر بولی
"میں آپ کے ہاں کے دفعہ آچکی ہوں؟"
امتیاز نے کہا
"کئی بار!"
اس نے ذرا تلخی سے پوچھا
"اور آپ نے غریب خانہ پر کتنی دفعہ قدم رنجہ فرمایا؟"
امتیاز نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا
"یہ مطلب تھا آپ کا!"
وہ سنجیدگی سے بولی
"جی ——— یہی مطلب تھا!"
امتیاز بھی سنجیدہ ہو گیا
"آپ کا اعتراض صحیح ہے، اور میں اپنی بداخلاقی کو تسلیم بھی کرتا ہوں ———
——— لیکن مجھ میں اور آپ میں کچھ فرق بھی ہے!"
"کون سا فرق؟"
"مجبوری اور مختاری کا!"
وہ حیرت سے بولی
"کیا مطلب ہے ——— میں مختار ہوں آپ مجبور ہیں؟"
یہ کہہ کر وہ ہنس دی
امتیاز نے کہا

"جی ہاں یہی بات ہے!"

وہ بولی

"بہت کم فہم اور ناسمجھ ہوں، ذرا سمجھا دیجئے!"

امتیاز نے کہا

"آپ روپیہ پیسے سے کھیلتی ہیں، میں مفلس ہوں، آپ دس برس بھی اگر کام پر نہ جائیں، تو بھی کسی کی محتاج نہیں ہوں گی، اور میری یہ حالت ہے کہ چار مسلسل فاقوں کے بعد ایک روپیہ روز پر، ایک مکتب میں بچوں کو پڑھانے کی نوکری ملی ہے — میں نے نوکری کا لفظ غلط کہا مزدوری! — آپ ہی بتایئے، جس کے شب و روز ان الجھنوں میں گزرتے ہوں، وہ یار باشی اور مجلس طرازی کا وقت کہاں سے لائے!"

امتیاز کی باتیں سنتے سنتے پروین کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے لیکن وہ پی گئی اور بولی

"آپ نے اچھی خاصی فلم کمپنی کی ملازمت ٹھکرا دی، ورنہ آج آپ کا دیا کون کھاتا — پھر ٹھاٹھ الگ، شہرت الگ، لطف زندگی الگ!"

شاید وہ ابھی کچھ اور کہتی، لیکن امتیاز نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا

"واقعی یہ میری بدقسمتی ہے کہ فلم کمپنی کی ملتی ہوئی ملازمت میں نہ قبول کر سکا لیکن یہ اصول کا معاملہ ہے، اور میں ان لوگوں میں ہوں، جو اصول پر قربان ہو جاتے ہیں، لیکن اصول کو کسی حالت میں قربان نہیں کرتے!"

"کیا آپ بتائیں گے کہ وہ اصول کیا ہے؟"

فیصلہ کن لہجے میں امتیاز نے کہا

"نہیں!"

وہ پھر کچھ نہ پوچھ سکی، خاموش ہو گئی

تھوڑی دیر کے بعد امتیاز نے کہا

"آج آپ کو چائے پینی پڑے گی یہاں!"

وہ خوش ہو گئی

"ضرور پیوں گی، چلئیے!"

امتیاز نیچے گیا، مزدور ہوٹل کے باہر والے کو آرڈر دے آیا، ذرا دیر میں باہر والا دو شیشے کے گلاسوں میں گرم گرم چائے لے کر آ گیا، جس میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی، ایک گلاس اس نے پروین کی طرف بڑھا دیا، دوسرا امتیاز کی طرف!

پروین سادہ چائے کی عادی نہیں تھی، چائے کے ساتھ ہنٹلے اینڈ پامر کے بسکٹ، کیک، پیسٹری، پیٹیس کا ہونا لازمی تھا، لیکن آج زندگی میں پہلی مرتبہ اس نے یہ بدمزہ چائے پی، اور بڑے شوق سے پی،

تھوڑی دیر کے بعد باہر والا پھر واپس آیا، امتیاز نے اسے جیب سے نکال کر ایک چمکتا ہوا روپیہ دیا، اس نے تین آنے لے لئے، اور تیرہ آنے واپس کر دیئے، جب وہ چلا گیا، تو پروین نے افسردہ تبسم کے ساتھ پوچھا

"یہ آج کی مزدوری تھی؟"

امتیاز نے مسکراتے ہوئے کہا

"جناب ———— !"

اتنے میں باہر والا پھر واپس آیا

امتیاز نے پوچھا

"کیا ہے بھئی! اب کیسے!"

وہ بے تکلف بولا

"سویرے کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا، نو آنہ!"

امتیاز نے پورے تیرہ آنے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور بولا،

"یار ہماری ساری کمائی تو تم چھین لیتے ہو!"

باہر والا چار آنے واپس کرنے لگا، امتیاز نے کہا

"یہ پیسے بھی اپنے پاس رہنے دو، تھوڑی دیر میں ایک چائے، اور بند پاؤ دے جانا، اور ایک مسالہ کا پان بھی!"

باہر والا چلا گیا

امتیاز نے پروین سے پوچھا

"کہیئے اب آپ کی کون سی نئی فلم آ رہی ہے؟"

وہ بولی

"نیلم!"

"کب تک؟"

"اگلے مہینے نمائش کے لئے پیش ہو جائے گی ———— آپ کو فلم دیکھنے کا شوق ہے؟"

"ہاں کبھی کبھی دیکھ لیتا ہوں!"

"نیلم ضرور دیکھئے گا!"

"ضرور دیکھوں گا!"

"لیکن اکیلے نہیں!"

"پھر؟"

"میرے ساتھ!"

امتیاز نے کہا

"شکریہ ـــــــ بہت خوب، آپ ہی کے ساتھ دیکھوں گا!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ باہر والا چائے اور بند پاؤ اور مسالہ والا پان لے کر نمودار ہوا، امتیاز نے کہا

"بھئی بڑے تیز ہو، ابھی لے آئے سارا سامان، خیر"

پھر پردین کو پان پیش کرتے ہوئے بولا

"لیجئے پان کھائیے!"

پردین پان بالکل نہیں کھاتی تھی، اس کا جی چاہا شکریہ کے ساتھ انکار کر دے، لیکن نہ جانے کیا سوچ کر اس نے پان لے لیا، اور منہ میں رکھتے ہوئے کہا،

"مسالہ والا پان بڑا اچھا ہوتا ہے!"

باہر والا سر پر مسلط تھا، امتیاز نے بند پاؤ کے چار ٹکڑے چائے کے چار گھونٹ کے ساتھ نپٹے" پھر پیالی اسے واپس کرتے ہوئے کہا

"جاؤ بھئی اب انشاء اللہ صبح ملاقات ہوگی!"

باہر والا مسکراتا ہوا چلا گیا

پروین نے پوچھا

"یہ آپ کا رات کا کھانا تھا؟"

امتیاز نے بے پروائی سے کہا

"جی ہاں! ـــــــ اس سے ہلکا اور زود ہضم کھانا کیا ہو سکتا ہے!"

یہ کہکر وہ مسکرا دیا، پروین کو بھی امتیاز کے ساتھ مسکرانا پڑا، لیکن اس کے اس تبسم میں کتنا کرب پوشیدہ تھا اسے صرف اس کا دل جانتا تھا، اس نے پوچھا

"آپ نے پان نہیں کھایا؟"

امتیاز نے جواب دیا

"کچھ عرصہ سے میں نے پان کھانا بالکل ترک کر دیا ہے!"

"اور سگریٹ؟ وہ بھی نہیں پیتے؟"

"پہلے بہت پیتا تھا، میں تو ان لوگوں میں تھا، جو "چین اسموکر" ہوتے ہیں، لیکن جس دن سے چھوڑا ہے، پھر منہ نہیں لگایا!"

پروین کا جی چاہا، پوچھے، آپ نے یہ ظلم اپنے اوپر کیوں کیا؟ لیکن الفاظ اس کی زبان تک آتے آتے رہ گئے، وہ یہ سوال نہ پوچھ سکی لیکن ابھی وہ کچھ دیر اور بیٹھنا چاہتی تھی، اور خاموش بیٹھنے کا کوئی تک نہ تھا، لہذا اس

نے پھر باتوں کا سلسلہ چھیڑا،

"یہ ایک روپیہ روز جو آپ کو ملتا ہے، اس سے آپ کا روز کا خرچ کسی نہ کسی طرح چل جاتا ہے، لیکن اگر کبھی آپ بیمار پڑے تو کیا کریں گے؟"

"بیماری سے مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے!"

"کپڑے کہاں سے بنائیں گے؟"

"پھر چند روز فاقہ کروں گا!"

وہ بولی،

سب کچھ گوارہ ہے، مگر قاسم سیٹھ کی نوکری نہیں کریں گے؟ ——

حد ہے ضد کی، خدا نہ کرے کوئی ایسا خود رائے ہو!"

امتیاز نے ایک قہقہہ لگایا

وہ کہنے لگی

"آپ تو ہر بات ہنس کر ٹال دیتے ہیں!"

"پھر کیا کروں!"

"بتایئے نا آخر کون سے کیڑے پڑے ہیں ہمارے قاسم سیٹھ میں!"

"بھئی بات یہ ہے کہ مجھ میں ایکٹنگ کی ذرا بھی صلاحیت نہیں!"

"یہ آپ نے کیسے جانا؟"

"ایک دفعہ کالج میں ڈرامہ ہوا، ایک غم انگیز پارٹ مجھے بھی ملا!"

بڑے اشتیاق سے پروین نے پوچھا

"پھر کیا ہوا؟"

بڑی سادگی سے امتیاز نے جواب دیا،

"ہوا یہ کہ لوگوں نے رونے کے بجائے ہنسنا شروع کر دیا، وہ فلک شگاف قہقہے لگائے ہیں کہ خدا کی پناہ، سارے ہال میں اگر کوئی رو رہا تھا، تو صرف میں! وہ دن ہے اور آج کا دن، میں نے سمجھ لیا میں ایکٹنگ نہیں کر سکتا —— کامیڈی کا پارٹ ملے گا، تو وہ ٹریجڈی بن جائے گا، ٹریجڈی کا پارٹ ملے گا، تو وہ کامیڈی بن جائے گا۔ لوگ سنیما کے پردے پھاڑ دیں گے، اور قاسم سیٹھ کو ایسی فصیح و بلیغ گالیاں دیں گے کہ بیچارے کو شہر چھوڑتے بنے گی!"

بات کاٹتے ہوئے پروین نے کہا

"یا اللہ توبہ ہے، آپ کو بھی کیسی باتیں بنانا آتی ہیں! میرے تو سر میں درد ہونے لگا!"

"اچھا میں خاموش ہوا جاتا ہوں، اب آپ باتیں کیجئے، میں سنوں گا!"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی

"مجھے نہیں آتیں باتیں!"

"اچھا ایک بات بتایئے؟"

"پوچھئے؟"

"آپ کو ایکٹنگ کیسے آئی؟"

وہ معلمانہ لہجہ میں بولی

"ایکٹنگ سیکھنے سے نہیں آتی، کرنے سے آتی ہے، میں نے ایکٹنگ شروع کر دی وہ آ گئی، آپ شروع کر دیں، آپ کو بھی آ جائے گی!"

امتیاز نے پوچھا

"آپ رہنے والی کہاں کی ہیں؟"

وہ مسکرائی

"آپ کو کیا؟"

اصرار کرتے ہوئے امتیاز نے کہا

"بتائیے تو سہی!"

"کیا بتاؤں؟"

"آپ کا وطن کہاں ہے؟"

"اوہو کیا کیجئے گا پوچھکر، یہ غیر ضروری باتیں!"

"آخر آپ کو بتانے میں تامل کیوں ہے؟"

وہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی بولی

"بندی لکھنؤ کی رہنے والی ہے ——— کہیئے کیا سزا تجویز کی آپ نے میرے لئے؟"

"بڑی اچھی جگہ کی رہنے والی ہیں آپ!"

"شکریہ!"

"اچھا ایک بات اور بتائیے!"

"وہ بھی پوچھ لیجئے!"

"یہ گانے بجانے کا کام کب سے ہوتا ہے آپ کے ہاں؟"

اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک پیدا ہو گئی، کہنے لگی

"سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری! ——— ہمارے ہاں سدا سے یہی ہوتا آیا ہے!"

اس صاف گوئی سے امتیاز خوش ہوا پروین نے دریافت کیا

"کچھ اور!"

"نہیں کچھ نہیں ——— میں آپ کی صاف گوئی سے بہت متاثر ہوا کسی اور سے یہی بات پوچھتا تو وہ ضرور جھوٹ بولتی!"

"کیوں جھوٹ بولتی!"

"شخصیت بگھارنے کے لئے ——— وہ اپنا سلسلۂ نسب واجد علیشاہ سے ملانے کی کوشش کرتی، اور اپنے متعلق یہ کہتی کہ میں کالج میں پڑھتی تھی، ایکٹنگ کا شوق ہوا، بھاگ کر یہاں چلی آئی!"

"ہوتے ہوں گے ایسے لوگ بھی، لیکن مجھے تو جھوٹ بولنے سے چڑھ ہے ——— میں کہتی ہوں آخر جھوٹ بولنے سے حاصل کیا؟"

پھر وہ کہنے لگی

"مجھے ان لوگوں سے بڑی نفرت ہے، جو ماضی کے آئینہ میں دوسروں کا کردار دیکھتے ہیں!"

امتیاز نے پوچھا

"ماضی سے نفرت ہے آپ کو!"

وہ بولی

"جی نہیں ——— نفرت تو مجھے کسی سے بھی نہیں، لیکن میں اس

سے چڑتی ہوں کہ ماضی کریدا جائے، اس کی ضرورت کیا ہے؟ فلاں آدمی کس خاندان سے ہے، اس کے آباواجداد کیا کرتے تھے؟ ان سوالات کا جواب اگر شاندار ہے تو اس شخص کو بہتر اور برتر تسلیم کر لیا جائے گا، خواہ وہ خود کتنا ہی ہیچ اور پست کیوں نہ ہو!"

یہ باتیں امتیاز کو پسند آئیں، ان میں ندرت تھی، اس نے کہا،

"آپ نے بڑی اچھی بات کہی، واقعی لوگوں میں یہ بڑی بری عادت ہے ——— اچھا یہ بتایئے آپ کا معیار کیا ہے؟"

"کس کے بارے میں؟"

"کسی آدمی کے بارے میں رائے قائم کرنے کے سلسلہ میں!"

وہ بولی،

"میں صرف حال کو دیکھتی ہوں، اس کا خاندان کیا ہے؟ اور اس کے آباواجداد کیا کرتے تھے مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں، وہ خود کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کن عادات وخصائل کا حامل ہے؟ کس کردار و اخلاق کا ہے؟ بس یہ کافی ہے، وہ اگر اچھا ہے، تو چمار والدین کا بیٹا ہونے کے باوجود اچھا ہے اور وہ اگر برا ہے، تو خواہ اس کا سلسلۂ نسب کتنا اچھا کیوں نہ ہو، برا ہی رہیگا!"

امتیاز بڑی محویت کے ساتھ پروین کی باتیں سن رہا تھا ان باتوں میں گہرائی بھی تھی، اور صداقت بھی!

پروین نے پوچھا،

"کہیئے میں نے غلط تو نہیں کہا کچھ؟"

وہ بولا۔
"بالکل نہیں ـــــ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے خیالات اتنے سلجھے ہوئے ہیں!"
وہ مسکرائی
"شکریہ!"
پھر انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی
"اب اجازت دیجئے!"
امتیاز نے کہا
"بیٹھئے کچھ دیر چلی جایئے گا، اتنی جلدی کیا ہے!"
وہ پھر بیٹھ گئی
"کوئی خاص جلدی تو نہیں، لیکن آپ کو تکلیف ہو گی۔ اگر آپ جلدی نہ سوئیں گے، تو صبح سویرے اٹھیں گے کیسے؟ ـــــ کس وقت جاتے ہیں آپ مدرسے؟"
"صبح آٹھ بجے پہونچ جاتا ہوں!"
"سو کر کب اٹھتے ہیں؟"
"چھ بجے!"
پروین نے گھڑی دیکھی
"اوہو، گیارہ بج گئے ـــ اب بیٹھنا آپ پر ظلم کرنا ہے، اب جاؤنگی ـــــ پھر کسی دن آؤں گی آپ کا وقت ضائع کرنے!"

امتیاز نے اب اصرار نہیں کیا

"بہتر چلئے نیچے تک پہونچا آؤں آپ کو؟"

"یہ تکلف رہنے دیجئے!"

"چلئے چلئے، ذرا ورزش ہو جائے گی!"

نیچے پہونچکر جب پروین موٹر میں بیٹھ گئی اس نے امتیاز سے پوچھا،

"آپ نے میرے گھر نہ آنے کی قسم کھالی ہے شاید، اسی لئے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑتی کہ آپ بھی کبھی آئیں گے!"

وہ بولا،

"لاحول ولاقوۃ، آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں، قسم کیوں کھاتا! آپ کے ہاں آنے سے مجھے ذرا بھی انکار نہیں ہے، ضرور آؤں گا کسی دن!"

پوچھنے لگی۔

"کب آئیں گے بتایئے؟"

امتیاز نے کہا

"کسی دن بھی آجاؤں گا!"

بڑی الجھن کے ساتھ پروین نے کہا

"اب کی اتوار کو آیئے ـــــ بتایئے آئیں گے آپ؟"

کچھ تامل کے بعد امتیاز نے کہا

"یہی اتوار سہی، آجاؤں گا!"

وہ خوش ہو گئی،

"سچ کہیئے!"

"یقین کیجئے، ضرور آؤں گا!"

پروین کی آواز کانپ رہی تھی، اس نے کہا

"شکریہ!"

اور کار اسٹارٹ ہو گئی

اور جب امتیاز پروین کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں پہنچا، تو اس نے دیکھا جس کرسی پر پروین بیٹھی تھی، اس پر سو سو روپے کے دس نوٹ رکھے ہیں

امتیاز نے نوٹ گنے اور جیب میں رکھ لئے، دروازہ بند کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا، بہت تھکا ہوا تھا، لیٹتے ہی سو گیا!

باب ۱۰

چوری

دو اتوار گزر گئے!

نہ امتیاز پروین کے ہاں گیا، نہ پروین اس کے ہاں آئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، دونوں ایک دوسرے کو فراموشش کر چکے ہیں، امتیاز کی خاموشی اتنی حیرت انگیز نہیں تھی، جتنی پروین کی، یہاں تو وہ معاملہ تھا، یا بہ آن شورا شوری یا بہ ایں بے نمکی!

امتیاز کا مدرسہ کا سلسلہ جاری تھا، وہی ایک روپیہ روز کی آمدنی اور فاقہ مستی کی زندگی، ایک روز اس کی ماں کا خط آیا، اس نے لکھا تھا، جب سے تم نے نوکری چھوڑی ہے، گھر کا حال بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے، میں بوڑھی جان، زندگی کی زیادہ پروا نہیں کرتی، میں تو موت کو بلا دے دیتی ہوں، تمہارے باپ کے بعد مجھے زندہ رہنے میں لطف نہیں آتا، کوفت ہوتی ہے، لیکن، مجبوری کا کیا کروں؟ رخسانہ کے سسرال والے تقاضہ کر رہے ہیں کہ نلبے کرو، ورنہ جواب دو، آخر ہم کب تک اپنے لڑکے کو بٹھائے رکھیں، بات بھی ٹھیک ہے، وہ ہماری

مجبوریوں کو کیا سمجھیں؟ اور سمجھیں بھی تو کب تک! میں سوچتی ہوں اگر یہ رشتہ ہاتھ سے نکل گیا، تو پھر رخسانہ کے لئے، دوسرا رشتہ کہاں سے ملے گا! یہ لوگ پھر بھی جانے پہچانے ہیں۔ ان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح گزارہ ہو ہی جائے گا! دوسرے لوگ نہ جانے کب ملیں؛ کیسے ہوں! یہ خیالات جب پریشان کرتے ہیں، میری رات کی نیند اڑ جاتی ہے۔ تارے گنا کرتی ہوں لیٹے لیٹے، پھر وہ تمہاری لاڈلی بہن فرزانہ، یا تو اتنی چنچل تھی کہ باپ کا بھی غم جیسا چاہیئے، ویسا نہیں منایا، یا تم جب سے گئے ہو، اور وہ چپ ہوئی ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے، نہ یہ بولنا جانتی ہے، نہ ہنسنا، زیادہ زبان سے کچھ نہیں کہتی، پوچھو تو کوئی جواب نہیں دیتی، تفریح کے موقعہ ہم پہونچاؤ تو ان میں حصہ نہیں لیتی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں منہ ڈھانکے پڑی رہتی ہے، صرف ایک وقت اٹھتی ہے، جب ڈاکیہ کے آنے کا وقت ہوتا ہے، پھر اسے قرار نہیں آتا، بس بے تابی کے ساتھ ٹہلتی رہتی ہے، ڈاکیہ آتا ہے اور گزرا چلا جاتا ہے، نہ وہ کچھ پوچھتی ہے، نہ وہ کچھ کہتا ہے۔ بس اسے واپس جاتا دیکھ کر پھر اپنے کمرے میں جا کر بند ہو جاتی ہے یا تو ہر وقت ہنس اور ہنسایا کرتی تھی۔ یا اب چڑچڑی اور بد مزاج ہو گئی ہے کہ سیدھے موہنہ بات نہیں کرتی، اس چھوکری کی فکر نے الگ جان پر بنا رکھی ہے، ڈر لگتا ہے کہیں بیمار نہ پڑ جائے، حرارت اس کے کمزور اور نازک جسم میں اپنا نشیمن نہ بنائے، تمہارے جانے کے چند روز کے بعد جب تمہارے دوست امجد اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ آئے تھے۔ بس وہ چند دن تو اس لڑکی کے ذرا اچھی طرح گزرے، امجد کی بہن تھی بھی بڑی شریف اور نیک لڑکی، یہ دونوں

خوب گھل مل گئی تھیں آپس میں، آخر وہ لوگ مہمان تھے، چند روز رہے، اور چلے گئے، ان کے جاتے ہی فرزانہ پھر اپنی اوقات پر آگئی۔ اگر تمہیں نوکری نہیں ملتی، تو آخر اتنے بڑے شہر میں کیوں پڑے ہو، یہیں آجاؤ، شاید خدا کوئی صورت پیدا کردے، اس کے ہاتھ کس نے دیکھے ہیں، امجد بیچارہ کہتا تھا، اس کے والد کا کارخانہ ہے، اس کی نیجری حاضر ہے، لیکن نہ تم نے اس کے خط کا جواب دیا، نہ یہ ملازمت قبول کی، اب بھی وقت نہیں گیا ہے، میرا کہا مانو تو قبول کر لو، یہ در در کی ٹھوکریں کھانے سے لگی بندھی تنخواہ والی ملازمت مل جائے تو کیا برا ہے! لیکن تمہیں سمجھائے کون؟ تم اپنے آگے سنتے کس کی ہو! ضدی، خودسر، کون سا وصف ہے۔ جو تم میں نہیں! بہر حال چند روز کے لئے یہاں آجاؤ اور کوشش کرو کہ کوئی ایسی سبیل نکل آئے کہ رخسانہ کی شادی ہوجائے، بڑی کفایت کی جائے، تو بھی دو تین ہزار سے کم خرچ نہیں ہوگا، اب اور زیادہ کیا لکھوں، جو کچھ لکھا ہے، معلوم نہیں اسے بھی پڑھوگے، یا ردی کی ٹوکری میں ڈال دوگے، تمہاری سعادت مندی سے کچھ بھی بعید نہیں، کیوں نہ ہو، شریف اور اطاعت گزار بیٹے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، جیسے تم!"

یہ خط پڑھ کر امتیاز پر فکر و پریشانی کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ دیوانہ ہوتے ہوتے رہ گیا، اس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ ملامت کی، ماں کے خط نے اس پر شرمندگی اور ندامت کا طوفان طاری کردیا!

لیکن وہ بے بس تھا!

بے روزگار تھا!

خود فاقے کر رہا تھا، تو دوسروں کو کہاں سے کھلاتا!

لیکن رخسانہ ——— ؟ اس کی شادی کب ہو گی؟ کس طرح ہو گی؟

اور فرزانہ ——— ؟ کہیں واقعی وہ بیمار نہ پڑ جائے؟ کمزور تو ہمیشہ سے ہے!

اور امجد کے کارخانہ کی نیجری ——— ؟ نہیں یہ نہیں ہو سکتا میں اس کی ملازمت نہیں کر سکتا!

اور پروین جو روپے اس روز چھوڑ گئی تھی؟ وہ بھولی نہیں تھی، عمداً چھوڑ گئی تھی، اب تک ویسے ہی رکھے ہوئے ہیں، کیوں نہ یہ رقم والدہ کو بھیج دوں؟ ——— استغفر اللہ، کتنا ناپاک اور غیر شریفانہ خیال آ گیا تھا میرے دل میں، چھی چھی!

اچھا قاسم سیٹھ کی ملازمت ——— ؟ ہاں یہ ٹھیک ہے، کام کروں گا، پیسے لوں گا، اس میں نہ خودداری مجروح ہوتی ہے، نہ شخصیت پر آنچ آتی ہے!

یہ سوچ کر وہ اٹھا کر سیدھا قاسم سیٹھ کے در دولت پر پہنچے!

جیسے ہی وہ ہنک کر اٹھا، دیکھتا کیا ہے پروین چلی آ رہی ہے، پروین کو دیکھکر اس کا سارا جوش ملازمت فرد ہو گیا، اوس پڑ گئی اس پر، اس نے فیصلہ کر لیا، نہیں وہ قاسم سیٹھ کے ہاں نہیں جائے گا، ان کی ملازمت بھی نہیں کرے گا، وہ پروین کا آدرو ہ نبکر بڑی سے بڑی ملازمت بھی قبول نہیں کر سکتا

کبھی نہیں!

اتنے میں پروین دروازہ پر پہونچ گئی!

"میں آسکتی ہوں!"

"شوق سے آیئے!"

وہ اندر آگئی

"میرا آنا آپ کو ناگوار تو نہیں ہوا؟"

امتیاز نے سراپا اخلاق بنکر کہا

"آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں!"

اب وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی

امتیاز نے کہا

"بمبئی میں مہمان کو چائے ضرور پلاتے ہیں!"

"پلایئے! ضرور پیوں گی!"

امتیاز نے اٹھتے ہوئے کہا

"آپ بیٹھئے، میں باہر والے کو آرڈر دے کر ابھی آیا!"

"ہاں میں بیٹھی ہوں آپ جایئے!"

امتیاز نیچے چلا گیا،

بیکاری میں پروین کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگیں، اس کی نظر ایک لفافہ پر پڑی، جو اس کی چارپائی پر رکھا ہوا تھا، جھک کر اس نے پتہ دیکھا سواد خط زنانہ معلوم ہوا، اب وہ ضبط نہ کر سکی، اس نے لفافہ اٹھالیا، کھڑکی

سے جھانک کر دیکھا، تو امتیاز ہوٹل کے دروازہ پر کھڑا کسی صاحب سے باتیں کر رہا تھا، موقعہ غنیمت جان کر اس نے لفافہ کھولا، اور ایک ہی نگاہ میں سارا خط پڑھ ڈالا۔

پھر ایک ٹھنڈی سانس لی،

پھر جیب سے نوٹ بک نکالی،

پھر کھڑکی سے جھانکا، امتیاز کو وہ صاحب اب تک اپنی باتوں کے جال میں گھیرے ہوئے تھے، صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے لیکن یہ بری طرح اس سے چمٹے ہوئے تھے۔

وہ مسکرائی۔

اور جلدی سے نوٹ بک پر اس نے خط سامنے رکھ کر کچھ نوٹ کیا

پھر نوٹ بک جیب میں رکھ لی

لفافہ وہیں رکھ دیا۔ جہاں سے اٹھایا تھا

اور بیگناہی کی پوری کیفیت اپنے اوپر طاری کرکے چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گئی!

تھوڑی دیر کے بعد امتیاز واپس آگیا، پروین نے کہا

"بڑی دیر لگا دی آپ نے کیا کرنے لگے تھے!"

وہ بولا

"کیا کہوں! ایک صاحب جھاڑ کا کانٹا ہو کے پیچھے پڑ گئے۔ لاکھ لاکھ دامن بچایا، لیکن وہ کس کی سنتے تھے!"

"کون صاحب تھے وہ ؟"

امتیاز نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا

"شاعر!"

پروین نے مونہہ بناتے ہوئے کہا

"شاعر ——— ! یہ بھی عجیب قوم ہے، جہاں دیکھئے، وہاں اپنا چوغزلہ لئے سنانے کو موجود!"

امتیاز کو ہنسی آگئی

"آپ کو پالا پڑا ہے کسی شاعر سے!"

وہ بولی،

"ہماری کمپنی میں شاعروں کی کھیپ کی کھیپ موجود ہے، روز نئی نئی قریاں مشاعر کی صورت میں چھپاتی، اور نغمہ سرائی کرتی ہوئی وارد ہوا کرتی ہیں!"

"اوہ ——— پھر تو واقعی آپ شاعروں سے خوب واقف ہیں ———!"

اتنے میں باہر والا چائے لے کر آگیا!

وہی شیشے کے گلاس

وہی گرم گرم بھاپ اڑاتی ہوئی چائے!

دونوں نے اپنے اپنے گلاس سنبھال لئے، پہلا گرم گرم گھونٹ حلق سے اتار کر پروین بولی

"بڑی گرم ہے ـــــــ یہ چائے خانہ کا مالک، جہنم کا داروغہ معلوم ہوتا ہے!"

"یہ کیوں ـــــــ؟"

"اتنی گرم چائے صرف جہنم کی انگیٹھی پر تیار ہو سکتی ہے!"

امتیاز نے ایک زوردار قہقہہ لگایا

"آج تو آپ کی طبیعت بہت حاضر معلوم ہوتی ہے!"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی

"جب میں حاضر ہوتی ہوں، طبیعت بھی حاضر ہوتی ہے!"

امتیاز نے پوچھا

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ غیر حاضر ہوتی ہوں!"

وہ بولی،

"اکثر وہ کیا ہے غالب کا شعر، ہاں یاد آیا

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی !
کچھ ہماری خبر نہیں آتی ! !

یہ شاعرانہ واردات نہیں، ہم میں سے ہر شخص پر کبھی کبھی یہ کیفیت ضرور ہو جاتی ہے، میں بھی آدمی ہوں، مجھ پر بھی یہ دورہ لاکھ بچنا چاہوں پڑ ہی جاتا ہے!"

امتیاز نے کہا۔

"ابھی تو آپ شاعروں کو اتنا برا کہہ رہی تھیں!"

وہ بولی

"ہاں تو؟"

وہ کہنے لگا۔

"آپ خود بھی تو شاعر ہیں!"

وہ حیران ہو کر بولی

"میں شاعر ہوں؟"

"ہاں آپ!"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"اتنی خوبصورت اور اچھی شاعری کر ڈالی آپ نے، اور احساس بھی نہیں ہوا کہ کیا کہہ گئیں آپ!"

وہ مسکرا دی

"آپ بنانے لگے اب ہمیں؟"

بے تکلفی کے ساتھ امتیاز نے کہا

"توبہ کیجئے، میں اتنا گستاخ کبھی نہیں ہو سکتا آپ کی بارگاہ میں!"

"گستاخ بارگاہ —— یہ الفاظ آپ بنانے کے لئے نہیں کہہ رہے ہیں!"

"بالکل نہیں —— ! میں آپ کی عزت کرتا ہوں، آپ کی باتوں سے دلچسپی لیتا ہوں، آپ کی خیالات کی قدر کرتا ہوں، میرے بارے میں ایسی غلط رائے قائم نہ کیجئے!"

ان الفاظ سے پروین بہت متاثر ہوئی، اس کا چہرہ شدت جذبات

سے سرخ ہو گیا، اس کے دل میں خوشی کی لہریں اٹھنے لگیں!

اتنے میں باہر والا آ گیا

"تین آنہ!"

امتیاز نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ صرف ایک دونی نکلی!

"لو بھئی ایک آنہ کل!"

باہر والے نے کچھ کہے بغیر دونی لے لی، گلاس اٹھائے اور باہر چلا گیا

پردین نے پوچھا

"آپ بہت فضول خرچ ہوتے جاتے ہیں!"

"یہ کیسے جانا آپ نے؟"

"آپ نے باہر والے کو پورے پیسے کیوں نہیں دیئے، ایک آنہ کیوں رکھ لیا،؟"

امتیاز ہنسنے لگا،

"آپ تو میری جیب پر ایسی کڑی نگاہ رکھتی ہیں، جیسے سود خوار پٹھان!"

"چلئے میں سود خوار پٹھان سہی، آپ میرے سوال کا جواب دیجئے!"

امتیاز نے کہا

"اب تو میں آپ کی ولایت کا قائل ہوتا جاتا ہوں!"

"یہ عنایت کیوں؟"

"اس دن آپ نے میری بیماری کی پیشنگوئی کی تھی!"

"خدا نہ کرے میں کیوں کرتی پیشینگوئی ——— تو کیا آپ

بیمار پڑ گئے تھے ؟"

"جی ہاں ملیریا کا حملہ ہوا تھا، بڑا شدید جیسا کہ ڈنکرک پر ہٹلر نے کیا تھا!"

"علاج ؟"

"اسی مفو نخرچی نے تو ذرا پریشان کر رکھا ہے، قریب ہی ڈاکٹر حسین ایک اچھے ہومیو پیتھ ہیں، چار آنے روز کی دوا دیتے ہیں، لہٰذا اب صرف بارہ آنے بچتے ہیں!"

ایک تاثر کے عالم میں پوچھا

"تو آپ ابھی تک بیمار ہیں!"

"ہاں رات کو جاڑا دے کر بخار آ جاتا ہے!"

فیصلہ کن لہجے میں پروین نے کہا

"چھوڑیئے ہومیو پیتھک، کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر کا علاج کیجئے!"

امتیاز پھر ہنس پڑا

"پھر تو پورا ایک روپیہ نذر کرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوٹے گا —
— بڑے مہنگے ہوتے ہیں یہ آپ کے حکیم اور ڈاکٹر!"

فکرمندی کے ساتھ اس نے پوچھا

"آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا!"

"یہ میں کیا بتا سکتا ہوں، بیماری سے پوچھئے، میں شاید اس کو پسند آ گیا ہوں، کسی طرح پیچھا چھوڑتی نظر نہیں آتی، یہی میں نے ڈاکٹر حسین سے بھی کہا تھا، انھوں نے جواب دیا، ابھی چند روز تندرست ہونے میں اور لگیں گے!"

پروین چپ ہوگئی،

امتیاز بھی خاموش ہوگیا

پھر پروین نے پوچھا

"کھانا کیا کھاتے ہیں آپ؟"

"صرف چائے اور توس!"

"اس طرح تو آپ بہت کمزور ہو جائیں گے!"

"تو کیا ہوگا! ——— دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ کمزور اور ناتواں لوگ موجود ہیں، میں تو چار آنے روز کی دوا بھی استعمال کرلیتا ہوں، بہت سے ایسے بھی ہیں، جنھیں سرے سے دوا میسر ہی نہیں ہوتی، میں تو چائے اور توس استعمال کرلیتا ہوں، لیکن، اسی شہر میں ایسے ان گنت لوگ بھی موجود ہیں، جو صرف غم کھاتے ہیں!"

ادبھ کر پروین بولی

"پھر تقریر شروع کردی آپ نے!"

اس نے کہا

"لیجئے چپ ہوا جاتا ہوں!"

پروین کہنے لگی:

"چند روز آرام کیجئے، مدرسہ نہ جائیے!"

امتیاز نے کہا

"تاکہ یہ ایک روپیہ روز کا سہارا بھی جائے!"

وہ تعجب سے بولی

"ہائے اللہ! کیا وہ لوگ چھٹی نہیں دیتے؟"

امتیاز نے جواب دیا

"کیوں نہیں دیتے ہیں!"

"پھر لے لیجئے!"

"لیکن سنئے تو ——"

"جی نہیں، آپ چھٹی لے لیجئے!"

امتیاز نے جلدی سے کہا

"لیکن وہ لوگ بے تنخواہ چھٹی دیتے ہیں، جتنی چاہے لے لو!"

وہ حیران ہو کر بولی

"کیا کہا آپ نے؟"

امتیاز نے کہا

"میں نے عرض کیا، وہ لوگ چھٹی دینے میں بخل نہیں کرتے، لیکن چھٹی کی تنخواہ نہیں دیتے —— حتیٰ کہ اتوار کا روپیہ بھی کاٹ لیتے ہیں ——!"

پروین چیخ پڑی

"اتوار کا روپیہ بھی کاٹ لیتے ہیں؟"

"ہاں!"

"یعنی ہفتہ میں صرف چھ روپے ملتے ہیں آپ کو؟"

"جی ہاں! ——— اسی لئے اتوار کو میں بھی ہر طرح سے چھٹی پر رہتا ہوں ——— ڈاکٹر کو بھی چھٹی دے دیتا ہوں، اور باجسر والے کو بھی!"

یہ کہکر وہ مسکرانے لگا

پروین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، لیکن اس نے انھیں ٹپکنے نہیں دیا، کہنے لگی،

"بڑے ظالم اور خونخوار ہیں آپ؟"

وہ تعجب سے بولا

"کسے کہہ رہی آپ؟"

وہ جل کر بولی

"آپ کو اور کس کو؟"

وہ پھر مسکرا دیا

"بڑا دلچسپ انکشاف کیا آپ نے!"

پروین نے کہا

"اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے، جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتا ہو!"

اشتیاق نے مصالحت کر لی

"ہاں یہ ٹھیک کہا آپ نے!"

کچھ دیر خاموشی طاری رہی،

سے باتیں کر کے !"

"شکریہ، شکریہ ——— اب زیادہ زیربار احسان نہ کیجئے!"

امتیاز مسکرا کر خاموش ہو گیا

"اچھا ایک درخواست کروں، مانیں گے آپ!"

امتیاز نے ترنگ میں آکر کہا

"درخواست! ——— آپ حکم دیجئے، میں تعمیل کروں گا!"

پروین التجا بھرے لہجے میں کہنے لگی،

"جب تک آپ بیمار ہیں، میرے ہاں اٹھ چلئے، وہاں آپ کی تیمارداری بھی اچھی ہو گی، اور علاج بھی ٹھیک ہو گا!"

امتیاز کچھ سوچنے لگا

پروین نے پوچھا

"بتایئے، مان لی آپ نے میری درخواست!"

امتیاز نے کہا

"مجھے زیادہ شرمندہ نہ کیجئے، آپ کے اس ارشاد کی تعمیل سے بالکل معذور ہوں!"

پروین اٹھ کھڑی ہوئی

"میں پہلے ہی یہ جانتی تھی، آپ کا جواب کیا ہو گا!" ———

——— اچھا رخصت، اب اجازت دیجئے!"

امتیاز بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

امتیاز نے کہا

"آپ چپ کیوں ہوگئیں؟"

"پھر کیا کروں؟"

"کچھ بولیے، باتیں کیجئے!"

پروین کو موقعہ مل گیا

"باتیں تو کر سکتی ہوں، لیکن آپ خفا ہو جائیں گے!"

امتیاز نے تپاک سے کہا

"بالکل نہیں خفا ہوں گا، جو کچھ آپ کہنا چاہتی ہیں شوق سے کیجئے!"

پروین نے سنجیدگی سے پوچھا

"آپ نے وعدہ کیا تھا کچھ؟"

"کیا ہوگا، مجھے یاد نہیں، کچھ اتہ پتہ دیجئے!"

"دو ہفتے ہوئے آپ نے وعدہ کیا تھا، اگلے اتوار کو آپ غریب خانہ پر تشریف لائیں گے!"

امتیاز نے کہا

"ہاں مجھے یاد آیا، لیکن آپ بھول گئیں، ابھی میں نے آپ سے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا تھا، دن کو مشقت، اور رات کو بخار سے کشتی، اس میں میرے انجر پنجر ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ پھر ہوش ہی نہیں رہتا۔ ذرا اچھا ہولوں، پھر ضرور آؤں گا ——— آپ یقین کیجئے مجھے آپ کے ہاں آنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے۔ بلکہ خوشی ہوگی، آپ کے ہاں آکر، آپ سے مل کر، آپ

"آپ یہاں آنے کی کئی بار زحمت گوارا کر چکی ہیں، میں اپنے نہ آسکنے پر شرمندہ ہوں، اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں، جب تک میں آپ کے ہاں نہ آؤں۔ آپ یہاں آنے کی تکلیف نہ کیجئے!"

پروین چلتے چلتے ٹھٹک گئی

"یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ نہ آپ خود کبھی آئیں گے، نہ مجھے آنے دیں گے، اگر آپ کا یہ مطلب ہے، تو اطمینان رکھیئے، اب میں کبھی نہیں آؤں گی آخر آپ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں؟ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ پر عاشق ہوں! آپ مجھے نخرے دکھائیں گے، اور میں آپ کے ناز سہوں گی؟ آپ نے بالکل وہی وطیرہ اختیار کیا ہے، جو ایک طوائف ایک تماشبین کے ساتھ اختیار کرتی ہے، آخر شرافت اور انسانیت بھی کوئی چیز ہے، آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں آپ سے صرف اس لئے ملتی ہوں کہ آپ ایک اچھے آدمی ہیں یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ آپ بڑے خوبصورت ہیں، اور میں ہزار جان سے آپ پر فریفتہ ہوں ———— !"

امتیاز نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا

"مس پروین! میں صدق دل سے معافی مانگتا ہوں، بخدا آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں، بالکل غلط ہے، آپ بڑے شوق سے غریب خانہ پر تشریف لایئے مجھے بڑی خوشی ہوگی، میرا مطلب بالکل وہی تھا۔ جو میں نے کہا تھا۔ لیکن آپ اسے غلط رنگ میں لے گئیں!"

پروین نے باہر جانے کے لئے قدم بڑھایا، امتیاز سامنے آگیا،

"پہلے یہ بتائیے آپ نے مجھے معاف کردیا ؟"

وہ مسکرادی

"کردیا !"

اور وہ نسیم بہار کی طرح چلی گئی

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کرنے کے بعد ایک لفافہ پروین کی طرف بڑھایا

پروین نے لفافہ کھولا، تو اس میں سو سو کے دس نوٹ تھے، اور ایک پرزہ امتیاز کے ہاتھ کا لکھا ہوا رکھا تھا، جس پر تحریر تھا،

"پچھلی مرتبہ جب آپ آئی تھیں، تو یہ روپے یہاں بھول گئی تھیں !"

پروین نے نوٹ پرس میں رکھ لئے، اور کار ہوا سے باتیں کرتی چلتی رہی ———— !

باب ۱۱

ایگریمنٹ

پھر ایک ہفتہ گزر گیا

نہ پروین آئی، نہ امتیاز اس کے گھر جا سکا، اس کی طبیعت اب تک ٹھیک نہیں ہوئی تھی، مرض دب گیا تھا، لیکن گیا نہیں تھا۔ مسلسل بخار نے اسے بہت ضعیف اور کمزور کر دیا تھا، پھر بھی اپنے کام پر وہ پابندی سے جا رہا تھا، نہ جاتا، تو کرتا کیا، یہ ایک روپیہ روز جو مل رہا تھا، اس کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا

وہ اسی فکر میں بیٹھا تھا کہ مولوی سجاد حسین تشریف لائے، یہ اس مدرسے کے مالک تھے، جس میں امتیاز ایک روپیہ روز پر پڑھاتا تھا، طلبہ سے کافی فیس وصول کر لیتے تھے، جرمانے کی رقم بھی کافی ہو جاتی تھی، شہر کے متمول اور خدا ترس لوگوں سے ہر مہینہ چندہ بھی اچھا خاصا وصول کر لیتے تھے، لیکن بڑے کنجوس تھے، ایک ایک پیسہ دانت سے پکڑتے تھے، جس طرح ہوٹلوں میں اور رستورانوں میں ملازمین کو روزانہ اجرت ملتی ہے، اور چھٹی کے دن کٹ جاتی ہے، یہی معمول انھوں نے اپنے مدرسے میں رکھا تھا، بے کاروں اور بیروزگاروں کی کمی نہیں، ایسے

لوگ مل گئے، جنھیں روزانہ کی اجرت کا سہارا بھی غنیمت معلوم ہوا، لیجئے اسکول چل پڑا، زیادہ سے زیادہ دو روپیہ، کم سے کم ایک روپیہ، یومیہ یہ شرح تھی سجاد صاحب کے اسکول کی،

خلاف توقع سجاد صاحب کو اپنے ہاں آتا ہوا دیکھکر امتیاز کو بڑی حیرت ہوئی، بہرحال وہ استقبال کے لئے اٹھا، بڑے تپاک سے سجاد صاحب نے ہاتھ ملایا، عمر میں یہ امتیاز کے باپ کے برابر تھے۔ لیکن بے تکلفی سے کہنے لگے،

"اماں تم کل آئے نہیں!"

امتیاز نے جواب دیا،

"جی ہاں ذرا طبیعت خراب ہو گئی تھی!"

سجاد صاحب نے دریافت کیا

"کیا خراب ہو گئی تھی، ہمیں بھی بتاؤ!"

"یہی ملیریا! —— یوں تو بہت دن سے اس لعنت میں گرفتار ہوں، لیکن کل کمزوری اتنی محسوس ہوئی کہ کسی طرح نہ آ سکا۔!"

سجاد صاحب نے عارفانہ انداز میں گردن ہلائی، مسکرائے، اور فرمایا

"یہی تو میں کہتا تھا، یہ پھول سا چہرہ کمھلا کیوں رہا ہے۔ خدا کی قسم تمہاری جوانی اور رعنائی اس عمر میں مجھے مل جائے۔ تو کرشن کنھیا بن کر دکھا دوں نہیں!"

امتیاز نے کہا۔

"عمر سے کیا ہوتا ہے، ویسے تو آپ مجھ سے بھی ٹانٹھے ہیں!"

ایک پندار سے کہا

"ہاں کیوں نہیں، اسی لئے، ابھی ایک ہفتہ ہوا نئی شادی کی ہے!

میاں "ساٹھا پاٹھا" کی مثل بھی لوگوں کو دیکھکر زبان خلق پر چڑھی ہے!"

امتیاز مسکرا دیا

"مانتا ہوں!"

پھر فرمایا

"اچھا بھئی کوئی کام کی باتیں کرو!"

وہ بولا،

"فرمایئے!"

کہنے لگے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ تم اسکول کے ہیڈ ماسٹر بن جاؤ —— دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ دوں گا، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا، صاف صاف کہے دیتا ہوں سن لو بھئی!"

امتیاز کو بڑی حیرت ہوئی کہ آج اس بڈھے کو کیا ہو گیا ہے، کہیں سے شراب تو نہیں پی آیا ہے، شاید سجاد میاں بھی امتیاز کا مطلب سمجھ گئے

"بات یہ ہے کہ میں اب اس اسکول کو جلد از جلد ہائی اسکول بنانا چاہتا ہوں، اس لئے اب اس کا اسٹینڈرڈ مجھے اونچا رکھنا پڑے گا، اس طرح آمدنی بھی زیادہ ہوگی، اور کام بھی اچھا چلے گا، چندہ میں نے پہلے ہی کافی جمع کر لیا تھا، ابھی حال میں ایک جگہ سے اور ۲۵ ہزار کی رقم مل گئی ہے!"

امتیاز نے پوچھا

"کہاں سے؟"

اس کے زانو پر زور سے ہاتھ مارا

"تمہیں آم کھانے سے مطلب یا پیڑ گننے سے؟ بتاؤ میری پیشکش منظور ہے؟"

امتیاز نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ فرمایا

"سوچ کیا رہے ہو، تیس روپیہ ماہوار کے مقابلہ پر دو سو کم ہیں کچھ؟"

امتیاز نے فوراً جواب دیا

"بہت کم ہیں، ۳۰ ماہوار میں میری ذمہ داری کیا ہے؟ صرف یہ کہ وقت مقررہ پر آؤں، پڑھاؤں اور چلا جاؤں، ہیڈ ماسٹر بننے کے معنے یہ ہیں، کہ اسکول کی کامیابی اور ناکامی، نیک نامی اور بدنامی سب کی ذمہ داری میرے اوپر ہے ——— نا صاحب مجھے تین سو چاہئیں، دو سو نہیں چاہئیں!

سجاد صاحب یہ باتیں سنکر چکرا گئے، انھیں یقین تھا کہ ان کے کان دھوکہ دے رہے ہیں، اپنے حواس مجتمع کر کے انھوں نے پھر پوچھا

"اماں بتاؤ؛

امتیاز نے جواب دیا۔

"کہہ تو دیا آپ کی پیشکش نامنظور!"

بے بسی کے ساتھ بولے،

"پھر کیا لو گے؟"

اس نے کہا

"کم سے کم تین سو!"

تڑسے نعرہ لگایا

"منظور!"

پھر جیب سے کاغذ نکالا۔ جو ٹائپ کیا ہوا تھا، اس میں تنخواہ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی، اپنے قلم سے ۳۰۰ کا ہندسہ لکھا اور کہا

"لیجئے یہ تین سال کا اگریمنٹ ہے، دستخط فرمائیے!"

امتیاز نے کہا

"ایک بات اور سن لیجئے!"

عاجز آ کر بولے

"کوئی نئی شرط ہو گی — فرمائیے!"

امتیاز نے سجاد صاحب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور کہا

"چھٹیوں کی تنخواہ نہیں کٹے گی!"

حاتمانہ سخاوت کے ساتھ سجاد صاحب نے فرمایا،

"یہ بھی منظور — اور فرمائیے کچھ! آپ کو قسم ہے ذرا بھی بود و زحمات کریں آپ میرے ساتھ — ہم دونوں پچھلے جنم میں یقیناً ایک دوسرے کے دشمن یا رقیب تھے اور نہ آپ کے اس برتاؤ کے معنے کیا ہیں؟"

امتیاز ہنسنے لگا۔

"آپ تناسخ کے قائل ہیں؟"

بگڑ گئے۔

"قائل کون مردود ہے۔ لیکن منہ پر آئی بات رکتی بھی تو نہیں!"

یہ کہکر مسکرا دیئے!

امتیاز نے دستخط کرکے کاغذ واپس کر دیا، کاغذ توڑ مروڑ کر سجاد صاحب نے جیب میں رکھا، پھر سو سو کے چھ نوٹ نکالے، امتیاز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

"یہ لیجئے! —— رسید دیدیجئے ابھی!"

امتیاز نے نوٹ نہیں لئے، پوچھا،

"یہ کیسی رقم ہے مولانا!"

مولانا جلے ہوئے تو تھے ہی اور جل گئے!

"کیوں چڑکے پڑچڑکہ لگا رہے ہو بھئی! ابھی تو نکاح کی شرطوں کی طرح اپنی شرطیں قبلوائی ہیں —————— یہ دو مہینہ کی تنخواہ ہے۔ کل سے دو مہینہ کے لئے اسکول بند ہے —————— میرا ہمیشہ سے اصول ہے یا تو تعطیل کلاں کی تنخواہ دیتا نہیں، یا اگر دیتا ہوں تو پھر پیشگی دیتا ہوں!"

امتیاز نے مسکرا کر کہا

"شکریہ!"

اور نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے پھر مولوی صاحب نے فرمایا،

"اماں یار بڑی دیر سے پیاس لگ رہی ہے!"

امتیاز نے کہا

"ابھی لیجئے، بڑا ٹھنڈا پانی ہے!"

روٹھ کر بولے،

"ٹھنڈا پانی آپ کو مبارک، مجھے تو گرما گرم چائے پلوائیے، اسکٹ بسکٹ، کیک، پیسٹری کا تکلف نہ فرمائیے!"

امتیاز مسکراتا ہوا نیچے چلا گیا، اور وہاں سے اس شان کے ساتھ آیا، کہ باہر والا چائے، بسکٹ، کیک پیسٹری اور کئی قسم کے پھلوں سے لدا ہوا تھا یہ سامان دیکھکر سجاد صاحب کی باچھیں کھل گئیں!

باب ۱۲

تصویر کے دو رُخ

مدرسہ سے خلاف توقع امتیاز کو اچھی خاصی رقم مل گئی، نفسیاتی طور پر اس رقم نے اس کی صحت پر بڑا اچھا اثر کیا، جلد ہی اس میں توانائی آگئی، اور وہ چند ہی روز میں اپنی اصلی حالت پر آگیا، اس عرصہ میں پروین سے اس کی کوئی ملاقات نہ ہو سکی،

امتیاز مدرسہ سے ابھی ابھی آیا تھا، کل سے چھٹی تھی، اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ زمانہ کہاں اور کس طرح گزارے کہ اسے ایک تار ملا۔ تار کا لفافہ کھولنے سے پہلے اس کا دل دھڑکنے لگا، نہ جانے اس میں کیا خبر ہو؟ لیکن اس نے اپنے دل کو مطمئن کیا، لفافہ کھولا، تار پڑھا اور مسکرا کر ایک طرف رکھ دیا، لکھا تھا

"رخسانہ کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی، فوراً پہونچو!"

اس کی جیب میں صرف چھ سو روپے تھے، ابھی اس نے والدہ کو کچھ نہیں بھیجا تھا، اسے حیرت ہوئی کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں رخسانہ کی شادی کیسے ہو گی؟ اسے جہیز بھی دیا جائے گا؟ مہمانوں کی خاطر و مدارات کس طرح ہو گی؟

بہر حال اب تاریخ مقرر ہو چکی تھی، ٹل نہیں سکتی تھی، اس نے پہلی ٹرین سے وطن جانے کا ارادہ کر لیا،

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پروین سے مل لے!

اس لئے نہیں کہ وہ پروین سے محبت کرنے لگا تھا، صرف اس لئے کہ پروین اتنی دفعہ اس سے مل چکی تھی، اس کے گھر آ چکی تھی، وہ ساری دنیا سے تمکنت کا برتاؤ کرتی تھی، لیکن اس سے جھک کر ملتی تھی، آخر اخلاق اور انسانیت کا بھی تو کچھ تقاضہ ہے، یہ سوچ کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مسافر خانے سے سیدھا پروین کے ہاں جائے، وہاں کچھ دیر بیٹھے، اور وہاں سے اسٹیشن روانہ ہو جائے

یہ سوچ کر اس نے کوٹ اٹھایا ہی تھا کہ سامنے سے پروین آتی ہوئی نظر آئی اس وقت وہ پروین کو دیکھ کر خوش نہیں ہوا۔ جل گیا، اس نے دل ہی دل میں کہا آج بھی کمبخت بازی لے گئی، پروین نے حسب معمول دروازے پر ٹھٹک کر مسکراتے ہوئے پوچھا،

"کیا میں آسکتی ہوں؟"

امتیاز نے خشکی سے جواب دیا

"آیئے!"

اور پھر کوٹ اتار کر ٹانگ دیا

پروین نے کہا

"میں مخل تو نہیں ہوئی؟ —— کہیں جا رہے تھے آپ شاید؟"

وہ بولا،

"جی ہاں جا تو رہا تھا!"

پوچھنے لگی،

"کہاں؟"

امتیاز نے کہا

"آپ ہی کے پاس ارادہ تھا جانے کا!"

پھر کچھ رک کر وہ بولا

"ہر مرتبہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ بازی لے گئیں، اور میں رہ گیا!"

پروین کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا،

"واقعی آپ میرے ہاں جا رہے تھے؟"

"جی ہاں!"

وہ ایک ادا کے ساتھ بولی،

"پھر آپ رک کیوں گئے، چلئے!"

اور یہ کہکر اس نے کھونٹی سے امتیاز کا کوٹ اتارا، اور اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی،

"آئیے، چلئے، چلیں!"

امتیاز نے کوٹ نہیں لیا

"لیکن اب تو آپ آگئیں!"

"اس سے کیا ہوتا ہے؟ آپ تو اپنا نیک ارادہ پورا کیجئے!"

"مقصود تو آپ سے ملنا تھا، ملاقات ہو گئی!"

"جی نہیں بات یوں نہیں یوں ہے۔ مقصود میرے غریب خانہ پر آکر میری عزت افزائی کرنا تھا، لہٰذا وہ پورا نہیں ہوا۔ اسی وقت پورا ہوگا، جب آپ میرے ساتھ چلیں گے!"

امتیاز لاجواب ہو گیا

"چلئے!"

وہ بہت خوش ہوئی، جیسے اسے کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو!

"چلئے ــــــ لیکن ایک شرط ہے، کہہ دیجئے مان لی؟"

"کہے دیتا ہوں مان لی، لیکن فرمایئے تو کیا ہے وہ شرط؟"

"یہ کہ آج رات کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں گے!"

"مجھے کوئی عذر نہیں، لیکن رات کی گاڑی سے میں گھر جا رہا ہوں!"

وہ چونک کر بولی

"گھر؛ کیوں خیریت تو ہے!"

"جی ہاں سب خیریت ہے خدا کے فضل سے، میری بہن کی شادی ہے!"

"اوہو شادی ہے ــــــ پھر تو آپ کو دعوت کرنی پڑے گی ہماری!"

آمادگی کے ساتھ امتیاز نے کہا

"شوق سے!"

پروین نے کہا

"ابھی نہیں، یہ دعوت آپ پر فرض رہی، واپس آکر کیجئے گا۔ آج جو دال دلیا میسر ہو، غریب خانہ پر تناول کرنا پڑے گا آپ کو!"

"لیکن دیر نہ ہو جائے کہیں؟"

"یعنی کہیں آپ کی ریل نہ چھوٹ جائے، ایسا نہیں ہوگا، اطمینان رکھیئے آپ بالکل وقت پر اسٹیشن پر پہونچ جائیں گے! اس کی میں ذمہ داری لیتی ہوں!"

"بس تو بسم اللہ چلئے!"

"آیئے!"

تھوڑی دیر کے بعد امتیاز پروین کے مکان پر پہونچ گیا!

امتیاز کو اپنے گھر میں دیکھ کر وہ بچھی جا رہی تھی، اتنی خوش تھی، اتنی خوش تھی، جیسے گدا کی جھونپڑی میں کوئی شہنشاہ پہونچ گیا ہو۔ وہ آج کھلانے کے ساتھ اپنا دل بھی امتیاز کو کھلا دینا چاہتی تھی، جلدی جلدی اس نے کئی ہلکی پھلکی چیزیں تیار کر ڈالیں، کبھی وہ ڈرائنگ روم میں امتیاز کے پاس آکر بیٹھ جاتی، کبھی معذرت کر کے اٹھتی اور باورچیخانہ میں پہونچ جاتی، وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ امتیاز اکیلا بیٹھے بیٹھے گھبرائے، اور یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ صرف گھر کا پکا ہوا کھانا نہ ملے، آخر اس نے کس دن کے لئے امور خانہ داری کی تربیت حاصل کی تھی؟ حیف ہے اس ہنر پر جو امتیاز جیسے بلند مرتبت شخص کے کام نہ آئے، اسی کشمکش میں وہ ڈرائنگ روم اور باورچی خانہ کے چکر پر چکر کاٹ رہی تھی، کبھی یہاں، کبھی وہاں،

اس مرتبہ وہ پھر گھبرائی گھبرائی سی آئی، اور امتیاز کے پاس صوفہ پر بیٹھ گئی، وہ کہنے لگا،

"کیا بات ہے آپ اتنی پریشان کیوں نظر آرہی ہیں،؟"

کہنے لگی،

"نہیں تو پریشان کیوں ہوتی بھلا! ——— اچھا میں ابھی آئی"

اور یہ کہہ کر وہ پھر غائب ہو گئی، امتیاز کے سامنے "فلم انڈیا" پڑا تھا وہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا، پروین سیدھی باورچی خانہ پہونچی اور کباب تلنے لگی، جلدی جلدی آٹھ دس کباب تلے، اور پھر ڈرائنگ روم میں پہونچ گئی، کہنے لگی،

"معاف کیجئے گا ——— آپ بھی کیا کہہ رہے ہوں گے دل میں!"

امتیاز کو اس کی پریشانی اور گھبراہٹ سے لطف آنے لگا تھا مسکراتا ہوا بولا۔

"میں آپ کو ہرگز معاف نہیں کروں گا!"

"یہ کون سا رسالہ دیکھ رہے تھے آپ؟"

"کوئی نہیں، یونہی فلم انڈیا کی ورق گردانی کر رہا تھا!"

"فلم انڈیا؟ ——— ہاں اس مرتبہ اس میں بڑی اچھی اچھی تصویریں شائع ہوئی ہیں ——— دیکھئے میں ابھی آئی!"

اور وہ پھر غائب ہو گئی!

امتیاز نے پھر فلم انڈیا کی ورق گردانی شروع کر دی، اور وہ پھر سیدھی باورچی خانہ پہونچی، جلدی جلدی سوئیوں کا زردہ پکایا، شاہی ٹکڑے تیار کئے، اور پھر ڈرائنگ روم میں پہونچ گئی جیسے ہی وہ بیٹھی، امتیاز نے کہا

"دیکھئے حضرت ——— یوں کام نہیں چلے گا، یا تو آپ جس کام میں مصروف ہیں، اس سے نبٹ لیجئے، اچھی طرح، پھر آیئے، ورنہ بیٹھے اور اب جانے کا نام نہ لیجئے، یہ اچھی رہی، طاقت مہمان نداشت، خانہ بہ مہمان گزاشت، میں یہاں "فلم انڈیا" پڑھوں اور آپ ابھی آئی کہہ کر جو غائب ہوں، تو رسید بھی نہ دیں!"

کہنے لگی،

"آپ کی شکایت بجا ہے، واقعی بڑی بداخلاقی سرزد ہوئی مجھ سے، لیکن کیا کروں، یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوا کہ آپ پہلی مرتبہ یہاں کھانا کھائیں اور وہ صرف باورچی کے ہاتھ کا پکا ہوا ہو!"

"پھر آپ نے کیا تدبیر سوچی!"

"دو چار چیزیں جلدی جلدی اپنے ہاتھ سے تیار کر لیں، خدا کرے پسند آجائیں آپ کو!"

"کیا کہا آپ نے! ——— یہ آپ کھانا پکانے کے لئے بیچ بیچ میں غائب ہوا کرتی تھیں؟"

"جی!"

"بھئی بڑا ظلم کیا آپ نے ——— مجھ پر بھی اور اپنے آپ پر بھی، حد کر دی، آخر اس تکلف اور اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ ناز سے بولی

"لیجئے، تکلف ہو گیا!"

"پھر اور تکلف کسے کہتے ہیں! ـــــ میں ایک معمولی آدمی ہوں دال روٹی پر گزارہ کرنے والا، میرے لئے جب یہ اہتمام ہے، تو مجھ سے زیادہ بڑے اور معزز آدمیوں کے لئے کیا کیا کرتی ہوں گی آپ؟"

وہ ذرا خفا ہوکر بولی

"آپ سے بڑا اور معزز کوئی ہو تو لے!"

یہ الفاظ اس نے کچھ ایسے جذبہ اور پندار کے ساتھ کہے کہ امتیاز سے تردید کرتے نہ بن پڑی، وہ سوچنے لگا، عجیب عورت ہے یہ!

پروین نے کہا

"کچھ غلط کہہ رہی ہوں! ـــــ ایک بات یاد رکھیئے!"

امتیاز نے پوچھا

"کون سی بات؟"

"پروین کو جھوٹ اور تصنع سے بڑی نفرت ہے!"

امتیاز نے کہا

"مانتا ہوں، لیکن آپ نے تو آج لکھنوی تکلف کو بھی مات کر دیا ـــــ خیر اب کھانا کھلوایئے، ورنہ ٹرین سے ہاتھ دھونا پڑے گا!"

"دسترخوان ابھی بچھتا ہے، لیکن ٹرین میں تو ابھی پورے ڈیڑھ گھنٹہ کی دیر ہے ـــــ اچھا پہلے کھانا کھا لیجئے، پھر باتیں ہوں گی، میں دسترخوان بچھواتی ہوں!"

یہ کہہ کر وہ پھر چلی گئی، اور کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد نہا دھو کر

کچھ اس سج دھج کے ساتھ طلوع ہوئی، جیسے چودھویں کا چاند! دروازے پر کھڑے کھڑے اس نے کہا،

"آیئے کھانا لگ گیا!"

امتیاز اٹھ کر اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں پہونچا۔ میز پر سلیقہ سے کئی قسم کا کھانا چنا ہوا تھا، پروین نے امتیاز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بسم اللہ کیجئے!"

امتیاز نے پوچھا،

"یہ بتایئے، ان انواع واقسام کے کھانوں میں آپ کی ہنرمندی کس چیز پر صرف ہوئی ہے؟"

وہ ذرا شرماتی ہوئی بولی

"یہ مچھلی میں نے پکائی ہے، شامی کباب بھی میرے پکائے ہوئے ہیں، یہ سویّوں کا زردہ اور شاہی ٹکڑے بھی میرے ہی ہیں!"

امتیاز نے سب سے پہلے مچھلی پر ہاتھ صاف کیا، پھر شامی کباب، زردہ ٹکڑے سب ہی چیزیں اس نے باری باری سے کھائیں۔ باورچی نے بریانی بڑے مزے دار پکائی تھی، وہ بھی چکھی، قورمہ بھی خاصا مزیدار تھا،

پروین نے کہا

"کھایئے نا۔ آپ تو کھا چکے ابھی سے!"

امتیاز نے اٹھتے ہوئے کہا

"اب کہاں تک کھاؤں! ——— جس طرح اونٹ کئی دن کا پانی

پی لیتا ہے۔ یقین کیجیے میں نے کئی دن کا کھانا کھا لیا، اب زیادہ اصرار نہ کیجیے ورنہ پھر اسٹیشن کے بجائے مجھے اسپتال جانا پڑے گا۔"

کھانے کے بعد پھر دونوں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے،

پروین نے پھر شکایت آمیز لہجے میں کہا

"تو شادی کرنے بہن کی جا رہے ہیں آپ کیوں صاحب؟"

"جناب!"

"بھلا ہم کس قابل تھے کہ جھوٹوں بھی ہمیں پوچھ لیا جاتا!"

امتیاز اس برجستہ اعتراض پر سٹ پٹا گیا، اس نے کہا

"یہ شادی کس طرح ہو رہی ہے، میری سمجھ میں تو آیا نہیں کچھ!"

"یہ کیوں؟"

"اب کیا بتاؤں؟ گھر جاؤں تو پتہ چلے!"

"یہ آخر ہوا کیا؟"

"یہ میرے بالکل نجی معاملات ہیں، پوچھ کر کیا کیجیے گا؟"

پروین جھینپ کر خاموش ہو گئی۔ امتیاز نے اس کی کیفیت شرمندگی کو بھانپ لیا، کہا

"لیکن آپ ایسی نوازش کا برتاؤ کرتی رہی ہیں میرے ساتھ کہ بے کہے بھی رہا نہیں جاتا ـــــــ بات یہ ہے کہ جب میں گھر سے چلا، تو خدا کے نام کے سوا وہاں کچھ اور نہ چھوڑ آیا تھا، سوچا تھا، کماؤں گا، تو بہن کی شادی کردوں گا، لیکن کمانے کے بجائے فاقہ تک نوبت پہونچ پہونچ گئی، اس لیے شادی کی تاریخیں

ٹلتی رہیں، اب نہ جانے والدہ نے کیا اور کہاں سے کچھ انتظام کیا ہے کہ تاریخ مقرر کر کے تار سے مجھے اطلاع دی ہے، ادھر اسکول میں بھی میری تنخواہ بڑھ گئی ——————"

قطع کلام کرتے ہوئے بڑی خوشی سے پروین نے پوچھا۔

"تنخواہ بڑھ گئی سچ؟"

"جی ہاں —————— یوں سمجھئے، پتھر میں جونک لگ گئی، جو شخص صرف تیس روپے پر مجھے ٹرخا رہا تھا، وہی اب دو سو روپیہ ماہوار دے رہا ہے —————!"

"واقعی یہ تو بڑا انقلاب ہے!"

"اور کیا! ————— اور لطف دیکھئے، چھٹی کے زمانے کی بھی تنخواہ مل گئی!"

"اچھا! یہ کیسے؟"

"بس مل گئی، اسکول کے مالک کو دبتا دیکھ کر میں بھی اکڑ گیا، کہاں تیس پر راضی تھا، کہاں دو سو پر اڑ گیا!"

"پھر کیا ہوا؟"

"منظور کرتے بنی حضرت کو —————— اسی لئے تو آپ مجھے اتنا مطمئن دیکھ رہی ہیں۔ اس وقت میری جیب میں پورے چھ سو روپے ہیں! ——————"

"چھ سو روپے؟"

"واقعی یہ قسمت کا کرشمہ ہے!"

"اور کیا ——— اوہو بہت دیر ہو گئی، اب صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا ہے، گاڑی کے چھوٹنے میں! اچھا اجازت دیجئے!"

"ٹھہریئے میں بھی چلتی ہوں!"

"آپ کہاں جائیں گی اس وقت؟"

"بس ذرا اسٹیشن تک!"

"لیکن کیا کیجئے گا جاکر؟"

"میرے ایک دوست جارہے ہیں، انھیں ذرا رخصت کرآؤں! ابھی آجاؤں گی تھوڑی دیر میں! آیئے!"

اب امتیاز کچھ نہ کہہ سکا، ساتھ ہو لیا،

دونوں ساتھ ساتھ اسٹیشن پہونچے، امتیاز نے کہا،

"آپ پلیٹ فارم پر چلئے، میں ٹکٹ لے کر آتا ہوں؟"

کار سے اترتے ہوئے پروین نے کہا،

"لایئے ٹکٹ کے دام مجھے دیجئے، ڈرائیور لے آئے گا، آپ میرے ساتھ پلیٹ فارم پر چلئے!"

امتیاز نے ٹکٹ کے دام پروین کے ہاتھ پر رکھ دیئے، یہ تھرڈ کلاس کے دام تھے، پروین نے روپے پرس میں رکھ لئے اور کہا

"آیئے!"

امتیاز ذرا ٹھٹکا!

"لیکن ٹکٹ ؟"

وہ آگے بڑھتی بولی

"جب آپ نے دام دیئے، تو فکر کیوں کرتے ہیں، چلئے آیئے میرے ساتھ!"

امتیاز چپ چاپ پروین کے ساتھ ساتھ چلنے لگا. گاڑی پلیٹ فارم سے لگ چکی تھی، سکنڈ کلاس کے ایک کمپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہوئے پروین نے کہا

"آیئے!"

وہ ذرا جھجکا، پھر اندر آگیا، ایک برتھ پر بستر لگا ہوا تھا، ایک خوبصورت کمبل، دو نہایت ملائم تکیے، جن کا غلاف بہت خوبصورتی کے ساتھ کڑھا ہوا تھا، دودھ کی طرح سفید چادر، چادر کے نیچے روئی کی ہلکی سی توشک

پروین نے برتھ پر بیٹھتے ہوئے کہا

"بیٹھ جایئے!"

وہ بیٹھ گیا،

"جن صاحب کا یہ بستر ہے، انہی کو رخصت کرنے آئی ہیں آپ؟"

وہ مسکرائی۔

"جی انہیں کو رخصت کرنے آئی ہوں، اور وہ اس وقت بالکل قریب بیٹھے ہوئے ہیں، بے چارے بڑے بھولے، اور نیک اور شریف آدمی ہیں!"

امتیاز سمجھ گیا، معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا

"تکلف کا سلسلہ اب تک جاری ہے؟"

وہ بولی

"جی ہاں ـــــ لیکن میری طرف سے نہیں آپ کی طرف سے!"

امتیاز کچھ سوچنے لگا،

پروین نے کہا

"گاڑی کے چھوٹنے میں اب صرف چند منٹ باقی ہیں، اور آپ گم صم بیٹھے ہیں، کچھ باتیں کیجئے، پھر اتنا طویل راستہ پڑا ہے، سوچتے رہیئے گا اطمینان سے جو چاہیئے گا!"

امتیاز نے کہا

"یہ نہیں ہو سکتا!"

پروین کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"آپ کو ٹکٹ کے باقی پیسے لینا پڑیں گے!"

پروین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

"لایئے لے لوں گی!"

پروین کے آنسو دیکھ کر امتیاز کا دل ذرا پسیجا

"غور تو کیجئے، آپ بھی کیسی زیادتی کر جاتی ہیں! میں تھرڈ کلاس میں بھی وہی یکسوئی محسوس کرتا ہوں، جو سکنڈ کلاس میں محسوس کرتا تھا، آپ نے ناحق یہ تکلیف کی!"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی

"اپنے جرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار تو ہوں!"

"جرم! ــــــسزا؟"

"ہاں ـــــــ لایئے باقی روپے دیدیجئے!"

اور ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، اب تک وہ اپنے آنسوؤں پر اتنی قدرت رکھتی تھی کہ وہ امتیاز کے سامنے نہ گریں، لیکن آج یہ قدرت اس سے چھن گئی تھی، آج اسے کئی پریشانیاں تھیں، امتیاز جارہا تھا، نہ جانے کتنے دنوں کے بعد آئے، نہ جانے کب ملاقات ہو؟ اور یہ فراق کے دن آہ کس طرح کاٹے کٹیں گے؟ ـــــــ ان لطیف جذبات کے ہجوم میں، امتیاز کے یہ الفاظ تیر کی طرح اس کے دل پر لگے

"آپ کو ٹکٹ کے باقی پیسے لینا پڑیں گے!"

ان الفاظ میں کتنی منافرت تھی! کتنی بے تعلقی تھی! کتنی بیزاری تھی! وہ اپنا دل امتیاز کے سینہ میں نہیں رکھ سکتی تھی! اسے محبت کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی تھی، اس کے اندر گداز نہیں پیدا کرسکتی تھی، حالانکہ وہ یہ سب کچھ کرنا چاہتی، ناکامی کے اتنے شدید حملہ کے بعد سوا رونے کے اور اس کے اختیار میں کیا تھا!

لیکن اس اختیار کو ـــــ رونے کے اختیار کو وہ کم سے کم استعمال کرنا چاہتی تھی، وہ اپنی آنکھوں کی قیمت سے واقف تھی، وہ اپنے آنسوؤں کی قیمت سے واقف تھی، وہ اپنے بانکپن اور حسن کی قیمت سے واقف تھی، وہ اپنی اداؤں اور عشوہ طرازیوں کی قیمت سے واقف تھی، اور سب سے آخر

میں وہ اپنی قیمت سے واقف تھی۔ لیکن یہ ساری قیمتیں اس اجڈ اور گنوار شخص کے سامنے ہیچ تھیں!

بے قیمت تھیں!

وہ بڑے بڑے دولت مندوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، بڑے بڑے فن کاروں سے سیدھے مونہہ بات نہیں کرتی تھی، بڑے سے بڑے حسین و جمیل شخص پر نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی اپنے وقار کی توہین سمجھتی تھی، لیکن اس شخص میں کیا جادو تھا؟ اس کے سامنے جھکنے پر وہ کیوں مجبور تھی، اس کی نازبرداری کے لیے اس کا دل کیوں مچلتا تھا؟ اس کی خدمت کا جذبہ اسکے دل میں کیوں کروٹیں لیتا رہتا تھا؟ اس کے پاس بیٹھنے اور بیٹھے رہنے کے لئے، وہ کیوں دنیا کی بڑی سی بڑی دولت اور نعمت نثار کرنے پر تیار رہتی تھی؟ ——— آخر اس میں وہ کیا بات ہے، جو خواہ مخواہ دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اور دل ہے کہ بے اختیار کھنچتا چلا جاتا ہے!

جس چیز کا نام خودداری ہے، پروین اس سے ناآشنا نہیں تھی، خودداری، اور پروین ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ لیکن جب سے اس نے امتیاز کو دیکھا تھا اس کی خودداری کیا ہو گئی تھی؟ اس کے پندار کو کیا ہو گیا تھا، اس کی رم خوردگی کہاں چلی گئی تھی؟۔

وہ بار بار اپنے دل میں فیصلہ کرتی تھی۔ اب اس بدتمیز شخص سے نہیں ملے گی، اس اکل کھرے کی صورت بھی نہیں دیکھے گی، اس ناتراشیدہ اور ناشائستہ شخص کا خیال میں بھی اپنے دل میں نہیں لائے گی!

لیکن ——————

لیکن یہ کیا ستم تھا کہ یہ سارے ارادے مکڑی کے جالے کی طرح آن کی آن میں ٹوٹ جاتے تھے، وہ اپنا فیصلہ توڑنے پر مجبور ہو جاتی تھی، وہ امتیاز کے سنگ آستاں پر بار بار پہونچی تھی، جب پہونچی تھی، اپنی خودداری اور آن کا خون اپنے ہاتھوں کرنا پڑتا تھا، لیکن وہ کرتی تھی نہ کرتی تو کیا کرتی؟

آج امتیاز کے سامنے جو ٹپ ٹپ اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس کی وجہ یہی تھی، اسے اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا، وہ سوچ رہی تھی، جو شخص میرے مقابلہ میں اتنا سفاک ہے، میں اس کے مقابلہ میں کیوں کمزور ہوں؟ جس کے مزاج میں فولاد اور آہن کی سختی ہے، میں اس کے سامنے جاتی ہوں تو موم کیوں بن جاتی ہوں؟ جس کا دل محبت کے لطیف جذبہ سے یکسر خالی ہے، میرا اس کا جب آمنا سامنا ہوتا ہے، تو کیوں میرے میں محبت کا دریا لہریں لینے لگتا ہے ——————؟

کیوں؟ کیوں؟

آخر کس لئے؟

وہ بار بار اپنے دل سے یہ سوال کرتی تھی، لیکن کوئی معقول جواب نہیں ملتا تھا!''

پروین کے آنسو دیکھ کر امتیاز کمزور پڑگیا —————— عورت کا آنسو عجیب چیز ہے، یہ بیک وقت عورت کی بھی کمزوری ہے، اور مرد کی بھی؛ —————— وہ بڑی سختی سے پروین کو ٹوکنا چاہتا تھا، لیکن اس کے آنسو دیکھ کر

اس کا ارادہ سرد پڑ گیا۔ اس نے کہا،

"ایک بات بتایئے؟"

وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی

"پوچھئے!"

اور امتیاز نے بڑی نرمی اور ملاطفت سے کہا

"آپ قدم قدم پر اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کیوں کیا کرتی ہیں!

———— یہ عادت اگر آپ چھوڑ دیں، تو ہماری دوستی بہت اچھی طرح ہو سکتی ہے!"

پروین اب سنبھل چکی تھی

"آپ نے میری دولت کا کون سا مظاہرہ دیکھا! میں نے آپ کے سامنے اپنی امارت کا کب مظاہرہ کیا!"

"آج ہی!"

"میں بالکل نہیں سمجھی!"

"میں اپنے حالات کے ماتحت غربت اور افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں، میں اچھا کھانا نہیں کھا سکتا، لیکن آپ کھلانا چاہتی ہیں، میں تھرڈ کلاس میں سفر کرنے پر مجبور ہوں، لیکن آپ نے سکنڈ کلاس کا ٹکٹ خرید لیا، سیٹ ریزرو کرادی، ایک قیمتی اور خوبصورت بستر مہیا کر دیا ————

———— کیا یہ دولت اور امارت کا مظاہرہ نہیں ہے؟"

وہ بھی بحث کے لئے تیار ہو چکی تھی، بولی،

" بالکل نہیں ــــــ جو کچھ آپ نے کہا، اس کا امارت اور دولت کے مظاہرے سے کوئی تعلق نہیں !"

"کیسے نہیں ؟ ــــــ ایک آدمی روکھی روٹی کھا رہا ہے، اس کے آپ بریانی کی پلیٹ رکھ دیتی ہیں، ایک آدمی ٹرام اور بس پر بھی نہیں بیٹھ سکتا پیدل چلتا ہے، آپ اسے موٹر پیش کر دیتی ہیں، اسے اگر امارت کا مظاہرہ نہیں کہیں گے، تو کیا کہیں گے ؟"

پروین نے کہا،

" معاف کیجئے، یہ آپ کی خودداری نہیں، احساس کمتری ہے، جو آپ ہمدردی اور دوستی کے مظاہرہ کو، دولت اور امارت کا مظاہرہ سمجھ رہے ہیں !"

امتیاز نے کہا

" جی نہیں ــــــ ہمدردی اور دوستی کا مظاہرہ یہ ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھ مزے لے لے کر روکھی روٹی کھائیے، آپ بھی پیشانی پہ شکن ڈالے بغیر اس کے ساتھ پاپیادہ چلئے اور چلتی رہیئے !"

پروین خاموش ہو گئی، کچھ نہ بولی

امتیاز نے کہا۔

" برا نہ مانیئے گا، مجھے آپ کی دوستی عزیز ہے، میں چاہتا ہوں، ہماری آپ کی دوستی چلتی رہے، لیکن یہ جو بڑے بڑے پتھر آپ ہمارے راستہ میں لڑھکا دیتی ہیں، ان سے کم از کم میں تو اپنے تئیں آپ سے دور محسوس

کرنے لگتا ہوں، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ احسان کر رہی ہیں ممنون بنا رہی ہیں مجھے، اور میں اس بوجھ کے تلے دبا جا رہا ہوں، پسا جا رہا ہوں، اگر میری اس کیفیت کو آپ احساس کمتری سمجھتی ہیں، تو شوق سے سمجھئے، مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ میں آپ کے فکر و خیال پر پابندی لگاؤں۔ لیکن آپ کسی کی فطرت کو نہیں بدل سکتیں، یہ میری فطرت ہے، میں جس حال میں ہوں، اسی میں مگن رہنا چاہتا ہوں، میں کسی کے سہارے جنت میں بھی جانا نہیں چاہتا اگر میرے دست و پا میرے کام آ سکتے ہیں، تو میں قورمہ بھی کھاؤں گا، کار میں بھی نکلوں گا، سکنڈ کیا فرسٹ کلاس میں سفر کروں گا، روپیہ کی جگہ سو روپے خرچ کروں گا، دن میں دو دو بار کپڑے بدلوں گا، ایک ایک سوٹ کی سلوائی دو دو سو روپے دوں گا، نہ جانے کیا کیا کر گزروں گا، لیکن اگر میرے ہاتھ شل ہو چکے ہیں، میری طاقت جواب دے چکی ہے، میرا دماغ معطل ہو چکا ہے تو میں اس کا مستحق ہوں کہ مر جاؤں، پھر مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے آخر زندگی میں ایسی کیا بات ہے کہ اسے قائم رکھنے کے لئے میں دریوزہ گری کروں، دوسروں کا احسان اٹھاؤں، کم از کم میں اس طرح زندہ رہنے کے لئے تیار نہیں، میں جانتا ہوں موت برحق ہے، وہ ضرور آئے گی، اس سے کوئی نہیں بچ سکتا، پھر جب وہ اتنی یقینی ہے، تو میں اس سے کہاں تک بچ سکوں گا، جب بچ نہیں سکتا، تو اس کے استقبال کے لئے مجھے تیار رہنا چاہیئے، نہ یہ کہ دوسروں کا قورمہ کھا کر میں اس سے بھاگنے کی کوشش کروں ——————!"

شاید امتیاز ابھی کچھ اور کہتا، اس وقت آمدِ سخن میں تقریر کیے جا رہا تھا، لیکن پروین نے اس کی بات کاٹ لی، اس نے کہا

"شاید آپ چاہتے ہیں کہ صرف اپنی کہتے رہیں، دوسرے کی ہرگز نہ سنیں!"

وہ بولا

"نہیں نہیں فرمائیے!"

وہ کہنے لگی

"یہ تو ہوا تصویر کا ایک رخ، اور میں مانتی ہوں اس رخ کو آپ نے مصور کے قلم سے زیادہ کامیابی کے ساتھ اجاگر کیا ہے!"

"لیکن تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے کوئی؟"

"جی ہاں ہے، اور ضرور ہے!"

"تو اسے آپ اجاگر کیجیے، میں آپ کی چابک دستی اور ہنرمندی کو دیکھنے کا متمنی ہوں!"

پروین نے کہا

"وہ دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک آدمی کی صورت، سیرت، گفتار کردار سب میں بلندی ہے، دل اس کی طرف کھنچتا ہے، اور بے اختیار کھنچتا ہے، اس کی خوشی سے خوشی، اور دکھ سے دکھ محسوس ہوتا ہے، قدرتاً یہ جی چاہتا ہے کہ اس کے کانٹا بھی نہ چبھے، اسے ذرا سی بھی تکلیف نہ پہونچے اسے ہر قسم کا آرام اور آسائش حاصل رہے، پھر اگر وہ تکلیف میں ہے، تو

کیوں اس کی مدد کی جائے؟ آخر کس آئین اور قانون کی رو سے اس کی مدد ممنوع ہے؟"

"اوہو، آپ تو بحث کرنے لگیں!"

"جی ہاں، میں بحث کروں گی!"

"شوق سے ——— فرمایئے!"

"اس عمل کو آپ خودغرضی اس وقت کہہ سکتے ہیں، جب وہ آپ سے بدلہ چاہے۔ مطلبی اس وقت سمجھ سکتے ہیں، جب وہ آپ سے کچھ مطالبہ کرے امارت اور دولت کا مظاہرہ اس وقت قرار دے سکتے ہیں، جب وہ احسان اور کرم کے طور پر یہ کرے، لیکن اگر یہ کچھ نہ ہو، صرف اخلاص اور جذبات کے جذبہ سے، اپنے جذبات سے مجبور ہو کر وہ یہ کرے: تو آپ سے بڑھ کر ظالم اور سفاک کوئی نہیں، اگر آپ اسے طعنہ دیں کہ چونکہ تم دولت مند ہو، لہذا اسے خریدتے ہو ——— چھی چھی مجھے حیرت ہے، آپ جیسے عالی ظرف، اور عالی دماغ شخص کے مونہہ سے ایسی بات کیسے نکلی؟"

ابھی پروین کی بات ختم ہوئی تھی، نہ امتیاز نے کچھ کہا تھا کہ گاڑی نے سیٹی دی اور آہستہ آہستہ رینگنے لگی، پروین اٹھ کھڑی ہوئی۔

امتیاز نے کہا

"اچھا خدا حافظ، انشاء اللہ واپسی پر ملاقات ہو گی، اور جی بھر کے باتیں ہوں گی!"

"انشاء اللہ ——— خدا حافظ!"

پروین جیسے ہی اتری، گاڑی کی رفتار تیز ہوگئی، اور تھوڑی دیر میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوئی، پروین پلیٹ فارم پر کھڑی رہی، نہ اس نے ہاتھ ہلایا، نہ رومال، ایک بت کی طرح ساکت اور خاموش کھڑی تھی،

گاڑی روانہ ہوجانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ اسٹیشن سے باہر آئی اور چپ چاپ کار میں بیٹھ کر اپنے گھر روانہ ہوگئی،

راستہ بھر امتیاز کے دماغ پر پروین مسلط رہی، وہ دل میں کہنے لگا،

"یہ معمولی عورت نہیں ہے!"

باب ۱۳

عجیب معمّہ!

امتیاز گھر پہونچا، اس کے گھر پہونچتے ہی عید آگئی، ماں کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، رخسانہ پھول کی طرح کھل گئی، اور فرزانہ ــــ؟ اس کی خوشی کی تو کوئی حد ہی نہیں تھی!

رخسانہ کی شادی میں اب صرف چار روز رہ گئے تھے، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شادی کا اہتمام بڑے زور شور سے ہو رہا ہے، کوئی امنگ ایسی نہیں ہے جو پوری نہ کی جا رہی ہو۔ اس نے چاہا کہ ماں سے پوچھے، یہ چھت پھاڑ کے خزانہ کہاں سے آگیا، لیکن اس کے آتے ہی عزیزوں اور دوستوں کا ایسا جمگھٹ لگا کہ دن بھر اسے فرزانہ اور ماں سے بات چیت کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا!

رات کے کھانے کے بعد وہ تیر کی طرح سیدھا ماں کے کمرے میں پہونچا وہ عشاء کی نماز پڑھ کر خوش خوش سونے کے لئے لیٹی ہی تھیں، بہت تھک گئی تھیں بے چاری، لیکن امتیاز کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھیں، کہنے لگیں،

"بیٹا رخسانہ کی فکر نے تو مجھے گھن کی طرح چاٹ لیا تھا!"
امتیاز نے بڑی سعادت مندی سے کہا
"ہاں اماں مجھے بھی بڑی فکر تھی اس کی سچ پوچھو تو اسی پریشانی کے باعث میں بیمار پڑ گیا تھا!"
"تو بیمار پڑ گیا تھا اور ہمیں لکھا بھی نہیں! کیوں رے؟"
"کیا کرتا لکھ کر اور پریشان ہوتی آپ! ہاں ایک بات تو بتایئے؟"
"کیا بتاؤں بیٹے؟"
"شادی کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے؟"
"ہاں بیٹا! خیر سے ہو گئے!"
"میرا مطلب ہے کہ زیور، جہیز، کپڑے ——— ان سب چیزوں کے لئے کیا کیا آپ نے؟"
وہ بڑی محبت سے اپنے ہونہار بیٹے کی نگاہوں میں بلائیں لیتی ہوئی بولیں،
"دس ہزار روپے بہت ہوتے ہیں!"
"دس ہزار!"
"ہاں بیٹا وہی جو تو نے ہمیں بھیجے تھے ——— پانچ ہزار میں تو آنکھ بند کر کے میں نے کپڑے لے لئے، اور زیور خرید لیا، تین ہزار کے برتن لے لئے۔ دو ہزار دعوت وغیرہ کے لئے، جن میں سے ایک ہزار کا سامان بھی آچکا ہے!"

امتیاز نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کو دیکھا، اور کہا۔
"میں نے دس ہزار بھیجے تھے بیمے!"
ماں بولیں
"ہاں بیٹا دس ہزار، کیا تو بھول بھی گیا؟"
امتیاز اپنا سر کھجانے لگا، کہنے لگا
"نہیں اماں بھول کیوں جاؤں گا، میرا مطلب یہ ہے کہ یہ رقم کافی ہوگی!"
"بہت، بہت کافی!"
"بس اسی طرح جب کہیں فرزانہ کی ٹھہر جائے۔ تو اس کے لئے بھی بندوبست کر دینا!"
"اماں فرزانہ کے لئے میں رخسانہ سے زیادہ اہتمام کروں گا!"
"وہ بھی یہی آس لگائے بیٹھی ہے!"
یہ کہہ کر وہ مسکرائیں، امتیاز کو بھی مسکرانا پڑا، درحقیقت اس کی سمجھ میں یہ معمہ آ نہیں رہا تھا کہ یہ دس ہزار روپے آ کہاں سے گئے!
ماں سے رخصت ہو کر وہ سیدھا فرزانہ کے کمرے میں پہنچا، وہ ابھی تک سوئی نہیں تھی، نہ سونے کا فی الحال کوئی ارادہ تھا، کیونکہ ایک موٹی سی کتاب کھلی ہوئی اس کے سامنے میز پر رکھی تھی، اور وہ نہایت انہماک سے اس کا مطالعہ کر رہی تھی،
امتیاز نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا
"کیا ہو رہا ہے؟"

بھائی کی آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی

"بھیا آپ ؟"

"ہاں ــــــ کیا ہو رہا تھا ؟"

"کچھ نہیں۔ ذرا پڑھ رہی تھی یہ کتاب !"

امتیاز کے دماغ پر دہی دس ہزار روپے چھائے ہوئے تھے! اس نے کہا

"جو رقم میں نے بمبئی سے بھیجی تھی۔ وہ پوری پڑ گئی ــــــ ؟"

وہ بولی

"یہ تو، دس ہزار بھی پورے نہیں پڑیں گے ؟"

یہ دس ہزار کا لفظ گرم گرم لوہے کی طرح اس کے دماغ پر جا کر لگا، اس نے کہا،

"بمبئی سے آئے تھے نا !"

"ہاں اور کیا !"

"ذرا وہ لفافہ تو لاؤ !"

"کون سا وہی جس میں نوٹ آئے تھے !"

"ہاں وہی !"

فرزانہ لپک کر اٹھی، سیف کھولا، اور ایک بڑا اور مضبوط سا لفافہ اٹھا لائی۔

"یہ رہا !"

"ہاں ٹھیک ہے مجھے دے دو!"

فرزانہ نے لفافہ بھائی کی طرف بڑھا دیا، اور پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا

"اور وہ تار!"

"تار کون سا؟"

وہی جو روپے کے بارے میں آپ نے بھیجا تھا، وہ بھی لا دوں!"

جیسے کچھ یاد آگیا، امتیاز نے کہا

"ہاں بھئی لاؤ، وہ تو بہت ضروری ہے!"

فرزانہ پھر سیدھی سیف کے پاس پہونچی، اور ایک تار لا کر ہاتھ میں دیدیا

امتیاز نے اٹھتے ہوئے کہا

"رات کافی آگئی ہے، اب تم سو رہو، ورنہ طبیعت خراب ہو جائیگی!"

وہ اٹھلا کر بولی

"بس چند صفحے رہ گئے ہیں، انہیں ختم کرلوں، پھر سو جاؤں گی!"

فرزانہ کے کمرے سے اٹھ کر امتیاز اپنے کمرے میں آیا، تار دیکھا، لکھا تھا

"امید ہے رقم پہونچ گئی ہوگی، شادی کی تاریخ سے بذریعہ تار اطلاع دیجئے، میں فوراً آجاؤں گا!"

امتیاز سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اور دل ہی دل میں کہنے لگا

"یا اللہ یہ تار میں نے کب دیا تھا؟ اور یہ روپے میں نے کب بھیجے تھے ——— ؟"

پھر اس نے بیمہ کا لفافہ اٹھایا، الٹ پلٹ کر دیکھا، پتہ ٹائپ کیا ہوا

تھا، خود اس کا بھی، اور گھر کا بھی۔ مہر دیکھی، تو جنرل پوسٹ آفس بمبئی کی مہر تھی، تار بھی وہیں سے بھیجا گیا تھا،

اس کے دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ حرکت پروین کی تو نہیں ہے ؟

لیکن فوراً ہی یہ خیال دل سے نکل گیا، پروین کو میرے گھر کا پتہ کیا معلوم ؟ وہ کیا جانے میری بہن کی شادی ہونیوالی ہے، اور اس کے لئے روپے کی ضرورت ہے ؟ اس سے تو میں نے چلتے وقت، شادی کا اور بہن کا ذکر کیا !

وہ سوچنے لگا

پھر کون ہو سکتا ہے ؟

کیا امجد ——— ؟

نہیں وہ بھی نہیں ہو سکتا، روپیہ بمبئی سے بھیجا گیا ہے، اور اس غریب نے کبھی بمبئی کی صورت بھی نہیں دیکھی، یہ بھی ناممکن تھا کہ وہ بمبئی آئے اور مجھ سے نہ ملے، ناممکن۔ قطعاً ناممکن،

پھر ——— ؟

شاید امجد کی بہن نے ——— !

نہیں یہ بھی لغو خیال ہے، وہ بھی بمبئی کبھی نہیں آئی اور یہ ممکن نہ تھا کہ دونوں میں سے کوئی بمبئی آئے، اور مجھ سے نہ ملے، پھر ان دونوں کو بھی کیا معلوم ! کہ رخسانہ کی شادی بغیر روپیہ کے رکی ہوئی ہے

آخر وہ کون شخص ہو سکتا ہے ! ——— یہ گتھی اب بمبئی جا کر حل ہو تو

ہو۔ یہاں تو اس کا سراغ نہیں مل سکتا۔

اس کے دل میں ایک خیال یہ آیا کہ ایسا مشکوک روپیہ خرچ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن پھر فوراً ہی دل نے یہ بھی بتادیا کہ وہ روپیہ تو خرچ ہو بھی چکا، امتیاز نے سوچا، اں سے سارا ماجرا کہہ دوں ۔ کہدوں کہ میں نے روپیہ نہیں بھیجا تھا!

نہیں! وہ اور زیادہ فکر میں پڑجائیں گی، جب روپیہ خرچ ہو چکا، تو اب پھر اس کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرنا مناسب نہیں!

ساری رات اسی فکر میں گزر گئی، ایک لمحہ کے لئے بھی اسے نیند نہیں آئی، کروٹیں بدلتا رہا، ٹہلنے لگتا تھا، پھر لیٹ جاتا، روپیہ کا راز کسی طرح بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا ——— داغ یا ردل نے بہت زور غزل میں مارا!

یہ چار روز بڑی جلدی بیت گئے، اور بڑی دھوم دھام سے رخسانہ اپنے شوہر کے گھر رخصت ہوگئی، کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس ہٹے گھر میں ابھی اتنا دم ہے۔ رخسانہ کی شادی اس دھوم دہام اور تحمل و اقتشام کے ساتھ ہوسکتی ہے، لیکن اس دنیا میں بہت سے باتیں عقل سے ماورا رونما ہوتی رہتی ہیں۔ یہ بات بھی انھی میں سے تھی!

جو لوگ اس گھر کو عسرت اور فلاکت کے باعث ذلیل سمجھنے لگے تھے، وہ شادی کا یہ طمطراق دیکھ کر مبہوت رہ گئے، دنگ ہوگئے، کسی نے کہا

"ہاتھی لاکھ لٹا۔ جب بھی سوا لاکھ ٹکے کا!"

کوئی بولا۔

"مرنے والا مر گیا، لیکن اپنے پیچھے لاکھوں روپیہ چھوڑ گیا۔"

کسی کے ذہن میں یہ خیال آیا۔

"بمبئی سونے کی کان ہے، وہاں جو جاتا ہے۔ مالدار ہو جاتا ہے، یہ وہیں کی برکت ہے!"

یہ آخری خیال بہت سے بیکار، اور آشفتہ روزگار لوگوں کے دل میں بیٹھ گیا، چنانچہ کئی آدمیوں نے گھر کے برتن بیچکر زادِ راہ فراہم کیا۔ اور بمبئی کا ٹکٹ لے کر اس امید میں روانہ ہو گئے کہ بہت جلد کروڑ پتی نہیں تو لکھپتی بن کر واپس آئینگے

امتیاز کی چھٹی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ کافی دن یہاں رہ سکتا تھا لیکن رخسانہ کے رخصت ہوتے ہی یہ گھر اسے کاٹنے کے لئے دوڑنے لگا۔ دن رات بس اسے ایک ہی بات کی فکر تھی، یہ دس ہزار روپے کس نے بھیجے! کہاں سے آئے! اسی تحقیق کی دھن میں شادی کے ساتویں ہی دن وہ پھر بمبئی کا پروگرام بنانے لگا۔ ماں سے ذکر کیا، تو وہ رونے لگیں،

"اتنے دن کے بعد تو آئے ہو بیٹا، اتنی جلدی کیا ہے، چلے جانا۔ دس پندرہ دن تو اور رہو!"

مگر وہ نہ مانا، فرزانہ بھی اڑ گئی

"بھیا اتنی جلدی تو تمہیں نہ جانے دوں گی، یہ کیا آئے اور چلے۔ کچھ دن تو ماں اور بہن کے پاس رہو۔ آخر ہمارا بھی تو کچھ حق ہے!"

فرزانہ سے نپٹنا بہت مشکل تھا۔ لیکن دم دلاسہ دے کر اس نے فرزانہ کو بھی راضی کر لیا، اس نے کہا

"دیکھو بھئی، یہ روپیہ جو میں نے بھیجا تھا، اس میں کچھ میری کمائی کا تھا، کچھ قرض کا، یہ قرض مجھے جلد از جلد واپس کرنا ہے، لہٰذا تعطیل ختم ہونے سے پہلے پہونچ جاؤں گا، تو کچھ اور کام کر کے سب نہیں تو بڑی حد تک اپنا بوجھ اتار سکوں گا!"

فرزانہ ان دلیلوں سے قطعی مطمئن نہ ہوئی۔ وہ قطعاً اس پر رضامند نہیں تھی کہ اس قدر جلد امتیاز کو واپس جانے دے، لیکن بھائی کے مزاج سے واقف تھی، اس نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ خاموش ہو جائے، اور امتیاز کے راستہ کا پتھر نہ بنے

ماں اور بہن کو راضی کرنے کے بعد امتیاز سفر کی تیاریاں کرنے لگا، اس کے پاس وہ چھ سو روپے جوں کے توں موجود تھے، ان میں سے بھی ایک پیسہ خرچ نہیں ہوا تھا، دس ہزار میں سے بھی پانچ ابھی باقی تھے، وہ ماں کے پاس تھے، لہٰذا وہ مطمئن تھا کہ اب کئی ماہ تک گھر کی فکر بھی نہیں کرنی پڑے گی لہٰذا اپنے ساتھ جو روپے لایا تھا، وہ واپس لے جانے کے لئے، اس نے پھر اپنی جیب میں رکھ لئے، اور رخت سفر باندھ کر سیدھا اسٹیشن پہونچا، تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا، اور اطمینان سے جا کر ریل میں بیٹھ گیا، گاڑی جب روانہ ہوئی تو اسے یاد آیا اس نے پروین سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن فوراً ہی دس ہزار روپے بھی یاد آ گئے، اس نے فیصلہ کر لیا سب سے پہلے اس راز کی جستجو کرے گا، پھر پروین سے ملے گا، اور اس کی دلچسپ اور رسیلی باتوں سے لطف اندوز ہوگا۔ اب پروین کی شخصیت اسکے خیالات اور اسکی گفتگو سے دلچسپی لینے لگا تھا!

باب ۱۴

دعوت

مسافر خانہ والوں سے انتیاز نے باقاعدہ رسم و راہ پیدا کرلی تھی، وہ بھی اس کی شرافت کے مداح تھے، لہذا اصول کے خلاف انھوں نے اسے اجازت دے رکھی تھی کہ جب تک مکان کا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے، وہ بے فکری کے ساتھ مسافر خانہ میں رہ سکتا ہے۔ اسٹیشن سے اتر کر وہ سیدھا اپنے پرانے نشیمن میں پہونچا۔ سامان اٹھا اور سیدھا جنرل پوسٹ آفس روانہ ہوگیا ——————

—— وہاں پہونچکر معلوم ہوا، آج تعطیل ہے ——————

بس خون ٹپک پڑا نگہہ انتظار سے!

مایوس اور مضمحل پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا۔ چپ چاپ، گم صم شام تک وہیں لیٹا رہا۔ غروب آفتاب کے بعد لیٹے لیٹے جی گھبرایا۔ تو وہ باہر نکلا، اور ٹرام میں بیٹھ کر سیدھا گیٹ وے آف انڈیا، یعنی ساحل اپالو کی طرف روانہ ہوگیا، بڑی دیر تک وہاں ٹہلتا رہا۔ لیکن طبیعت نہ لگی، وہاں سے قلابہ پہنچا یہاں وہ ایک مرتبہ پروین کے ساتھ آچکا تھا، یہاں آتے ہی اسے پروین پھر یاد

آئی، اس نے سوچا، وقت کیوں ضائع کیا جائے، دس ہزار روپے کا راز آج تو
کسی طرح حل ہوتا نہیں، پروین سے ملنا بہرحال ہے ہی، تو کیوں نہ اس وقت
وہیں پہونچوں، شاید دل بہل جائے۔ یہ پریشانی کچھ کم ہو!

یہ سوچ کر وہ قلابہ سے سیدھا پروین کے ہاں پہونچا، وہ اسے دیکھکر پھول
کی طرح کھل گئی۔

"ارے کب آئے آپ؟"

امتیاز نے کہا

"آج ہی آگیا ——— میں نے کہا آپ سے بھی مل لوں!"

وہ مسکرائی

"نوازش، شکریہ، بندہ نوازی ——— اور کیا کیا کہوں؟"

امتیاز نے جواب دیا،

"اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، بس باتیں کیجئے، آپ کی گفتگو
کافی دلچسپ ہوتی ہے!"

پروین نے کہا

"کہیئے شادی ہوگئی خیریت سے؟"

وہ سست آواز میں بولا

"ہاں خدا کا شکر ہے ہوگئی!"

پروین نے چھیڑا۔

"لیکن آپ کچھ خوش نہیں نظر آتے ہیں، کیا بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے!"

"نہیں کوئی بات ضرور ہے!"

وہ مسکرا دیا

"اگر کسی بات کا ہونا ضروری ہے، تو پھر راستہ کی تکان سمجھ لیجئے!"

"ہاں یہ بات آپ نے معقول کہی ——— اور ہماری دعوت؟

——— کیئے بھول گئے آپ؟ یاد ہے کچھ وعدہ کیا تھا آپ نے!"

مستعدی کے ساتھ وہ بولا

"خوب یاد ہے، آپ کی دعوت فرض تھی، ہر وقت اس فرض کو ادا کرنے کے لئے تیار ہوں!"

"تو کب آخر؟"

"جب کہیئے ——— آج ہی سہی!"

وہ اٹھلا کر بولی

"لیکن ہم تاج محل میں دعوت کھائیں گے!"

"ہاں صاحب تاج محل میں سہی!"

اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، پروین اٹھ کر وہاں پہنچی

"ہلو ہلو!"

"کون صاحب ہیں آپ؟"

"اوہ سیٹھ صاحب ہیں ——— کہیئے مزاج تو اچھا ہے ——— اس وقت کیسے تکلیف کی؟"

"فریدوں سیٹھ آئے ہیں؟"

"ہاں ہاں میں سمجھ گئی!"

"ناچ گانے کی محفل بھی ہے؟"

"کیا کہا آپ نے میں بھی آؤں؟"

پھر وہ امتیاز کی طرف دیکھ کر بولی

"سیٹھ صاحب اس وقت میں کسی طرح اور کسی قیمت پر بھی نہیں آسکتی — جی ہاں بس — کچھ ایسی ہی مصروفیت ہے، زیادہ اصرار نہ کیجئے، سیٹھ صاحب!"

یہ کہکر اس نے ٹیلیفون رکھ دیا، اور آکر امتیاز کے پاس بیٹھ گئی

امتیاز نے پوچھا

"کون صاحب تھے؟"

وہ بولی

"قاسم سیٹھ!"

"یاد فرمایا تھا آپ کو؟"

"جی ہاں، ان کے ایک بڑے گہرے دوست ہیں فریدوں سیٹھ، پارسی ہیں، کئی ملوں کے مالک ہیں، خوب گاڑھی چھنتی ہے دونوں میں، آج کہیں ہمارے سیٹھ صاحب نے ان کی دعوت کردی!"

"اور آپ کو بھی مدعو کر رہے تھے!"

"مگر میں نہیں گئی!"

"آپ نے اچھا نہیں کیا!"

"یہ کیوں؟"

"خفا ہو جائیں گے سیٹھ صاحب!"

وہ مونہہ بنا کر بولی

"ہو جائیں گے، بہو رانی روٹھیں گی اپنا سہاگ لیں گی، اور کیا؟"

یہ کہکر وہ ایک جاں ستان ادا کے ساتھ مسکرا دی، گویا وہ کہہ رہی تھی میاں امتیاز دیکھو تم مجھے کتنے عزیز ہو، تمہارے لئے میں کیسے کیسے لوگوں کو ٹھکرا سکتی ہوں! اگر آج فریدوں سیٹھ کی دعوت میں چلی جاتی، تو اپنے ساتھ زر و جواہ کا انبار لاتی، لیکن تم بیٹھے تھے میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ تمہیں چھوڑ کر سرمایہ داروں کی زینت محفل بنوں!

امتیاز نے بات کا رُخ بدلا۔

"تو چلئے پھر؟"

"کہاں؟ کہاں چلئے گا؟"

"تاج محل، اور کہاں!"

آج نہ جانے کیوں اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، بات بے بات پیچھے کرتی تھی، مسکراتی پہلے تھی، وہی قاتل تبسم پھر اس کے ہونٹوں پر کھیلنے لگا، اس نے کہا

"آپ تو فرض اتارنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں، اتار دیجئے گا، اتنی جلدی کیا ہے؟"

امتیاز نے اٹھتے ہوئے کہا

"میں معاملہ کا کھرا آدمی ہوں!"

وہ بولی

"بہت بہتر چلئے ——— آپ بھی کیا یاد کرینگے!"

اور پھر وہ مسکرا دی

اور پھر اس نے کہا

"آپ بیٹھئے، میں ابھی آئی!"

تھوڑی دیر کے بعد، وہ لباس تبدیل کرکے اس شان کے ساتھ برآمد ہوئی کہ اگر قاسم سیٹھ دیکھ لیتے، تو بے تحاشہ سجدے میں گر پڑتے، امتیاز نے اسے ایک نظر دیکھا، اور کہا،

"تاج محل فخر کرے گا آج اپنی قسمت پر!"

وہ بولی

"فخر کرے گا ——— اس لئے کہ میں وہاں جا رہی ہوں، یہی بات ہے نا!"

"آپ بڑی ذہین ہیں، بات کی تہہ تک خوب پہونچتی ہیں!"

"شکریہ ——— اب زیادہ نہ بنائیے، چلئے!"

"آئیے!"

پروین ہندوستان گیر شہرت کی مالک تھی، بمبئی کا تو بچہ بچہ اسے جانتا تھا، تاج محل پہونچی، تو مرکز نگاہ بن گئی، بڑے بڑے سیٹھ اور ساہوکار، نواب اور رئیس راجہ اور تعلقہ دار، یہاں موجود تھے، جس کی نگاہ پڑ گئی پروین پر، پھر اٹھ نہ سکی،

یہ لوگ امتیاز کی قسمت پر رشک کر رہے تھے، کہ ایسی قتالۂ عالم اس کے ساتھ ہے، اس کے ہاتھ میں ہے

دو تین گھنٹہ تک یہاں نشست رہی۔ بڑی اچھی طرح وقت کٹا، واپسی میں پروین نے امتیاز کو اس کی قیامگاہ پر اتار دیا۔ اور خود اپنے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

امتیاز اتنا تھکا ہوا تھا کہ جاتے ہی بستر پر گر پڑا، اور خراٹے لینے لگا!

باب ۱۵

انکشاف

آج امتیاز بہت برہم تھا، اس کا بس چلتا تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرتا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے؟ اس کھٹک کو کس طرح دور کرے؟ اس توہین کا انتقام کیونکر لے؟

بات بظاہر بہت معمولی تھی۔ لیکن امتیاز کے لئے وہی قیامت بن گئی۔ جب سے وہ آیا تھا اسے فکر دامنگیر تھی کہ پتہ چلائے، رخسانہ کی شادی کے سلسلہ میں دس ہزار روپے کیونکر اس کی والدہ کے پاس پہنچے؟ آخر سوچ بچار کے بعد وہ جنرل پوسٹ آفس پہنچا۔ وہیں سے بمیہ روانہ کیا گیا تھا۔ وہ سیدھا متعلقہ کلرک کے پاس پہنچا، اس نے لفافہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ بمیہ یہاں پوسٹ ہوا تھا؟"

کلرک نے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا، مہروں کا جائزہ لیا اور کہا۔

"ہاں ہوا تھا، پھر؟"

امتیاز نے پوچھا۔

"کس نے روانہ کیا تھا؟"

کلرک نے حیرت سے دیکھا۔

"آپ انگریزی نہیں جانتے؟"

وہ بولا۔

"کیوں نہیں جانتا؟ ——— اتنی جانتا ہوں کہ آپ کو پڑھا سکتا ہوں!"

وہ مسکرا دیا۔

"لیکن پتہ نہیں پڑھ سکتے ———"

پھر اس نے ٹائپ کئے ہوئے پتہ پر انگلی رکھی اور کہا۔

"یہ دیکھئے ——— بھیجنے والے کا نام ہے امتیاز احمد ——— اب اس کے بعد کچھ اور بھی بتاؤں؟"

امتیاز تمام پڑھ گیا۔

"شکریہ ——— میں کچھ اور معلوم کرنا چاہتا تھا!"

"وہ کیا؟ فرمائیے!"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا، یہ لفافہ کس نے یہاں آکر پوسٹ کیا تھا؟"

کلرک بے اختیار ہنس پڑا۔

"آپ بڑے بھولے معلوم ہوتے ہیں ——— اس کھڑکی پر ہر روز سینکڑوں آدمی آتے ہیں آپ ایک غریب کلرک کے حافظہ سے

اتنی زیادہ توقع کیوں کرتے ہیں کہ ایک ایک آنے والے کا حلیہ، نقش و نگار، صورت شکل، اور وضع قطع یاد رکھے گا اور وہ بھی کافی عرصہ بعد؟"

امتیاز نے کہا۔

"آپ سچ کہتے ہیں۔ واقعی پتہ چلنا مشکل ہے!"

مایوسی کے عالم میں وہ اٹھ کھڑا ہوا،

"اچھا آداب عرض!"

کلرک کو ترس آگیا۔

"سنیئے تو!"

"آخر آپ یہ کیوں معلوم کرنا چاہتے ہیں، کوئی خاص بات ہے؟"

وہ پژمردگی کے ساتھ بولا۔

"جی ہاں بڑی خاص بات ہے!"

کلرک نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔

"میں آپ کا راز معلوم کرنا نہیں چاہتا، لیکن اصل بات بتا دوں۔"

"فرمایئے!"

"جس تاریخ کو یہ بیمہ گیا ہے، میں ڈیوٹی پر نہیں تھا چھٹی پر گیا تھا۔ میرے قائم مقام کی حیثیت سے جس کلرک نے کام کیا تھا اسے بلاتا ہوں۔ شاید وہ بتا سکے۔ اگرچہ مجھے امید نہیں!"

امتیاز پھر بیٹھ گیا۔

"بلا لیجئے ——————— دیکھیں شاید کچھ پتہ چل جائے؟"

"بیٹھئے، میں بلاتا ہوں!"

وہ بیٹھ گیا!

پھر کلرک نے چپراسی سے کہا۔

"جاؤ، رام پرشاد کو بلا لاؤ!"

تھوڑی دیر میں ایک اور نوجوان کلرک سامنے آکر کھڑا ہو گیا

"کیا ہے بھئی، میں بڑے ضروری کام پر ڈٹا ہوا تھا!"

کلرک نے کہا۔

"معلوم ہے آپ کی کارگذاری، آیئے ذرا تشریف رکھئے!"

اُس نے پینٹ سے ایک برکلے سگریٹ نکالا، اسے سلگایا،

اور کہا۔

"بیٹھ گیا، کہو؟"

کلرک نے امتیاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی یہ ایک بے حد شریف آدمی ہیں!"

"ہاں تو؟"

"یہ دیکھو لفافہ!"

اس نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"ہاں دیکھ لیا، مگر؟"

"مگر یہ کہ جس تاریخ کو یہ لفافہ گیا ہے میں ڈیوٹی سے غیر حاضر تھا،"

"مجھے یاد ہے، تم حسب معمول ڈیوٹی پر سے غیر حاضر تھے۔ اور مس ڈی سوزا سے رومان لڑا رہے تھے ——— کیوں استاد کیسی کہی ؟"

"بہت اچھی کہی، لیکن خلط مبحث نہ کرو، مطلب یہ کہ اس دن تم میری جگہ کام کر رہے تھے !"

"ہاں ——— ہمیشہ بیگار میں یہ خاکسار ہی پکڑا جاتا ہے !"

"تو اب یہ بتا دے یار جلدی سے، یہ لفافہ یہاں سے کر کون آیا تھا ؟"

"اس احمقانہ سوال کا مطلب ؟"

"زیادہ عقل مندی کا مظاہرہ نہ کرو، سوال کا جواب دو !" رام پرشاد نے کہا۔

"کچھ بھنگ پی گئے ہو ؟ ——— یہ تو پندرہ دن کا معاملہ ہے، آج جتنے لفافے تم نے بیمہ کئے ہیں ان میں سے کسی ایک بیمہ کرانے والے کا بھی اتہ پتہ بتا سکتے ہو ؟"

کلرک نے امتیاز سے کہا۔

"سن لیا آپ نے ؟ ——— میں نے پہلے ہی کہا تھا، مشکل ہے !"

امتیاز نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"جی ہاں آپ نے کہا تھا !"

رام پرشاد نے شوخ نظروں سے کلرک کو دیکھا اور کہا۔

"یہ دوسری بات ہے، میں بتادوں؟"

کلرک :۔

"یار پریشان نہ کرو۔ جانتے ہو تو بتادو، کیوں ایک شریف آدمی کو پریشان کر رہے ہو؟"

رام پرشاد :۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ بات کیا ہے؟"

کلرک :۔

"بیکار باتیں نہ کرو۔ بس بتادو!"

رام پرشاد :۔

"تمہاری خاطر سے بتائے دیتا ہوں!"

کلرک :۔

"بہت بہت شکریہ۔ بس اب زیادہ نہ ترسائیے، ارشاد فرمائیے!"

رام پرشاد :۔

"تم فلم دیکھتے ہو؟"

کلرک :۔

"ہاں دیکھتا ہوں!"

"مس پروین کو پردہ سیمیں پر دیکھا ہے کبھی؟"

"بارہا!"

"تو بس وہی تشریف لائی تھیں، اپنے دستِ نازک میں یہ لفافہ لے کر، میں تو سچ کہتا ہوں ان کی سج دھج اور بناؤ سنگار دیکھ کے دل پکڑ کر بیٹھ گیا اور سچ کہتا ہوں آج تک میٹھا میٹھا درد ہوتا ہے دل میں!"

امتیاز دفعتًہ اٹھا۔

"اچھا اس مہربانی کا بہت بہت شکریہ، اب اجازت چاہتا ہوں!"

کلرک اور رام پرشاد ہنسی دل لگی کی باتیں کرتے رہے۔ امتیاز وہاں سے جھنجھلایا ہوا سیدھا اسکول پہنچا۔ آج اس تحقیق و جستجو میں اسے دیر بھی ہو گئی تھی،

اِس انکشاف نے امتیاز کو آتش زیرپا کر دیا تھا۔ لیکن اسکول میں آکر اسے ایک روز عجیب و غریب انکشاف سے سابقہ پڑا۔

سب سے پہلے امتیاز کی مڈبھیڑ اسکول کے آفس انچارج سے ہوئی اس نے کوئی اعتراض اس تاخیر پر نہیں کیا۔ لیکن امتیاز نے احتیاطاً کہا۔

"آج ذرا دیر ہوگئی!"

آفس انچارج اس وقت موج میں تھا، نہ جانے کیوں، بہت خوش، اس نے کہا،

"اجی دیر سے آیئے، جلدی آیئے، نہ آیئے، آپ سے پوچھ گچھ کون کر سکتا ہے؟"

امتیاز آگے بڑھتے بڑھتے وہیں کھٹک گیا۔

"یہ کیوں جناب؟"

آفس انچارج نے ایک قہقہہ لگایا۔

"ارے صاحب، یہ اسکول قائم آپ کے دم سے ہے!"
امتیاز کو ان بے معنی اور بے سر وپا باتوں پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا، اس نے کہا۔

"میں بالکل نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"
آفس انچارج نے شریر نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔
"واقعی کچھ نہیں سمجھے آپ؟"
"بالکل نہیں، قطعاً نہیں!"
"سمجھنا چاہتے ہیں آپ؟"
"ضرور!"
"تو آئیے، میرے ساتھ!"

افسر انچارج امتیاز کو لے کر اپنے کمرہ میں پہنچا، سیف کھولا، فائلوں میں سے ایک فائل نکالا، اور امتیاز کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو، وہ جو سر پر چڑھ کر بولے

ملاحظہ فرمائیے!———— میں نے کل ہی چارج لیا ہے، چارج لینے کے بعد سب سے پہلے میں نے فائلوں کو دیکھا اور یہ فائل دیکھکر آپ کی قدر وقیمت کا اندازہ ہوا!"

امتیاز نے فائل ہاتھ میں لے لئے، دریافت کیا
"قدر وقیمت؟"

وہ طنز سے بولا۔

"جی جناب ——— آپ فائل دیکھتے کیوں نہیں؟"

امتیاز کرسی پر بیٹھ گیا، اس نے فائل کھولا۔

"مکرمی تسلیم،

۲۵ ہزار کا چیک آپ کو ارسال کیا جارہا ہے۔آپ سے کل شام کو جو گفتگو ہو چکی ہے، اس کا لحاظ آپ کو بہر حال رکھنا پڑے گا۔یعنی آپ مسٹر امتیاز کو دو سو روپیہ ماہوار دیں، ان سے کم از کم دو سال کا معاہدہ کرلیں اور ہیڈ ماسٹری کے منصب پر ان کا تقرر کریں۔ اس کے بعد بھی اگر ضرورت ہوئی تو مجھے اسکول کی امداد سے اپنے امکان بھر دریغ نہ ہوگا۔"

نیچے پروین کے دستخط تھے!

اور آخر میں پھر "مکرر" لکھ کر تحریر تھا۔

"مسٹر امتیاز کو ہرگز اس کا پتہ نہ چلے کہ میری تحریک پر آپ نے ان کی تنخواہ بڑھائی ہے، مختصر یہ کہ انہیں کسی طرح یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کے ان کے معاملہ میں میرا ہاتھ ہے!"

خط پڑھتے پڑھتے امتیاز کو چکر سا آنے لگا۔

آفس انچارج نے فائل واپس لیتے ہوئے کہا۔

"کہئے اب تو یقین آیا آپ کو میری بات کا؟"

"جی ہاں آگیا"

امتیاز کا یہ دن بڑی مشکل سے کٹا!

اسکول سے فارغ ہوکر وہ سیدھا پروین کے بنگلہ پر پہنچا۔ وہ ابھی ابھی کہیں سے آئی تھی، خلاف توقع اور اچانک امتیاز کو دیکھکر خوش ہوگئی۔

"اوہ، آپ ؟"

لیکن اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھکر پریشان بھی ہوگئی۔

"کیا بات ہے آپ اس وقت کچھ افسردہ سے نظر آرہے ہیں!"

"جی ہاں ——— کچھ نہیں ——— آپ سے کچھ باتیں کرنی تھیں!"

"زہے قسمت، آئیے!"

دونوں ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچے۔ وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"فرمائیے، کیسے زحمت کی آپ نے ؟"

امتیاز نے پروین پر ایک نظر ڈالی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، یہ آنسو دیکھکر وہ بیتاب ہوگئی۔

"ارے آپ رو رہے ہیں؟ ——— سچ سچ کہئے کیا بات ہے؟"

امتیاز نے کہا۔

"صرف ایک بات آپ سے پوچھنے آیا ہوں ؟"

وہ بیقرار ہوکر بولی

"پوچھئے پوچھئے، میں ضرور بتاؤں گی جو کچھ آپ پوچھیں گے!——— خدا کے لئے جلدی پوچھئے!"

امتیاز نے بڑی مضمحل آواز میں کہا۔
"میں نے آپ کی کوئی خطا کی تھی؟"
"خطا؟ نہیں!"
"پھر آخر کس جرم میں آپ نے اتنی بڑی سزا مجھے دی؟"
"توبہ کیجئے، میں اور آپ کو سزا دوں گی بھلا؟ ناممکن ——
یقین نہ ہو تو خطا کر کے دیکھ لیجئے!"
امتیاز نے دیکھا، بات نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا۔ اس نے کہا۔
"میں جانتا ہوں آپ بڑی ذہین اور حاضر جواب ہیں!"
"آداب عرض!"
"لیکن اس وقت میں دوسرے موڈ میں ہوں، آپ کی ان پُر تکلف باتوں سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے!"
"اچھا اب میں کچھ نہیں کہوں گی آپ کہے جائیے۔"
"میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا، بس میرے سوال کا جواب دیدیجئے!"
"یہ کہ آپ نے میری کیا خطا کی ہے؟"
"جی ہاں یہی!"
"کہہ تو دیا میں نے —— کچھ نہیں!"
"پھر آپ نے نہایت مہلک اور مہیب سزا کیوں دی؟"
"میں نے کوئی سزا نہیں دی!"
"آپ نے مجھے ذلیل کیا!"

پروین کو غصہ آگیا۔

"آپ جھوٹ بولتے ہیں، میں نے کبھی آپ کو ذلیل نہیں کیا۔"

"آپ نے مجھے میری نظروں میں ذلیل کر دیا!"

"یہ بھی غلط!"

"کیا آپ نے میری والدہ کو دس ہزار روپے میرے نام سے نہیں بھیجے؟"

یہ بات سنکر پروین کا چہرہ سفید پڑ گیا، جیسے ایک مجرم —— لیکن وہ اپنے حواس مجتمع کر کے بولی،

"نہیں!"

امتیاز نے جوش اور برہمی کے عالم میں کہا۔

"اب میں کہتا ہوں، آپ غلط کہہ رہی ہیں: آپ نے بھیجے!"

"کیسے معلوم آپ کو؟"

"میں نے ڈاک خانہ سے تحقیق کی اور مجھ سے انشورنس کلرک نے کہا، آپ خود آئی تھیں بیمہ کرانے!"

"آپ اسے سچا سمجھتے ہیں اور مجھے جھوٹا؟"

امتیاز نے جواب دیا۔

"جذباتی باتیں نہ کیجئے۔ بہرحال یہ ثابت ہے کہ آپ ہی نے یہ رقم بھیجی مجھے پہلے بھی یہ شبہ تھا، لیکن آج تصدیق ہو گئی۔"

پروین نے کوئی جواب نہیں دیا —————————— !

کچھ دیر تک کمرے پر سناٹا چھایا رہا، نہ پروین کچھ بولی، نہ امتیاز کچھ بولا، تھوڑی دیر کے بعد امتیاز نے پھر گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔

"مجھے افسوس ہے آپ نے بار بار میری توہین کی، مجھے ذلیل کیا!"

"اور کیا کیا میں نے؟"

یہ سوال کچھ ایسی سادگی اور معصومیت سے پروین نے کیا کہ امتیاز چکرا سا گیا، اس نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا میری یہ ملازمت آپ کی دریا دلی کی رہین منت ہے!"

پروین کا چہرہ پھر سفید پڑ گیا، لیکن پھر اس نے اپنے حواس مجتمع کئے مگر سوا اس کے کچھ نہ کہہ سکی۔

"ذرا ان کی سُنئے!"

امتیاز نے کہا۔

"میں غلط نہیں کہتا!"

وہ لاجواب ہو کر بولی۔

"بڑے سچے! ——— یہ کس نے کہا آپ سے؟"

"اسکول کے آفس انچارج نے!"

"وہ جھوٹا ہے!"

"اس نے مجھے آپ کا وہ خط دکھایا جو آپ نے اسکول کے مالک کو لکھا تھا!"

وہ حیرت سے بولی،
"میں نے لکھا تھا؟"
"جی آپ نے!"
"اچھا ایک بات بتائیے!"
"کون سی بات؟"
"خط کس زبان میں تھا!"
"اُردو میں!"
وہ ہنس پڑی،
امتیاز نے پوچھا
"آپ کو ہنسی کیوں آ رہی ہے؟"
وہ بولی،
"بڑا جھلیا ہے آپ کا آفس انچارج ——— میں اردو میں لکھنا پڑھنا جانتی ہی نہیں، مادری زبان ہے، بول لیتی ہوں، ورنہ تعلیم تو میری جتنی بھی ہوئی ہے انگریزی میں!"
بڑی سنجیدگی سے امتیاز نے کہا۔
"آپ شوق سے انکار کیجئے، لیکن آپ کے اس طرزِ عمل نے مجھے بہت اذیت پہنچائی۔ آپ کہہ سکتی ہیں کہ میں دیوانہ اور پاگل ہوں، آپ نے احسان کیا، میری مصیبت میں کام آئیں، میری بہن کی شادی کرائی، مجھے روٹیوں سے لگایا، مجھے چاہئے تھا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا، آپ کا احسان مانتا،

آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیتا، لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بجائے اُلٹا میں آپ سے لڑنے آگیا!"

وہ بہت بے بس ہو کر بولی،

"ایسی باتیں نہ کیجئے!"

اور یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی۔ آنسوؤں کی ننھی ننھی سی نہریں اس کی آنکھوں کے سرچشمہ سے نکل کر رخسار پر بہہ رہی تھیں۔ امتیاز نے یہ کیفیت دیکھی اور پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ کہا۔

"رخسانہ ساری عمر کنواری بیٹھی رہتی، میں فاقے کرتے کرتے مر جاتا، تو یقین کیجئے مجھے ذرا افسوس نہ ہوتا۔ لیکن آپ نے روپے کا سیلاب بہا دیا، اور اس سیلاب نے میری انسانیت، میرا ضمیر، میری خودی، میری خودداری ہر چیز خس و خاشاک کی طرح بہہ گئی، یہ آپ نے اچھا نہ کیا!"

پروین نے کہا۔

"اتنی ناپاک ہوں میں؟ ——— یہی مطلب ہے نا آپ کا؟"

"میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ ناپاک ہیں۔"

"پھر کیا ہے؟"

"یہ کہ آپ ظالم ہیں، آپ نے ظلم کیا ہے میری روح پر!"

"یہ لیجئے یہ ظلم ہو گیا!"

"اور اتنا بڑا کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم ہو ہی نہیں سکتا۔"

وہ زچ ہو کر بولی،

"آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں!"

امتیاز اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا اب اجازت دیجئے!"

وہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"جائیں گے آپ؟"

"جی ہاں، اب جاؤں گا!"

"کھانا تیار ہے، کھا لیجئے!"

"شکریہ —— بھوک نہیں ہے اس وقت!"

"چائے پی لیجئے!"

"نہیں چائے بھی نہیں پیوں گا!"

"پان؟"

"وہ بھی نہیں!"

امتیاز جانے کے لئے مڑا۔

پروین نے کہا،

"اب تو شاید کبھی نہ آئیں آپ؟"

امتیاز نے کوئی جواب نہیں دیا اور چل پڑا، پروین اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، زینہ سے اُترتے ہوئے اس نے ذرا رکتے ہوئے کہا۔

"آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ میں پوچھ رہی ہوں کچھ؟"

امتیاز نے کہا۔

”مجھے معلوم ہے، آپ کچھ پوچھ رہی ہیں، لیکن میرے پاس کوئی جواب نہیں، میں کیا کہوں؟“

”کچھ نہ کہئے، میں بھی کچھ نہیں پوچھتی۔ سوال ہی لاحاصل ہے اور جواب بھی!“

”یہی سمجھ لیجئے!“

باب ۱۶

نیا مشغلہ!

بہت دن ہو گئے، دونوں میں ملاقات نہیں ہوئی، نہ پروین امتیاز کے پاس آئی، نہ امتیاز پروین کے پاس گیا، دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے جھجکتے تھے،

پروین سے ملاقات کے دوسرے ہی روز سے امتیاز نے اسکول جانا ترک کر دیا تھا۔ دو تین دن کے بعد اسکول کے پروپرائٹر صاحب تشریف لائے۔

"کیوں حضرت، خیریت؟ کیا بات ہے، آپ آ کیوں نہیں رہے ہیں؟"

امتیاز نے بے رخی اور ڈھٹائی کے ساتھ جواب دیا،

"اب میں نہیں آؤں گا؟"

"لیکن کیوں میرے بھائی؟"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے، پڑھنے پڑھانے کا کام میرے بس کا نہیں!"

"سبحان اللہ، خوب فرمایا آپ نے بھی بندہ نواز ——— ابھی پچھلے ہفتہ انسپکٹر آف اسکولز نے جو تعریفی رپورٹ لکھی ہے اسکول کے بارے میں اور جو شاندار خراج تحسین آپکو پیش کیا وہ آپ نے نہیں دیکھا؟"

"دیکھا ہے ——— لیکن انسپکٹر آف اسکولز مجھ سے بھی زیادہ جاہل ہے اور جاہلوں کی تعریف پر خوش ہونا حماقت ہے۔"

وہ پہلو بدلتے ہوئے بولے،

"ارے بھئی بات کیا ہے آخر؟"

"کچھ نہیں!"

"تنخواہ بڑھوانا چاہتے ہو؟ ——— کہہ دو صاف صاف!"

امتیاز نے زہر خند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"جی نہیں!"

اِس مختصر سے جملہ میں کچھ ایسی قوت پنہاں تھی کہ پھر وہ کچھ نہ کہہ سکے۔

"جیسی تمھاری مرضی"

کہکر واپس چلے گئے۔

اسکول کی ملازمت تو جوش میں آکر امتیاز نے ترک کر دی، لیکن اب کھائے گا کہاں سے؟ گھر کیا بھیجے گا؟

دیکھتے ہی دیکھتے بے روزگاری، افلاس اور فقر و فاقہ کا بھیانک دیو پھر سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

امتیاز لرز گیا۔

اب کیا ہوگا؟ ———— یہ بڑا ٹیڑھا اور نازک سوال تھا،

امتیاز کی جیب بالکل خالی نہیں تھی، ابھی کچھ روپے اس کے پاس تھے، اور مہینہ بیس روز وہ روکھا سوکھا کھانا اطمینان سے کھا سکتا تھا لیکن بیکاری کے دن جلد کٹتے ہیں،

پھر کیا ہوگا؟ ———— ؟

امتیاز بیٹھا یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ ایک نوجوان نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس کا لباس معمولی تھا، چہرے پر گردچی ہوئی تھی، بڑے بڑے انگریزی بال نہ جانے کب سے یونہی خودرو گھاس کی طرح بڑھ رہے تھے اور بڑھتے جا رہے تھے، ہاتھ میں ایک بستہ تھا، اس میں کچھ کاغذات تھے وہ آیا اور امتیاز کے پاس بے تکلفی سے آ کر بیٹھ گیا۔

"میں امتیاز صاحب سے مخاطب ہوں؟"

امتیاز نے پھر ایک نظر اس کے سراپا پر ڈالی اور کہا۔

"جی ہاں مجھے امتیاز کہتے ہیں؟ ———— معاف کیجئے گا میں نے آپ کو نہیں پہچانا!"

وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"میں خود اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں، مجھے شمیم کہتے ہیں روزنامہ ————"

امتیاز نے بات کاٹ کر کہا۔

"اوہ، روزنامہ "ملت" کے ایڈیٹر آپ ہی ہیں!"

"جناب!"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"نوازش ہے آپ کی، آپ تو ایک عرصہ دراز سے میرے کرم فرما ہیں "ملت" میں سیاسیاتِ وطنی اور ملی پر اکثر آپ کے گراں قدر مقالات شائع ہوا کرتے ہیں"

امتیاز نے اپنی تعریف سنکر سر جھکالیا اور کچھ شرما سا گیا۔ اس نے کہا۔

"گراں قدر تو خیر کیا، ہاں ٹوٹا پھوٹا لکھ لیتا ہوں ——— جب خیالات امنڈتے ہیں، قلم کاغذ لے کر بیٹھ جاتا ہوں، آپ کی قدر دانی کا شکر گذار ہوں کہ آپ چھاپ دیتے ہیں!"

شمیم نے اور زیادہ بے تکلف ہو کر کہا۔

"جناب تکلف برطرف، پہلے تو ایک گرم گرم پیالی چائے کی پلوائیے پھر میرے واقعات غور سے سنئے اور صاف صاف جواب مرحمت فرمائیے۔"

امتیاز نے کہا،

"بہت خوب، ابھی لیجئے!"

پھر گیلری میں کھڑا ہو کر وہ ہوٹل کے باہر والے کا انتظار کرنے لگا اشارے سے اسے چائے لانے کی ہدایت کی اور اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔

"فرمائیے!"

شمیم نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا،
"کیا میں پوچھ سکتا ہوں آج کل آپ کا مشغلہ کیا ہے؟"
"شوق سے ——— آج کل میرا کوئی خاص مشغلہ نہیں ـــ
چند روز پہلے تک میں ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا، میں اب مستعفی ہو چکا ہوں"
وہ بے ساختہ بول پڑا،
"بہت اچھا کیا آپ نے!"
امتیاز نے حیرت سے پوچھا،
"یہ کیوں؟"
وہ بولا،
"اب لطف آئے گا کام کا ——— خوب گذرے گی
جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو ——— چلئے میرے ساتھ آپ بہتر بن
ایڈیٹر بن سکتے ہیں، "ملت" کی ادارت سنبھالئے!"
امتیاز کو غصہ آگیا، اسے یقین ہو گیا یہ ضرور پروین کا بھیجا ہوا ہے
اس نے بڑی درشتی کے ساتھ کہا۔
"کس نے بھیجا ہے آپ کو میرے پاس؟"
شمیم نے صفائی سے کہا۔
"کسی نے نہیں، خود آیا ہوں!"
امتیاز کو بالکل یقین نہیں آیا،
"خود آئے ہیں آپ؟ ——— میں نہیں مان سکتا!"

شمیم کو امتیاز کی اس تبدیلی پر حیرت ہو رہی تھی اس نے کہا،
"یہ دفعتہً آپ کو کیا ہو گیا؟ ابھی تو آپ بڑی شائستگی سے گفتگو کر رہے تھے؟"

اس اعتراض پر امتیاز اپنی حالت کا جائزہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا مجھے اتنی زیادہ بدگمانی سے کام بھی نہیں لینا چاہیئے۔ ممکن ہے یہ خرِ آیا ہو؟ پہلے تحقیق تو کر لوں پھر فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے۔ کچھ زبردستی تو نہیں لے جائے گا اپنے ساتھ۔ یہ سب کچھ اس نے سوچ کر کہا،

"آپ کیا کریں گے میرے بعد؟ آخر آپ بھی تو ایڈیٹر ہی ہیں؟"
شمیم ہنس پڑا،
"جی ہاں میں ایڈیٹر تو ضرور ہوں لیکن یہ معلوم کر کے آپ کو حیرت ہوگی کہ میں ایک مضمون بھی نہیں لکھ سکتا!"

"یہ کیا؟"

"ہاں یہ واقعہ ہے —— دیکھیئے صاحب میری حالت میرے چہرے سے ظاہر ہے، میں مزدور آدمی ہوں، ملازمت چاہی نہیں ملی، کاروبار کرنا چاہا، جیب نے جواب دے دیا۔ گھر بیٹھ کر روٹی کھانی چاہی، مگر فاقہ کے سوا کچھ نہ ملا، یہ اتنا بڑا شہر ہے، یہاں اچھے برے اخبار کھپ ہی جاتے ہیں ——"

"آپ نے سوچا چلو اخبار ہی نکال لو!"

" جی ہاں، میں نے بھی سوچا، اس اخبار کو چار برس ہو گئے ہیں نکلتے ہوئے، جب میں نے اخبار نکالا تھا کاغذ بہت سستا تھا، کتابت کی اجرت بھی ارزاں تھی، چھپائی بھی بہت معمولی تھی۔ ایڈیٹر بھی چالیس پچاس پر مل جاتے تھے۔ فلم کمپنیاں کافی ہیں وہ کیا جانیں کون سا اخبار کیسا ہے؟ جو پہنچا اسے اشتہار دے دیا، میں سو دو سو کاپیاں چھپواتا تھا اور ہر روز خاصے اشتہار بٹور لاتا تھا مگر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی کہ یہ دھوکے کا کاروبار ہے: ایک صاحب کو باقاعدہ ایڈیٹر بنایا، نام اپنا ہی رکھا، اخبار ذرا ذرا چلنے لگا، اب دو ہزار کے قریب چھپتا ہے لیکن دفعتہً ایڈیٹر صاحب نے داغِ جدائی دے دیا

" کیا ہوا؟ انتقال ——————

" جی نہیں، انہیں سرکاری ملازمت مل گئی اور وہ چلے گئے۔ آپ کے مضامین میں دیکھتا رہتا تھا، دل نے گواہی دی۔ اگر آپ ایڈیٹری قبول کرلیں تو اخبار پہلے سے بھی زیادہ چمک جائے گا۔

امتیاز نے کہا،

" لیکن مجھے ادارت کا تجربہ نہیں ہے!"

وہ بولا؛

" کام سب سے بڑا معلّم ہے۔ دو چار روز میں صحافت اور ادارت کے سارے اسرار و رموز خود بخود سمجھ میں آجائیں گے میں جو ہوں آپ کا ہاتھ بٹانے کو!"

امتیاز نے پوچھا،

"اخبار کی مالی حالت کیا ہے؟"

شمیم نے سوال کیا،

"آپ اخبار کا بینک بیلنس معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں وہی!"

"زیادہ سے زیادہ ایک ہزار روپیہ دو تین ہزار کے بل ہیں جو واجب الوصول ہیں!"

"اتنی رقم میں آپ روزانہ اخبار کیسے چلا پائیں گے!"

"چلا جو رہا ہوں ـــــ ہمت بڑی چیز ہے امتیاز صاحب، مہینہ میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجھے فاقہ کرنا پڑتا ہے، لیکن آپ یقین کیجئے، میں کسی کا قرض دار نہیں ہوں، نہ اسٹاف کا ایک پیسہ میں نے کبھی روکا!"

امتیاز نے کہا،

"پھر آپ کی کامیابی کی میں ضمانت لیتا ہوں!"

وہ بولا،

"اپنی کامیابی کا ضامن میں آپ ہوں، آپ تو صرف ادارت کی ضمانت لیجئے!"

بے ساختہ امتیاز کے منہ سے نکل گیا،

"منظور!"

شمیم نے جوشِ مسرت سے بے قابو ہو کر کہا،

"آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں؟ بہت بڑا احسان کیا ہے آپ نے میرے اوپر!"

امتیاز مسکرایا۔

"بہت وقت پڑا ہے، اتنی جلدی کیا ہے بعد میں کبھی شکریہ ادا کر لیجئے گا جی بھر کے!"

شمیم نے پوچھا،

"ایک بے ادبی کی اور اجازت دیجئے ——————!"

امتیاز نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف مسکرا دیا۔

شمیم نے کہا۔

"آپ تنخواہ کیا لیں گے؟"

دریا دلی کے ساتھ امتیاز نے کہا،

"پہلے چند روز مجھے کام تو کر لینے دیجئے پھر مجھے مطالبہ کرنے اور آپ کو منظور کرنے بھی اچھا لگے گا!"

شمیم نے جواب دیا

"نہیں صاحب، آپ کا کام دیکھے بغیر پسند ہے، لیکن یہ مسئلہ آج اور ابھی طے ہو گا ———!"

امتیاز نے پوچھا،

"خود آپ اپنے گذارہ کے لئے اجرت کیا لیتے ہیں؟"

وہ بولا

"ڈھائی سو!"

امتیاز نے کہا،

"یہی میں بھی لے لوں گا!"

خوشی سے شمیم کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے کہا،

"سنئے صاحب!"

"فرمایئے!"

"ایسا کیجئے ——— آج سے یہ اخبار میری اور آپ کی ملکیت ہے، ہم ڈھائی ڈھائی سو گذارہ لیتے رہیں گے اور سال بھر کے بعد جب حساب ہوگا تو جو نفع ہوگا وہ برابر تقسیم کرلیں گے!"

"اور اگر نقصان ہوا؟"

"تو اخبار بند کردیں گے!"

"ٹھیک ہے، مجھے آپ کی یہ پیش کش بھی منظور ہے، آپ میں جو بےساختگی، بےتکلفی اور بیباکی ہے اس نے تھوڑی ہی دیر میں میرا دل موہ لیا ہے، آپ سچے اور کھرے آدمی معلوم ہوتے ہیں، آپ کے ساتھ میں نباہ کرلوں گا، آپ کے ساتھ کام کرنے میں لطف آئے گا — انشاءاللہ ہم دونوں کی کوششیں اخبار کو کامیاب بنادیں گی!"

"مجھے بھی یہی یقین ہے، بس آج سے ادارت کا سارا کام آپ کے ذمہ اور انتظام کا سارا بوجھ میرے دوشِ ناتواں پر ——— کیوں

امتیاز صاحب ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں ضرور!"

"تو بسم اللہ، اٹھئے، چلئے!"

امتیاز شمیم کے ساتھ اٹھ کر سیدھا "ملت" کے دفتر میں پہنچا، شمیم نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ سارے اسٹاف کا اس سے تعارف کرایا اور ایڈیٹر کے کمرے میں اسے بٹھا کر کہا۔

"یہ ہے جناب کی خدمت کا دارالخلافہ!"

امتیاز نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا،

"لیکن ایک بات اور طے کر لو بھئی!"

"کہو!"

"اخبار کے انتظامی معاملات میں کبھی میں دخل نہیں دوں گا، اور پالیسی کے معاملہ میں تم نہ بولنا!"

"میں نہ پالیسی کے معنی جانتا ہوں نہ سیاست کے اور جو چیز مجھے بالکل نہیں آتی اس کے بارے میں کبھی بھی میں نہیں بولتا —— میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں یہ کہ اگر ڈوبیں گے تو ہم دونوں ساتھ ساتھ اور ساحل مراد تک پہنچیں گے تو بھی ساتھ ساتھ لہذا ہم میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہوگی کہ اخبار پھلے پھولے!"

"ٹھیک ہے، بالکل یہی بات ہے!"

"بس تو آپ اپنا کام سنبھالئے۔ میں چلا —— ہاں کاتب صاحب

بڑی دیر سے منتظر ہیں، اداریہ لکھ کر فوراً بھیج دیجئے، ورنہ کاپی لیٹ ہوجائیگی اور اخبار دیر میں نکلے گا۔"

شمیم تو یہ کہہ کر باہر نکلا، بستہ بغل میں دبایا، سائیکل پر بیٹھا، اور اشتہارات کی فکر میں بادیہ پیمائی کرنے لگا اور امتیاز نے کرسی پر اطمینان سے بیٹھکر اداریہ لکھنا شروع کر دیا!

باب ۱۷

توہین!

شمیم کی پیش گوئی واقعی پوری ہوئی "ملّت" امتیاز کی ادارت میں تیزی سے ترقی کرنے لگا، وہی اخبار جسے کل تک کوئی خاص اہمیت نہیں حاصل تھی دیکھتے دیکھتے ملک کے معزز اور سر برآوردہ اخبارات میں شمار ہونے لگا۔ اس کے مقالات ادارت کے ترجمے، انگریزی اخبارات میں شائع ہوتے اور ان پر عزّت و احترام کے ساتھ تنقید کی جاتی، امتیاز نے جب ادارت کا چارج لیا تھا تو مشکل سے اس کی اشاعت دو ہزار تھی، لیکن چھ ماہ کی مختصر سی مدّت میں اس کی اشاعت چھ ہزار سے بھی بڑھ گئی، اور اگر جنگ کے باعث کاغذ کی فراہمی میں دشواریاں نہ پیش آتیں تو شاید اشاعت اور بھی ترقی کرتی۔ اب اخبارات کو فلمی اشتہارات سے قطع نظر خالص تجارتی اشتہار بھی بہت کافی ملنے لگے تھے۔ غیر ملکی اشتہاری ایجنسیاں بھی ہر مہینے اچھے خاصے اشتہارات ملّت کو دیا کرتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے

یہ لوگ صرف ڈھائی ڈھائی سو ماہوار پر گذارہ کیا کرتے تھے۔ اب پانچ پانچ سو ماہوار لینے لگے۔

شمیم کی مسرت کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا، وہ اس انقلاب سے بہت مسرور اور مطمئن تھا، پہلے سائیکل پر گھوما کرتا تھا۔ اب موٹر سائیکل اس کی سواری میں رہتی تھی، خود امتیاز بھی بہت خوش تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنے چھپے ہوئے جوہر کا احساس ہوا، اسے اپنے بارے میں اندازہ ہوا کہ وہ صرف ایک ناکام آرزو نوجوان ہی نہیں ہے ایسا نوجوان ہے جس میں صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں جو بہت کچھ کر سکتا ہے، جو اپنے وطن اور ملک کی قسمت کے پلٹنے میں حصہ لے سکتا ہے، پہلے وہ احساسِ کمتری کے مرض میں گرفتار رہتا تھا۔ اب یہ مرض حالات نے خود بخود دُور کر دیا تھا۔

غرض اخبار دن دونی، رات چوگنی ترقی کر رہا تھا مگر ان دونوں کے خاص طور پر امتیاز کے حوصلے بہت بلند تھے، اس ترقی کو وہ صرف کامیابی کا ایک زینہ سمجھتا تھا، وہ چاہتا تھا بہت جلد اس کا اخبار اتنا مکمل اور شاندار ہو جائے کہ ترقی یافتہ ممالک کے بلند پایہ اخبارات میں اور اس میں کوئی فرق نہ رہے۔

ایک روز رات کے کھانے کے بعد شمیم اور امتیاز اسی مسئلہ پر بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ امتیاز نے کہا۔

"کچھ اور خرچ کرنے کے لئے تیار ہو؟"

شمیم نے پوچھا۔

"کس مد میں ؟"

"یہی اخبار کی مد میں ——— میں چاہتا ہوں روزنامہ "ملت" کا ایک باتصویر اور بلند پایہ ہفتہ وار ایڈیشن بھی نکالا جائے۔ اس میں روزانہ اخبارات کی طرح سرسری مضامین نہ ہوں بلکہ سیاسیات عالم، دنیائے اسلام، اسلامیات، تعلیمات، تنقیدات اور لسانیات وغیرہ پر ٹھوس مقالات شائع ہوں، یہی معیار تصویروں میں قائم رکھا جائے، یعنی عام ہفتہ وار اخبارات کی طرح فلم ایکٹروں، اور ایکٹرسوں کی تصاویر نہ ہوں، بلکہ مشاہیر عالم اور مشاہیر سیاست اور سیاسی اجتماعات کی تصویریں شائع ہوا کریں ——— کیوں بھئی منظور ہے ؟"

شمیم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا، پھر دفعتہً چونک پڑا۔

"ہاں منظور ہے !"

"خوب اچھی طرح سوچ لو، میں قدم آگے بڑھا کر پیچھے ہٹانے کا قائل نہیں ہوں، ایسا نہ ہو، اس وقت جوش میں ہاں کر لو اور بعد میں رو بیٹھو کر!"

شمیم نے ایک ماہر کاروبار کی طرح کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا ——— میں نے ابھی سرسری سا حساب لگایا ہے۔ تقریباً دو ہزار ماہوار کا مزید خرچہ ہوگا !"

"ہاں، ——— یہ کافی رقم ہے کہاں سے آئے گی ؟"

"آجائے گی تم فکر نہ کرو !"

"لیکن کس طرح ؟ ——— میں مطمئن ہونا چاہتا ہوں !"

شمیم نے چپراسی کو چائے لانے کو آواز دی۔ پھر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بھئی، ہمارا اخبار اب کافی ساکھ پیدا کر چکا ہے، یہ صرف، بڑی حد تک تو صرف سیل سے نکل آئے گا۔ چھ آنے فی کاپی قیمت رکھوں گا!"

"نہیں بھئی قیمت بہت ہے ——— چار آنے!"

"اچھا چار آنے سہی ——— جب بھی کافی رقم سیل سے آجائے گی باقی رہیں یہ فلم کمپنیاں، ان میں سے چند ضرور ایسی مل جائیں گی جو ایڈوانس پبلسٹی کے سلسلہ میں مستقل اشتہار ہمارے اخبار کو دیں گی!"

امتیاز مطمئن ہو گیا،

"ٹھیک ہے ——— میں اخبار کی ترتیب کا کام شروع کرتا ہوں تم اشتہارات کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ شروع کر دو!"

"کل ہی سے لو!"

دوسرے دن سے زور شور کے ساتھ ہفتہ وار ایڈیشن کی تیاریاں شروع ہوگئیں، شمیم روزانہ رات کو کھانے کے بعد دن بھر کی روداد سناتا تھا، آج فلاں کمپنی نے سال بھر کا کنٹریکٹ کر لیا، آج فلاں کمپنی نے وعدہ کر لیا، یہ رپورٹیں کافی حوصلہ افزا تھیں، امتیاز نے اس نئی اسکیم کا کام تیزی سے جاری رکھا۔

ایک روز شمیم کچھ سست سا تھا، امتیاز نے کہا۔

"یہ کیا بات ہے بھئی، یوں چپ چاپ کیوں نظر آرہے ہو؟"

وہ بولا،

"یار آج نہ جانے کس منحوس کا منہ صبح صبح دیکھا تھا!"

"کیوں کیا ہوا؟"

"آج جہاں بھی گیا کام نہیں بنا ——— کوئی ملا نہیں، کسی نے وعدہ فردا پر ٹال دیا، اور ایک جگہ سے تو صاف انکار ہو گیا ——— ہمارے اخبار کے دور جدید میں اشتہار دینے سے انکار کا یہ پہلا واقعہ ہے!"

امتیاز نے کہا۔

"ہوتا ہے بھئی، اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے!"

شمیم نے زور دے کر کہا۔

"لیکن میں بھی حرام زادی سے وہ بدلہ لوں گا کہ یاد رکھا کرے گی اگر نہ دوڑی آئے اس دفتر میں معافی مانگنے جب کہنا!"

امتیاز نے پوچھا

"کیا ہوا، کس پر اتنے زور شور سے برس رہے ہو؟"

وہ بولا،

"نہیں ——— مجھے غصہ یوں آرہا ہے کہ آخر وہ اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے ——— اُلّو کی پٹھی!"

"کون؟ ——— یہ کس کا ذکرِ خیر ہو رہا ہے!"

شمیم کچھ سوچنے لگا،

"کیا نام ہے؟ ——— ہاں مس پروین!"

پروین سے آخری ملاقات کے بعد سے امتیاز نہ پروین سے ملا تھا نہ اس کے معاملات سے کوئی دلچسپی لی تھی، اس سے یکسر بے تعلقی اختیار کرلی تھی، آج بہت دنوں کے بعد اس نے پروین کا نام سنا۔

شمیم اپنے جوش میں نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔ تنگ آکر امتیاز نے پوچھا۔

"کیا بات کیا ہوئی؟ ——— کچھ کہو بھی تو بندۂ خدا!"

شمیم نے کہا

"ارے ہوتا کیا، میں حسبِ معمول اپنے ہفتہ وار اخبار کے مستقل اشتہارات کے سلسلہ میں مختلف فلم کمپنیوں کے چکر کاٹ رہا ہوں ———"

"ٹھیک ہے پھر؟"

"آج اتفاق سے پروین والی کمپنی میں بھی پہنچ گیا ———"

"یہاں تک تو کوئی مضائقہ نہیں ——— پھر کیا ہوا؟"

"پبلسٹی منیجر ہمارے اخبار کا بڑا مداح و معترف ہے، وہ بڑی خوشی سے آمادہ ہوگیا، اس نے کہا۔ ذرا سیٹھ صاحب سے تصدیق کرالوں، پھر سال بھر کا کنٹریکٹ کئے لیتا ہوں۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت منہ لٹکاتے ہوئے تشریف لائے۔

"چلئے ذرا سیٹھ صاحب سے مل لیجئے!"

مجھے کیا عذر ہوسکتا تھا؟ میں نے کہا،

"چلو، !"

سیٹھ صاحب کے پاس مس پروین بھی رونق افروز تھیں، سیٹھ صاحب تو چائے پینے رہے۔ مس پروین کود پڑیں بیچ میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا،

"اوہ، آپ ہیں ملت کے ایڈیٹر صاحب؟ ——————"

میں نے کہا،

"جی نہیں —————— میں منیجر ہوں اس کا!"

پوچھا،

"اور ایڈیٹر؟"

میں نے جواب دیا،

"ملک کے مشہور و معروف صحافی مسٹر امتیاز!"

ارے صاحب یہ سنتے ہی وہ ہنس پڑی کہنے لگی مجھے نقلاتی ہوئی

"ملک کے مشہور و معروف صحافی مسٹر امتیاز!"

مجھے غصّہ آگیا،

"تو آپ انہیں صحافی نہیں سمجھتیں؟"

بولی،

"ارے صاحب آپ ہمارے پیچھے کیوں پڑے ہیں، ہوں گے مشہور و معروف سے بھی زیادہ، ہمیں کیا!"

یہ بے تکی سی بات سن کر میں جل ہی تو گیا، میں نے کہا،

"میں یہاں امتیاز صاحب کی قابلیت پر بحث کرنے نہیں آیا تھا!"

وہ طنز کے ساتھ بولی،

"پھر کیوں زحمت فرمائی تھی آپ نے؟"

میں نے کہا،

"اشتہار کے لئے —— ہم روزانہ ملت کا ایک بلند پایہ ہفت روزہ ایڈیشن ——"

پوری بات بھی نہیں کہنے دی شیطان کی خالہ نے، کہتی کیا ہے،

"صاحب آپ نے تو اتنی دیر میں میرا سر کھالیا —— آپ تشریف لے جائیے، ہمیں نہیں دینا ہے اشتہار!" ——

قسم خدا کی اگر عورت نہ ہوتی تو ——"

"تو تم مارتے اُسے؟"

"ہاں ضرور مارتا!"

"بیوقوف کہیں کے —— بزنس کہیں زبردستی سے چلتا ہے؟ نہیں دیا اس نے اشتہار، اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے؟"

شمیم نے خفگی کے لہجہ میں کہا،

"یہ لیجئے آپ بھی اسی کی سی کہنے لگے!"

"یہ کیوں؟ میں نے تو اس کی سی کوئی بات نہیں کہی!"

"اور کس طرح کہتے ہے بے قصور ثابت کر رہے ہو یا نہیں؟"

"میں تو ایک اصولی بات کہہ رہا ہوں کہ جس طرح تمہیں حق ہے کہ تم ہر کمپنی سے اشتہار کا مطالبہ کرو، اسی طرح ہر مالک کمپنی کو حق ہے

کہ وہ اشتہار دے یا نہ دے!"

"یہ حق تو مانتا ہوں لیکن کیا اسے توہین کرنے کا بھی حق ہے ۔۔
اس نے کیوں تمہارے بارے میں ہتک آمیز الفاظ کہے؟"

"مجھے تو کہے نا، جاؤ میں نے معاف کر دیا!"

"تم معاف کر دو، میں نہیں معاف کروں گا!"

"کیا کرو گے تم؟"

"پہلے ہی نمبر میں اگر پروین کی اداکاری کی دھجیاں فضائے آسمانی میں نہ اڑا دیں تو میرا نام شمیم نہیں ــــــــــــ!"

امتیاز نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو شمیم! یہ تو بلیک میلنگ ہوئی"

وہ جوش سے بولا،

"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، میں اس سے بدلہ لے کر رہوں گا ۔ اور یہ بلیک میلنگ تم نے کیا کہا؟ ــــــــــ؟

"غلط تو نہیں کہا!"

"غلط، بالکل غلط ــــــــ اب اگر وہ ایک انچ کا ایک ہزار بھی دے تو میں اس کا اشتہار نہیں چھاپوں گا، وہ سمجھتی کیا ہے، اپنے اشتہار کو اور ہمیں؟"

امتیاز نے اس کے جوش برہمی کو فرو کرتے ہوئے کہا،

"یہ فیصلہ بالکل ٹھیک ہے، اس کا اشتہار کبھی نہ چھاپو!"

"لیکن اس کے خلاف بھی نہ لکھوں ؟ کیوں ؟"
"ہاں ——— ایسی چھچھوری باتیں تمھیں زیب نہیں دیتیں!"
شمیم نے جوش کے عالم میں کہا،
"ایک بات سن لو، امتیاز کان کھول کے ——— میں اس کے خلاف ضرور لکھوں گا!"
امتیاز نے اسی لب و لہجہ میں کہا،
"ایک بات تم بھی سن لو!"
"سن رہا ہوں!"
"اگر تم اس کے خلاف لکھوگے تو میں ادارت ترک کر دوں گا!"
شمیم کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی،
"کیوں ؟ کس لئے ؟"
"تم عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہو!"
"کون سا عہد ؟"
"پہلے ہی دن ہمارے تمھارے مابین یہ بات طے ہو چکی ہے انتظام کی مملکت کے تم خود مختار بادشاہ ہوگے، اور ادارت کی خدمت بلا شرکتِ غیرے میرے ہاتھ میں رہے گی ——— میں نے غلط تو نہیں کہا ——— ؟"
"نہیں!"
"پھر جب میں نے کبھی کسی انتظامی معاملہ میں دخل نہیں دیا

تم پالیسی کے معاملہ میں کیوں دخل دینے کی کوشش کر رہے ہو؟"

شمیم نے کہا،

"میری توبہ ——— میں ہرگز دخل نہیں دوں گا، نہ اس الّو کی پٹھی کے خلاف کچھ لکھوں گا ———!"

"شاباش ———!"

"مجھے کیا معلوم تھا، ایک بے غیرت ساتھی سے پالا پڑا ہے ———

"کیا مطلب؟ بے غیرت کون؟ ———"

"تم اور کون؟ ——— اس نے تمہارا ہی تو مذاق اڑایا تھا، جس پر مجھے غصہ آیا، ورنہ میرے ساتھ تو اس نے کوئی بُرائی نہیں کی تھی!"

امتیاز نے کہا،

"میرے دوست تم شوق سے مجھے بے غیرت کہہ لو، لیکن میں ہرگز اس کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ایک عورت سے انتقام لوں!"

"بہتر ہے، نہ لیجئے انتقام ——— مجھے اب کہیں نظر آئی تو ادب سے جھک کر سلام بجالاؤں گا!"

امتیاز شمیم کی اس بات پر ہنس پڑا، شمیم کو بھی ہنسی آگئی اور دونوں دوستوں میں پروین کے ذکر پر جو تلخی سی آگئی تھی وہ اس ہنسی نے دور کردی

باب ۱۸

آمنا سامنا

"ملّت" کا ہفتہ وار ایڈیشن نکلا، اور بے انتہا کامیاب ہوا، پہلا پرچہ ڈرتے ڈرتے پانچ ہزار چھپوایا تھا، لیکن وہ ہاتھوں ہاتھ بک گیا اس کامیابی نے ہمت بڑھائی اور پرچہ دیکھتے ہی دیکھتے مارکٹ پر چھا گیا۔

امتیاز اپنی اس نئی زندگی سے بہت خوش تھا، وہ محسوس کرتا تھا، اب تک وہ بالکل غلط راستہ پر بھٹک رہا تھا اب وہ صحیح راستہ پر چل رہا تھا، یہ کام اس کے مذاق، رجحان اور طبیعت کے بالکل موافق تھا، اسکے مقالات توجہ سے پڑھے جاتے تھے، حکومت کے حلقہ میں بھی اس کی وقعت تھی، اور پبلک کا سمجھدار طبقہ بھی اس کی رائے کو بہت توجہ سے پڑھتا تھا۔

پروین ایسا معلوم ہوتا تھا اس کی زندگی سے بالکل خارج ہو چکی ہے پہلے جب دیکھئے جب موجود، اور اب کبھی وہ بھولے سے اس کے ہاں

جھانکتی بھی نہیں تھی، کبھی امتیاز کا دل اس سے سوال کرتا۔

"اب وہ کیوں نہیں آتی؟"

تو وہ جواب دیتا،

"اس لئے کہ وہ مایوس ہوگئی ہے، وہ مجھے خرید نہیں سکتی، میں اس کے ہاتھ بکنے سے انکار کر چکا ہوں، کبھی اور کسی قیمت پر نہیں بک سکتا!"

یہ جو سب کچھ یونہی سا تھا، دل اس جواب سے مطمئن نہ ہوتا لیکن پھر وہ دل کو مزید پوچھ گچھ کی اجازت نہ دیتا، اور کسی کام میں مصروف ہو جاتا کہ پھر دنیا و ما فیہا کی اسے خبر نہ رہتی۔

ایک اتوار کو کسی پارٹی کے سلسلہ میں وہ تاج محل ہوٹل گیا، واپسی میں اس نے دیکھا، پروین ایک گوشہ میں غضب کی سج دھج اور قیامت کے بناؤ سنگار کے ساتھ تنہا بیٹھی ہے، دفعتاً امتیاز کے دل میں خیال آیا

"آج یہ تنہا کیوں ہے؟"

پھر اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ شاید کہیں قاسم سیٹھ بھی رونق افروز ہوں، لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دئے اور قاسم سیٹھ کی تلاش سے مایوس ہو کر جب اس کی نگاہ پلٹ رہی تھی تو وہ پروین کی نگاہ سے ٹکرا گئی۔ امتیاز نے محض اخلاقاً یہ چاہا کہ اب آنکھ سے آنکھ مل گئی ہے، تو ذرا مسکرا دے، اس کے پاس جا کر پرسش احوال کرے۔ آخر اس کمبخت کے زبردستی کے سہی لیکن کچھ احسانات بھی تو ہیں، لیکن وہ آنکھ چرا گئی جیسے اس نے امتیاز کو دیکھا ہی نہیں، وہ سمجھ گیا یہ دیکھنا نہیں چاہتی۔

اس بے نیازی پر امتیاز کے مضبوط دل کو ایک دھچکہ سا لگا، اس نے اپنی توہین سی محسوس کی، لیکن نہ وہ اس خاموش توہین کا انتقام لے سکتا تھا۔ نہ کسی قسم کی باز پرس کر سکتا تھا، چپ چاپ واپس چلا ۔ اگر یہی برتاؤ امتیاز نے پروین کے ساتھ کیا ہوتا تو شاید وہ ایک حد تک اپنے آپ خوش محسوس کرتا، لیکن پروین کا یہ برتاؤ دیکھ کر اسے تکلیف ہوئی ۔ یہ برتاؤ خلاف توقع بھی تھا اور ——— اور ناشائستہ بھی، وہ دل ہی دل میں اسے گالیاں دینے لگا، کتنی غیر مہذب اور ناشائستہ عورت ہے یہ، اسے یہ بھی نہیں معلوم، تہذیب کیا ہوتی ہے؟ شائستگی کسے کہتے ہیں؟ آدمیت کس چیز کا نام ہے، اگر کہیں اس وقت وہ سامنے آجاتی تو یقیناً امتیاز اس سے لڑ جاتا، لیکن وہ الگ ایک گوشہ میں بیٹھی نہایت اطمینان کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔

امتیاز واپس جانے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ قاسم سیٹھ سے مڈبھیڑ ہوگئی، وہ بڑے تپاک سے ملے۔

"امتیاج صاحب، تم کیسے یہاں آگیا؟"

قاسم سیٹھ کا تپاک اسے ذرا بھی نہ بھایا، جب سے وہ "ملت" کا ایڈیٹر ہوا تھا، اس کے قلم کی دھاک بیٹھ گئی تھی، یوں تو سب ہی اس سے گرم جوشی اور تپاک کے ساتھ ملتے تھے، لیکن ارباب فلم تو ضرورت سے بہت زیادہ نیازمندی پر اُتر آئے تھے، وہ ڈرتے تھے کہیں اس کا قلم ان کی فلم پر قینچی کی طرح نہ چلنے لگے، حالانکہ ان کا یہ ڈر صرف وہم کی

پیداوار تھا، وہ فلموں کی تعریف یا مذمت میں قلم اٹھائے اپنی اور قلم دونوں کی توہین سمجھتا تھا، اس نے کبھی کسی فلم پر تبصرہ نہیں کیا، کبھی اعزازی پاس سے کر وہ سنیما ہاؤس پہنچا، بہرحال قاسم سیٹھ کے تپاک کو اس نے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی ان کے سراپا تواضع سوال کا اس نے بہت مختصر جواب دیا۔

"یونہی ذرا ایک پارٹی میں آگیا تھا!"

لیکن سیٹھ صاحب اس وقت بہت موج میں تھے انہوں نے کہا،

"لیکن تم چلے کہاں امتیاز صاحب!"

وہ بولا،

"بس واپس جا رہا ہوں!"

سیٹھ صاحب اس سادہ سے جواب پر ہنس پڑے، انہوں نے ایک زوردار بلغمی قہقہہ لگایا، یعنی قہقہہ کی آواز میں بلغم کا ترنم بہت زیادہ تھا۔ انہوں نے امتیاز کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چلے جانا، ابھی جلدی کیا ہے!"

اور یہ کہہ کر وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے لئے پروین کی طرف بڑھے، آج اگر پروین نے اس کی توہین نہ کی ہوتی تو وہ ضرور پروین کی توہین کرتا، یعنی سیٹھ صاحب چاہے سر ٹپک کر کیوں نہ مر جاتے، لیکن وہ ہرگز ان کے ساتھ پروین کے پاس نہ جاتا۔ لیکن سیٹھ صاحب کا اصرار امتیاز کے لئے اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ بن گیا، اس نے اپنے دل میں کہا، پروین کے نفسیاتی جائزہ کا

اس سے بہتر وقت نہیں مل سکتا، پھر بھی اس نے تکلف کرتے ہوئے کہا،
"اب اجازت دیجئے، پھر انشاء اللہ ——————— "
سیٹھ صاحب بھلا کب ہار ماننے والے تھے، انھوں نے کہا،
"پھر کی بات پھر کے ساتھ ——— آؤ ذرا دیر بیٹھو، پھر چلے جانا!"
اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، وہ تو دل ہی سے یہ چاہ رہا تھا کہ ذرا پروین کو ٹٹولے، ساتھ ہولیا، پروین کے قریب پہنچ کر سیٹھ صاحب نے کہا،
"دیکھو امتیاز صاحب آئے ہیں!"
وہ اپنی جگہ بیٹھی رہی، اس نے بڑی سرد مہری سے کہا،
"تشریف رکھئے!"
سیٹھ صاحب پاس کی کرسی پر بیٹھ گئے، اور اپنے ساتھ امتیاز کو بھی بیٹھنے پر مجبور کر دیا، پھر فرمایا،
"امتیاز صاحب، ہم تو اردو نہیں جانتا، ایک چوپڑی بھی نہیں پڑھیلا، لیکن یہ مس پروین تو اردو کی عاسک ہیں!"
امتیاز نے بات آگے بڑھائی،
"جی ہاں ان کا ذوق بہت بلند ہے!"
سیٹھ صاحب بولے،
"جب سے تمہارا اخبار "ملت" نکلا ہے یہ مس پروین کوئی دوسرا اخبار پڑھتی ہی نہیں، بس سب سے یہی کہتی ہیں، ملت پڑھا کرو، انہوں نے

ملت کی اتنی تعریف کی ہے کہ جی چاہتا ہے کوئی ماسٹر رکھ کر اردو پڑھنا سیکھوں، پھر دیکھوں ملت میں کیا ہوتا ہے!"

یہ بات سنکر امتیاز کو بڑی حیرت ہوئی، اس نے سوچا جو عورت ملت کے منیجر کو اشتہار کے لئے دھتکار دے اور صاف انکار کر دے وہ اس کی اتنی قدر دان کیسے ہو سکتی ہے، اور ملت کے ایڈیٹر سے اتنی بے نیاز کیونکر ہو سکتی ہے؟ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کانوں میں پروین کی آواز گونجی،

"سیٹھ صاحب آپ بھول رہے ہیں، اس لئے غلط کہہ رہے ہیں!"

وہ چونک پڑے،

"کیا بھول ہوگئی؟"

وہ بولی،

"میں نے تو ملت کا ایک پرچہ بھی نہیں دیکھا آج تک پھر اس کی تعریف کیسے کروں گی؟"

وہ حیرت سے پروین کو دیکھنے لگے، اس نے کہا،

"شاید یہ آپ کو دھوکہ ہوا —— ملت نہیں ہمت!"

بیچارے سیٹھ صاحب جھینپ گئے، انہوں نے جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا۔ ملت کی تعریف سنتے سنتے ان کے کان پک گئے تھے اور ہمت کا نام بھی انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ لیکن اب اس عورت سے بحث کون کرے اڑواٹی کھٹواٹی لے کر پڑ گئی تو اور لینے کے دینے پڑیں گے، بیچارے

خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے، لیکن پھر بھی اظہارِ تعجب کئے بغیر نہ رہ سکے۔

"ہمت ؟ ———"

وہ جلدی سے بول پڑی،

"ہاں سیٹھ صاحب ہمت، بہت تھوڑا سا فرق ہے دونوں کے تلفظ میں ———"

پھر سیٹھ صاحب کو چھوڑ کر وہ امتیاز سے مخاطب ہوئی،

"چائے پئیں گے آپ ؟"

وہ اس وقت خود ہی خونِ جگر پی رہا تھا، اس نے کہا۔

"جی نہیں ———"

پھر بھی یہ کہتے کہتے اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا، اگر یہ اصرار کرے گی تو پی لوں گا، لیکن آج تو بازی بالکل پلٹی ہوئی تھی، اس نے ذرا بھی اصرار نہیں کیا، لیکن سیٹھ پیچھے پڑ گئے، انہوں نے بڑے اصرار کے ساتھ کہا،

"زیادہ نہیں ایک کپ!"

اب وہ بھی اکڑ گیا تھا۔

"میں چائے بہت کم پیتا ہوں، ابھی پی چکا ہوں ورنہ تکلف ———"

پروین پھر بیچ میں بول پڑی۔

"سیٹھ صاحب اب بہت دیر ہو رہی ہے چلئے، مجھے گھر پہنچنا ہے کچھ مہمان آئے ہیں وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے!"

سیٹھ صاحب کیلئے پروین کا یہ طرز عمل بالکل ایک معمہ تھا۔ انہیں اگر یہ معلوم ہوتا کہ یہ عجیب و غریب عورت یہ گل کھلائے گی، تو وہ ہرگز امتیاز کو اپنے ساتھ نہ لاتے، یہ کمبخت تو بیک وقت دونوں کی توہین کر رہی ہے لیکن اسے صرف دل میں گالیاں دی جا سکتی تھیں، زبان سے نہیں، وہ اس وقت عجیب مخمسہ میں گرفتار تھے، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملہ تھا، ادھر امتیاز اپنی اس توہین پر کٹا جا رہا تھا، وہ دل ہی دل میں بے انتہا نادم ہو رہا تھا کہ وہ قاسم سیٹھ کے ساتھ یہاں کیوں آیا؟ اور اگر آیا تھا تو پروین کا انداز ملاقات دیکھ کر فوراً رخصت کیوں نہ ہو گیا؟ بیٹھا کیوں رہا قطب کی لاٹ کی طرح، اس نے فیصلہ کر لیا یہ دونوں چاہے بیٹھیں یا جائیں وہ خود فوراً چلا جائے گا، لیکن فیصلہ کو ابھی وہ عملی جامہ نہیں پہنا سکا تھا کہ پروین اٹھ کھڑی ہوئی، اس نے امتیاز سے کہا،

"اچھا امتیاز صاحب، اب اجازت دیجئے ——— افسوس ہے آپ سے ملاقات بہت مختصر رہی موقعہ ہوا تو پھر ملاقات ہو گی!"

امتیاز نے ان رسمی الفاظ کا ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ وہ تیز تیز قدم رکھتی آگے بڑھ گئی، سیٹھ صاحب اتنے گھبرائے کہ نہ وہ امتیاز سے کوئی مزید معذرت کر سکے، نہ ہاتھ ملا سکے، نہ الوداع کہہ سکے انہیں بھی فوراً پروین کے پیچھے پیچھے روانہ ہونا پڑا۔

وہ دونوں چلے گئے! ———!،

اور امتیاز وہیں اسی جگہ بدستور گم صم کھڑا رہا!،

کئی منٹ تک اس نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی، جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو!

پھر وہ تاج محل ہوٹل کے ایوان رفعت سے نیچے اُترا، جیسے کوئی جواری قمار خانہ سے ہار کر مغموم اور افسردہ حالت میں باہر نکلتا ہے زندگی کے کسی دور میں امتیاز کو توہین سے پالا نہیں پڑا تھا، لیکن آج اس کی توہین اس عورت نے کر ڈالی جس کی وہ بار بار توہین کر چکا تھا، یہ غم ایسا نہیں تھا جو آسانی سے فراموش ہو جاتا، وہ حساس آدمی بالکل نہ تھا لیکن آج اس سے بڑھ کر حساس کوئی نہ تھا، اسے رونا بھی آرہا تھا اور غصہ بھی، لیکن نہ وہ روسکتا تھا، نہ غصہ کا اظہار کر سکتا تھا، رونا اس کی شان اور وقار کے خلاف تھا، اور غصہ وہ کس پر کرتا؟ اس کے سامنے تھا کون؟ کیا ان حاضرینِ محفل پر، وہ اپنا غصہ اتارتا؟ بیرے کو خواہ مخواہ ڈانٹ دیتا؟ منیجر سے جاکر یونہی الجھ پڑتا؟ یا اپنا گریبان پھاڑ ڈالتا، لیکن یہ سب باتیں بے نتیجہ تھیں، وہ جا چکی تھی، آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی،

اسے یوں کھڑا دیکھ کر ایک شامت زدہ بیرا ادھر آنکلا، اس نے بڑے ادب سے پوچھا،

"صاحب کچھ پینے کے لئے ——————"

امتیاز کو کسی حد تک غصہ اتارنے کا موقعہ مل گیا، اس نے گرج کر کہا،

"نہیں!"

اور پروین سے زیادہ تیز تیز قدم رکھتا وہ آگے بڑھ گیا۔ بیرا بیچارہ

ہکا بکا، حیران و ششندر اس کی طرف دیکھنے لگا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، آخر میں نے کون سی ایسی غلطی کی جس کا یہ تلخ جواب مجھے ملا ہے لیکن وہ امتیاز کی طرح زود حس نہیں تھا، اِدھر امتیاز آنکھ سے اوجھل ہوا اُدھر وہ پھر پوری مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا۔

امتیاز تاج محل ہوٹل سے اتر کر سیدھا ملت کے دفتر پہنچا، اب اس نے مسافر خانہ کی اقامت ترک کر دی تھی۔ دفتر ہی کے ایک کمرے کو اس نے اپنا نشیمن بنا لیا تھا، خلاف معمول دفتر پہنچ کر نہ اس نے تازہ خبروں پر ایک نظر ڈالی، نہ نائٹ ایڈیٹر کو کوئی ہدایت دی نہ نیوز ایڈیٹر سے تبادلہ خیال کیا، نہ پہلے صفحہ کی بڑی سرخی کے بارے میں مترجمین سے مشورہ کیا، چپ چاپ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند کیا، اور خاموشی سے بستر پر دراز ہو گیا۔

وہ جلد سے جلد سو جانا چاہتا تھا تاکہ آج کے تکلیف دہ واقعہ کو فراموش کر دے، لیکن نیند اس سے ہزاروں میل دور تھی، اس نے پرانے اخبارات دیکھے، رسائل اُلٹے، کتابوں کی ورق گردانی کی، کروٹوں پر کروٹیں بدلیں، میرؔ، غالبؔ اور مومنؔ کے اشعار گنگنائے، لیکن ——————

لیکن نیند اس سے بہت دور تھی، وہ جتنا جتنا نیند کے پاس جاتا تھا وہ اتنی ہی اتنی اس سے دور ہوتی جاتی تھی!

باب ۱۹

وارنٹ گرفتاری

جو شہرت، برسوں کی محنتِ شاقہ اور جگر کاوی کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ امتیاز کے زورِ قلم نے چند ماہ میں حاصل کر لی، جو کامیابی پانی کی طرح روپیہ صرف کرنے کے بعد سالوں اور برسوں میں اخبارات کو حاصل ہوتی ہے وہ "ملت" کو ایک برس سے کم کی مدت میں حاصل ہو گئی، ان کامیابیوں نے امتیاز کو اور ملت کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔

سنیچر کا دن تھا، رات کے نو بجے کے قریب امتیاز نے آخری شو کا ایک پروگرام چند احباب کے ساتھ بنایا، وہ ابھی کمرہ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس دو سپاہیوں کے ساتھ دفتر پہنچا، اس نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور چپراسی سے کہا،

"مسٹر امتیاز کہاں ہیں؟"

وہ بولا،

"صاحب اندر کمرہ میں ہیں، جاتا ہوں، ابھی آپ کی اطلاع کئے آتا ہوں"

سب انسپکٹر نے تحکمانہ لہجہ میں کہا،

"ہاں جلدی کرو!"

"بہت اچھا"

کہہ کر امتیاز کے کمرہ میں پہنچا، وہ سب انسپکٹر کو دیکھتے ہی گھبرا گیا تھا اس کی تحکمانہ آواز اور بانکپن نے اور زیادہ اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے، وہ گھبرایا ہوا اندر پہنچا، امتیاز شیروانی پہن رہا تھا، اس نے اسے یوں پریشان اور گھبرایا ہوا جو دیکھا تو پوچھا،

"کیا بات ہے؟"

وہ بڑی گھبراہٹ سے بولا

"وہ آئے ہیں صاحب!"

"کون؟"

"وہ ——— وہ ———"

"ارے کون؟ نام کیوں نہیں لیتا؟"

"ارے صاحب وہ، وہ پولیس ———"

امتیاز نے حیرت سے پوچھا،

"پولیس آئی ہے؟"

وہ بولا،

"جی ——— انسپکٹر صاحب ہیں، اور ان کے ساتھ دو

سپاہی بھی ہیں!"

امتیاز کے دل میں خیال گذرا، لڑائی کا زمانہ ہے، ممکن ہے کوئی مقالہ حکومت کی طبع نازک پر گراں گذرا ہو، اور میری گرفتاری کے وارنٹ جاری کرائے ہوں، ایک سکنڈ کے ساٹھویں حصہ کے لئے اس کے دل میں ذرا سی جھجک پیدا ہوئی، لیکن فوراً ہی اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا، اور ہر تکلیف کے برداشت کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ کرلیا، اس نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے؟"

وہ بولا۔

"صاحب مجھے پولیس سے بڑا ڈر لگتا ہے!"

امتیاز نے پوچھا،

"وہ اپنے ساتھ بم، مشین گن اور توپ تو نہیں لائے ہیں؟"

امتیاز کا یہ اطمینان دیکھ کر چپراسی کو حیرت ہوئی، لیکن اپنے آقا کا اطمینان دیکھ کر اس کا جی بھی ٹھہر گیا، وہ بھی مسکرانے لگا، اس نے کہا،

"نہیں صاحب!"

امتیاز نے کہا،

"جا، کہدے آتے ہیں"

"لیکن وہ بڑی جلدی کررہے ہیں۔"

امتیاز نے اسے ڈانٹا،

"ان سے کہدے بیٹھیں!"
وہ چلا گیا۔ اب اس کا دل پرسکون تھا، اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انسپکٹر صاحب سے کہا،
" تشریف رکھئے ــــــ صاحب نے کہا وہ ابھی آتے ہیں پانچ منٹ میں!"
انسپکٹر صاحب نے پیچ وتاب تو بڑا کھایا لیکن کیا کرتے، چپ چاپ بیٹھ گئے،
امتیاز کے دوست اس وقت تفریح کے موڈ میں تھے، یہ رنگ میں بھنگ دیکھ کر ان کی طبیعت کڑھ گئی،
ایک نے کہا،
"یار کیا بات ہے، یہ انسپکٹر کہاں سے ٹپک پڑا آکر؟"
دوسرا بولا،
" کوئی خاص معاملہ ہے! ــــــ ورنہ پولیس کیوں آتی؟"
تیسرے صاحب نے فرمایا،
"کہیں وارنٹ ــــــــــــ"
امتیاز نے کہا،
" میرا بھی یہی خیال ہے، اور میں اس کے لئے تیار ہوں۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو دھماکے کا کیا ڈر؟ ــــــــــ آؤ، تم لوگ بھی چلو، دیکھیں انسپکٹر صاحب کیا تحفہ لائے ہیں ہمارے لئے؟"

امتیاز اپنے دوستوں کے ساتھ دفتر کے کمرہ میں پہنچا، انسپکٹر صاحب اس کے انتظار میں چشم براہ بیٹھے تھے، اسے آتا دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے،

"آئیے امتیاز صاحب، بڑا انتظار کرایا آپ نے!"

امتیاز نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کہا،

"میں حاضر ہوں! ——— فرمائیے کیا حکم ہے؟"

انسپکٹر نے کہا،

"حکومت نے ملت سے دس ہزار کی ضمانت طلب کی ہے!"

"بہت شکریہ حکومت کا!"

انسپکٹر صاحب نے فرمایا،

"یہ ضمانت ایک ہفتہ کے اندر اندر داخل ہو جانی چاہیئے!"

امتیاز نے کہا،

"اس مدت کے اندر اگر ہم ضمانت داخل کر سکتے تو اخبار جاری رکھیں گے ورنہ بند کر دیں گے ——— اور کوئی حکم؟"

انسپکٹر نے ذرا تامل کے ساتھ کہا،

آپ کی گرفتاری کا وارنٹ بھی ہے!"

بڑی خندہ پیشانی سے امتیاز نے جواب دیا۔

"بسر و چشم ——— گرفتار کر لیجئے، میں حاضر ہوں!"

امتیاز کے دوستوں پر سناٹا چھا گیا، وہ امتیاز

کو بہت عزیز رکھتے تھے، گرفتاری کے سانحہ نے انہیں مضمحل کر دیا، ایک دوست نے انسپکٹر صاحب نے دریافت کیا،

" آپ نے انہیں گرفتار کر لیا، یہ گرفتار ہو گئے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ضمانت پر یہ رہا نہیں ہو سکتے؟"

مقدمہ کی تاریخ پر یہ عدالت میں حاضر ہو جائیں گے!"——

امتیاز نے مداخلت کی،

میں ضمانت پر رہا ہونا نہیں چاہتا!"

انسپکٹر صاحب نے کہا،

یہ وارنٹ ناقابل ضمانت ہے، ورنہ امتیاز صاحب کے انکار کے باوجود میں ضمانت قبول کر لیتا!"

اتنے میں ہانپتا کانپتا شمیم بھی آ گیا، جو امتیاز کا دست راست تھا اور نہایت مخلص رفیق کار تھا، اس نے آتے ہی انسپکٹر صاحب سے پوچھا،

" کہئے کیسے تشریف لانا ہوا آپ کا؟"

انہوں نے فرمایا،

" ملت سے دس ہزار کی ضمانت حکومت نے طلب کی ہے، اور ——"

" اور کیا؟"

" امتیاز کا وارنٹ گرفتاری —— باقی بات شمیم نے نہیں پوری ہونے دی، وہ گھبرا گیا، اس نے کہا،

"آپ امتیاز کو گرفتار کرنے آئے ہیں؟"

وہ بولے،

"جی ہاں!"

پھر مسکرا کر انہوں نے پوچھا،

"اعتراض ہے آپ کو کچھ؟"

شمیم نے کہا،

"آپ صرف امتیاز کو گرفتار کر کے نہیں لے جا سکتے!"

"کیا مطلب؟"

"میرا وارنٹ کہاں ہے؟ مجھے بھی لے چلئے میں بھی گرفتار ہونا چاہتا ہوں!"

امتیاز نے کہا،

"شمیم تم بچوں کی سی باتیں کیوں کر رہے ہو؟ ——— ایسی جذباتی باتیں مردوں کو زیب نہیں دیتیں!"

شمیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے کہا،

"امتیاز!"

اور پھر اس کی آواز بھرا گئی،

امتیاز نے کہا،

"شمیم عقل سے کام لو، میں صرف گرفتار ہوا ہوں قتل تو نہیں کیا جا رہا، تم اتنے بدحواس کیوں ہو گئے؟ ——— میری گرفتاری

کوئی ایسا سانحہ نہیں کہ تم ہوش وحواس کو الوداع کہدو، مجھے گرفتار ہونے دو، تم اپنا کام جاری رکھو، کوشش کرو کہ وقت مقررہ پر ضمانت داخل ہوجائے ——— چلئے انسپکٹر صاحب چلئے!"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے،

"چلئے!"

شمیم نے کہا،

"اگر میں آپ کے ساتھ تھانہ تک چلوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا ——— ؟

"نہیں بالکل نہیں، شوق سے چلئے!"

ایک موٹر میں یہ مختصر سا قافلہ ہیڈ پولیس آفس پہنچا، وہاں رسمی کارروائیوں کے بعد امتیاز حوالات بھیج دیا گیا۔ جاتے وقت اس نے شمیم سے کہا،

"اخبار نہ بند ہونے دینا!"

شمیم نے کہا،

"پوری کوشش کروں گا!"

امتیاز رخصت ہوگیا اور شمیم با دیدۂ پرنم اپنے دفتر واپس آیا۔ امتیاز نے اسے تاکید کی تھی کہ اخبار جاری رکھنا، وہ سوچ رہا تھا، یہ اخبار کس طرح جاری رہے گا، یہ صحیح ہے کہ اخبار کامیاب تھا، یعنی وہ نقصان میں نہیں چل رہا تھا اپنے مصارف پورے کرلیتا تھا۔ پانچ سات ہزار کی رقم

بھی بعض پارٹیوں پر باقی تھی۔ اس رقم کا ایک ہفتہ میں وصول کرنا ناممکن تھا بنک کی کاپی اٹھاکر اس نے دیکھی، صرف دو ہزار روپے تھے اور پرسوں پہلی تاریخ تھی، تقریباً چار ہزار کی بیباقی کرنا تھی، اسٹاف کو اگر تنخواہ نہ دی جائے تو بھی کام نہیں چل سکتا۔ مزدور کو اگر اس کی مزدوری نہ ملے تو نہ وہ جی لگاکر کام کرے گا، نہ اسے کام پر مجبور کیا جاسکتا ہے، ہر طرف شمیم نے نظر دوڑائی مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی، ایک ہفتہ کی مدت اتنی کم تھی کہ اس عرصہ میں اسٹاف کی تنخواہ ادا کرکے دس ہزار روپے حکومت کے خزانہ میں داخل کرنا ناممکن تھا، پھر کیا ہوگا؟

کیا اخبار بند کرنا پڑے گا؟

ساری رات یہی سوچتے گذر گئی مگر شمیم کو کوئی راستہ نظر نہ آیا، وہ بار بار رجسٹر الٹ پلٹ کر دیکھتا تھا لیکن ہر بار اسی نتیجہ پر پہنچتا تھا کہ اس مدت میں رقم کا انتظام کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

پھر ———— ؟

باب ۲۰
کوئی صورت نظر نہیں آتی

شمیم کے دل میں صرف ایک لگن تھی کہ جس طرح بھی ہو اخبار جاری رہے، اس نے قرض کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی، اسنے مشتہرین سے پیشگی رقم وصول کرنے کی کوشش کی مگر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی، اس نے اپنے بعض خاص دوستوں اور امتیاز کے مداحوں سے عارضی طور پر رقم کا بندوبست کرنا چاہا مگر اس میں بھی مایوسی ہی غالب رہی، اب تھکتا جارہا تھا! ——— مایوس ہوتا جارہا تھا!

چوتھے روز وہ امتیاز سے ملنے جیل گیا اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد امتیاز نے پوچھا،

"کہو اخبار کی ضمانت کی کوئی سبیل نکلی؟"

شمیم نے کہا،

"دوڑتے دوڑتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے، لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی!"

"پھر کیا ہوگا؟ ——— امتیاز نے پوچھا،

"شاید عارضی طور پر اخبار کچھ روز کے لئے بند کرنا پڑے!"

شمیم نے جواب دیا،

"لیکن یہ بہت برا ہوگا!"

"میرے دوست میں بھی یہ نہیں چاہتا کہ ایک دن کے لئے بھی اخبار بند ہو، لیکن تمہیں بتاؤ کروں کیا؟ سب کے دروازے کھٹکھٹائے مگر کہیں سے جواب نہیں ملا، زیادہ سے زیادہ کوشش کر کے دیکھ لی مگر مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا، اگر کوئی مجھے خرید لے تو میں بکنے کو تیار ہوں، لیکن قسمت!"

یہ کہتے کہتے شمیم کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔

امتیاز نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا،

"تم بڑے نالائق ہو شمیم، رو کیوں رہے ہو؟"

شمیم نے کوئی جواب نہیں دیا،

امتیاز نے کہا،

انسان کا کام کوشش کرنا ہے، نتیجہ ہمیشہ خدا کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ ہم نے ایک کام خدا کا نام لے کر شروع کیا۔ ہم

چاہتے ہیں کہ وہ جاری رہے، لیکن اگر خدا کی مرضی نہیں ہے تو ہمیں اس کی مرضی کے آگے سر جھکا دینا چاہیئے،

شمیم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"ایک صورت ہو سکتی ہے!"

امتیاز نے پوچھا،

"وہ کیا؟"

شمیم:

اگر ہم اپنے اخبار کو کسی پارٹی کا آرگن بنا دیں تو رقم کا بندوبست ہو سکتا ہے!"

امتیاز:

"کون سی پارٹی؟"

شمیم:

"کئی پارٹیاں یہ چاہتی ہیں، اس سلسلہ میں کئی لوگ میرے پاس آچکے ہیں!"

عزم وہمت کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے امتیاز نے کہا،

"شمیم سنتے ہو؟"

"ہاں سن رہا ہوں کہو!"

"اخبار بند کر دو!"

"ایں ——— ؟"

"ہاں بند کر دو ——— میں ملت کو صرف اپنی ملت کا آرگن بنانا چاہتا ہوں، کسی پارٹی کا آرگن نہیں بنا سکتا!"

"آخر اس میں قباحت کیا ہے؟ ——— کیوں نہ ہم ایسی پارٹی کا آرگن اپنے اخبار کو بنائیں جس کے خیالات و نظریات سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے!"

"اخبار کا کام نکتہ چینی کرنا ہے۔ یہ نکتہ چینی دیانت دارانہ اور مخلصانہ ہونی چاہیئے بغیر کسی رو رعایت کے، بغیر کسی جانبداری کے" ———

"ہاں ٹھیک ہے ———"

اگر ہم دیانتدارانہ نکتہ چینی کو اپنا شعار بنائیں گے تو کسی کے بھی ہم آرگن نہیں بن سکتے!"

"یہ عجیب منطق ہے!"

"بالکل ٹھیک بات ہے ——— تم جانتے ہو قائداعظم کا میرے دل میں کتنا احترام ہے!"

"ہاں ہے ——— خوب جانتا ہوں!"

"لیکن تم سے بڑھ کر اسے کون جان سکتا ہے کہ میں نے قائداعظم پر بھی کبھی نکتہ چینی کی!"

"ہاں ٹھیک ہے!"

"تم یہ بھی جانتے ہو مسلم لیگ کے نظریات اور خیالات کی کس زور شور سے میں نے تبلیغ کی ہے!"

"ہاں خوب جانتا ہوں ـــــــــــ میں کیا ہر مسلم لیگی ہر مسلمان اس حقیقت سے واقف ہے!"

"لیکن بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے اس پر بھی نکتہ چینی کی!"

"یہ بھی ٹھیک ہے!"

امتیاز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"تمہیں معلوم ہے میری گرفتاری کیوں عمل میں آئی ہے؟"

"نہیں!"

"صرف مسلم لیگ کی تائید وحمایت کے جرم میں۔ حکومت برطانیہ کانگریس کو خوش کرنے کے لئے مسلم لیگ کو دبانا چاہتی ہے مسلم لیگ کے حامیوں اور طرف داروں پر قدغن لگانا چاہتی ہے مجھے حکومت نے کئی مرتبہ "وارننگ" دیا۔ میں نے کوئی پروانہ کی اب میں گرفتار کرلیا گیا۔ جو دفعہ مجھ پر عائد کی گئی ہے اس کے ماتحت چھ مہینے سے لے کر دو سال تک کی سزا مجھے دی جاسکتی ہے!"

شمیم خاموش رہا ـــــــ!

امتیاز نے کہا۔

"میں معافی نہیں مانگوں گا کسی قسم کی undertaking بھی نہیں دوں گا، جو سزا ملے گی، ہنسی خوشی برداشت کرلوں گا، رہائی کا کوئی امکان نہیں سزا ضرور ملے گی، مل کر رہے گی،

ـــــــ لیکن ـــــــ"

"کہو کہو، کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہ کہہ رہا تھا کہ مسلم لیگ کی خاطر میں جیل جا سکتا ہوں مسلم لیگ کی خاطر اپنا محبوب اخبار بند کر سکتا ہوں، لیکن مسلم لیگ کی خاطر اپنی نکتہ چینی کے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتا، سمجھے!"

"میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں، لیکن تمہارے حکم سے باہر نہیں جا سکتا، جو تم کہتے ہو وہی کروں گا، بہر حال جب کوئی صورت نہیں نظر آتی تو عارضی طور پر اس کی اشاعت تین دن کے بعد ملتوی کر دوں گا!"

"ہاں ٹھیک ہے، یہی کرو، مجھے کوئی عذر نہیں،"

حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر است

رفتن بپائے مردن ہمسایہ در بہشت

مجھے اخبار ہمیشہ کے لئے بند کر دینا منظور ہے، لیکن میں کسی قیمت پر بھی اسے کسی پارٹی یا جماعت کا آرگن نہیں بنا سکتا!"

شمیم نے کہا،

"بھئی اپنا وعظ بند کرو، سن لیا، اب کچھ اور باتیں کرو!"

"کہو سب خیریت ہے؟"

یہ کہکر مسکرا دیا،

شمیم نے کہا،

"اب مذاق پر اتر آئے —— یہ بتاؤ تمہارے مقدمہ کی پیشی کب ہے؟"

امتیاز نے کہا،

"آج کے تیسرے دن ——— میرا خیال ہے جس دن ملّت کی اشاعت ملتوی ہوگی اسی دن یہ خاکسار سزایاب ہوگا!"

"کیوں ایسی باتیں کرتے ہو؟ لیکن جرم نہ ثابت ہوا اور تم رہا کردئے جاؤ۔"

"نہیں یہ نہیں ممکن ہے!"

"کیوں؟"

"دیکھ لینا ——— حکومت کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ہاتھ اسی وقت ڈالتی ہے جب سزایابی کا فیصلہ کرلیتی ہے"

اس روز عدالت میں تو آؤ گے نا ——— ایں؟"

"ہاں ضرور آؤں گا!"

پھر شمیم رخصت ہوگیا اور امتیاز ایک کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔

باب ۲۱

دوسرے دن

امتیاز اپنے جیل کے کمرہ میں خاموش بیٹھا تھا وہ سوچ رہا تھا۔
اخبار کا کیا ہوگا؟
مجھے کتنی سزا ملے گی؟
اس سزا کا والدہ اور فرزانہ پر کیا اثر پڑے گا؟
اگر اخبار بند ہوگیا تو جیل سے واپس آکر میرا مشغلہ کیا ہوگا؟
پھر وہی بیکاری اور بے روزگاری؟ ——— ؟
پھر وہی آشفتہ حالی اور تلاش معاش؟
وہ اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ اطلاع ملی شمیم اس سے ملنے آرہا ہے، اتنے میں شمیم آگیا،
امتیاز تپاک سے ملا اس کی خوش طبعی پھر عود کر آئی، اس نے کہا

"بھئی آج تم کیسے آگئے؟ ـــــــ تمہیں تو کل کی رات میں ملنا چاہیئے تھا، کوئی خاص بات ہے؟"

شمیم خوش ہوکر بولا،

"ہاں بہت خاص بات، بلکہ خاص الخاص بات!"

"وہ کیا؟ ـــــــ سنا ڈالو جلدی سے! ـــــــ ہمیں بھی اشتیاق ہو رہا ہے!"

شمیم جوش مسرت سے بے قابو ہوکر بولا۔

"اب اخبار جاری رہے گا!"

امتیاز نے تیوری چڑھا کر پوچھا،

"کس طرح؟"

شمیم نے اس کے رنگ رخ کی ذرا بھی پروا نہیں کی، کہے چلا گیا،

"ضمانت داخل ہوگئی!"

امتیاز کو اور تعجب ہوا،

"آخر کیونکر؟"

وہ جوش مسرت سے بیتاب ہوکر بولا،

"یہ نہ پوچھو، بس ہوگئی ـــــــ دشوار ہی رہ دستم ہمرہاں نہ پوچھ ـــــــ اور اس کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی!"

"اب ضمانت داخل کرنے کے باوجود ملت کے پاس دس ہزار کا سرمایہ نقد بھی موجود ہے!"

امتیاز نے کہا،

"کیا چھپّر پھاڑ کر یہ دولت ملی ہے؟ کچھ تو بتاؤ!"

شمیم نے بے تکلفی کے ساتھ کہا،

"ارے بھئی بتاؤں کیا؟ ——— میں نے کل کے اخبار میں پرچہ بند کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا، آج شام کو میں اسٹاف کا حساب کتاب بیٹھا کر رہا تھا کہ ڈاکیہ آیا اور جناب اس نے ایک "انشورڈ لیٹر" میرے ہاتھ میں تھما دیا، میں نے لفافہ کھولا تو دیکھتا کیا ہوں دس ہزار کے نوٹ رکھے ہیں، اور دس ہزار کی گورنمنٹ کی رسید کہ "ملت" سے ضمانت کے دس ہزار وصول پائے اور اس کے ساتھ ایک خط ——— لو دیکھو، پڑھو!"

امتیاز نے شمیم کے ہاتھ سے خط لے لیا، لکھا تھا،

"مکرمی تسلیم!

آج کے پرچہ میں مجھے یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ آپ ملت کو بند کر رہے ہیں کیونکہ ضمانت کی رقم کا انتظام نہیں ہو سکا، قوم کی بے حمیتی اور غفلت کی یہ انتہا ہے، امتیاز جیسے ادیب اور صحافی اگر کسی زندہ قوم میں ہوتے تو آج آپ کے قدموں پر روپے کا نہیں اشرفیوں کا انبار ہوتا۔ لیکن ہماری بے حس قوم صرف واہ اور آہ کرنا جانتی ہے، داد خوب دے گی، آنسو خوب بہائے گی، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی، بقول اکبر

چھپا دیواں مرا تو شورِ تحسیں بزم سے اٹھا
مگر سب ہو گئے خاموش جب مطبع سے بِل آیا

کاش میری مقدرت میرے حوصلہ کے مطابق ہوتی، میں نے دس ہزار کی ضمانت ملت کی طرف سے داخل کر دی ہے، رسید خط کے ساتھ مرسل ہے اور یہ دس ہزار کے نوٹ بھی آپ قبول فرما کر امتیاز کے بیباک قلم اور ملت کی بیباک صحافت کے ایک گمنام لیکن مخلص قدرشناس کو شکریہ کا موقع دیجئے، میری خواہش تو یہ ہے کہ یہ رقم آپ امتیاز صاحب کے مقدمہ پر صرف کیجئے اور ہر قیمت پر انہیں جیل کی سلاخوں سے باہر لائیے۔ لیکن اگر خدانخواستہ سزا ہو جائے تو یہ رقم اخبار کی تعمیر و ترقی پر خرچ کیجئے۔

میں نے خط میں اپنا پتہ بھی غلط لکھا ہے اور نام بھی نام اور پتہ کا اظہار کر کے مجھے اپنے خلوص کی توہین منظور نہیں !

والسلام
نیاز مند
"قدرشناس"

امتیاز نے یہ خط کئی بار پڑھا، پھر
"ہوں !"
کہکر شمیم کے حوالے کر دیا
شمیم نے کہا
"اخاہ ذرا ملاحظہ تو کیجئے آج ہمارے امتیاز صاحب کو! ——

کیسا اترا رہے ہیں !"

وہ بولا،

"کیوں کیا ہوا؟ —— مجھ میں اتراپن تم نے کیا دیکھا !"

شمیم :

جی کیوں نہ ہو! بھئی حق بھی ہے زیادہ سے زیادہ اترانے کا!"

امتیاز :

"وہی تو پوچھتا ہوں کیوں یا کس لئے ؟"

شمیم :

"قدر شناسوں کا حلقہ بڑھ رہا ہے، ایسے ایسے قدرشناس پیدا ہو رہے ہیں جو اپنا نام ظاہر کئے بغیر امتیاز کے قلم پر ہیں ہزار روپیہ نچھاور کر دیتے ہیں !"

امتیاز :

"شمیم، میرا کہا مانو!"

شمیم :

"کہو، کیا حکم ہے ؟"

امتیاز :

"یہ روپیہ واپس کر آؤ جاکر —— !"

شمیم :

"ارے یار کچھ پاگل ہو گئے ہو! کسے واپس کر آؤں جاکر ؟"

امتیاز:
"یہ رقم میں نہیں قبول کرنے دوں گا، یہ واپس کرنی پڑے گی!"
شمیم:
لیکن بندۂ خدا کسے؟ کسے واپس کرآؤں جاکر؟ —— تم اسے جانتے ہو؟"
امتیاز:
"ہاں جانتا ہوں، خوب جانتا ہوں، اچھی طرح جانتا ہوں ——"
شمیم:
فرض کرلیا جانتے ہو، خوب جانتے ہو، اچھی طرح جانتے ہو، لیکن ثبوت؟ میں اس کے پاس رقم لے کر جاؤں اور وہ مجھے دھکے دے کر نکال دے کہ تیرا دماغ خراب ہوا ہے پھر؟"
امتیاز نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش ہوگیا۔
شمیم نے پوچھا،
"لیکن کون ہے وہ؟"
امتیاز نے کہا،
"میں نہیں جانتا!"
شمیم نے امتیاز کو حیرت سے دیکھا،
"ارے —— ابھی تو ایسا معلوم ہو رہا تھا تم اس کی سات پشتوں تک سے واقف ہو، اور اب صاف مکر گئے ——"

یہ آج تمہیں ہوا کیا ہے ؟"

امتیاز نے کہا،

"تم ٹھیک کہتے ہو، اگر تم روپیہ لے کر گئے بھی تو واپس کر دیا جائے گا! تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں، تمہاری بات بھی نہیں سنی جائے گی، مفت کی تلخی اور ہنگامہ سے کیا حاصل ؟"

"یہ تو ٹھیک ہے، مگر بتاؤ تو ان ذاتِ شریف کا اسم گرامی ؟"

"نہیں ابھی نہیں ——— اب اس مسئلہ پر گفتگو نہ کرو ———"

اچھا اب تم جاؤ، کل انشاء اللہ عدالت میں ملاقات ہوگی !"

تسیم نے امتیاز کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر مزید گفتگو مناسب نہ سمجھی اور کل عدالت میں ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا ؟

باب ۲۲

سزا

تیسرے دن عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا،
آج امتیاز کا مقدمہ تھا! ——— !

وکیل، بیرسٹر، اخبار نویس، عوام، خواص سب ہی موجود تھے، ملزمین کے کٹہرے میں امتیاز کھڑا تھا، نہ اس کے چہرے پر ہراس تھا، نہ اضطراب، عدالت کی کارروائی شروع ہوئی، امتیاز نے وکیل کرنے اور صفائی کا بیان دینے سے انکار کر دیا، اس نے عدالت کو مخاطب کر کے کہا، "مجھے جس انداز سے اور جس الزام میں گرفتار کیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت برطانیہ مجھے سزا دینے پر تلی ہوئی ہے، پھر صفائی اور پیروی کے ڈھونگ کو میں بیکار سمجھتا ہوں، عدالت جتنی سزا چاہے دے دے۔"

امتیاز کے اس بیان پر ساری عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ شمیم بچارے نے کافی فیس دے کر شہر کے ایک مشہور بیرسٹر کو پیرو کار مقرر کیا تھا، لیکن غریب بیرسٹر اس بیان کو آنکھیں پھاڑے سنتا رہا۔ دبی زبان سے اُسنے شمیم کو مخاطب کر کے کہا،

"تم نے اسی پاگل کا مجھے وکیل مقرر کیا تھا؟"

شمیم نے کہا،

"جی ہاں بڑی غلطی ہوئی!"

عدالت نے امتیاز کے اس بیان کے بعد ضابطہ کی کارروائی شروع کر دی اور سرسری کارروائی کے بعد ایک سال کی سزائے سخت کا فیصلہ سنا دیا!

عدالت کا فیصلہ سن کر شمیم کی آنکھیں پرنم ہو گئیں لیکن امتیاز بدستور مسکراتا رہا، اس نے اگر کہا تو عدالت کو مخاطب کر کے صرف ایک جملہ،

"میں تو دو سال کی آس لے کر آیا تھا، ایک سال کی سزا کا حکم سن کر مجھے بہت مایوسی ہوئی!"

بیرسٹر نے شمیم سے کہا

"سن رہے ہو؟"

شمیم نے جل کر کہا

"جی ہاں سن رہا ہوں ———— واقعی دیوانہ ہے یہ شخص!"

پولیس کے سپاہی امتیاز کو "پولیس وان" میں بٹھا کر جیل

لے گئے۔

شمیم باہر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کمپاؤنڈ کے ایک گوشہ میں مس پروین کی شاندار بیوک کار کھڑی ہے اور وہ اپنے ریشمی رومال سے اپنی خوبصورت اور دل آویز آنکھیں پونچھ رہی ہے، شمیم نے سوچا،

یہ یہاں کیوں آئی ؟

یہ اپنے آنسو کیوں پونچھ رہی تھی ؟

کیا امتیاز کی مظلومیت پر اسے بھی ترس آگیا ؟

کیا سیاسیات سے یہ بھی دلچسپی لینے لگی ؟

کیا امتیاز کے زورِ قلم نے اس سنگ دل کو بھی مسحور کر لیا ؟

لیکن فوراً ہی شمیم نے یہ خیال اپنے دل سے نکال دیا، اسے وہ دن یاد آگیا جب وہ ملت کے ہفتہ وار ایڈیشن کے لئے اشتہار لینے گیا تھا، پبلسٹی منیجر رضامند ہو گیا تھا۔ سیٹھ صاحب کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا، مگر اسی عورت نے خواہ مخواہ بھانجی ماری تھی، اشتہار دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور جس لب و لہجہ میں انکار کیا تھا اس سے معلوم ہوتا تھا، نہ اسے سیاست سے دلچسپی ہے، نہ ادب سے سروکار، بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ امتیاز کو حقیر اور ہیچ سمجھتی ہے، بھلا ایسی عورت اس کی گرفتاری سے کیا دلچسپی لے سکتی ہے ؟ اس کی سزایابی پر کیونکر آنسو بہا سکتی ہے ؟

نہیں !

یہ اپنے کسی کام سے آئی ہوگی، اس کا کوئی ذاتی معاملہ ہوگا جس پر

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ امتیاز سے یا امتیاز کے مقدمہ سے ان آنسوؤں کو کوئی تعلق نہیں،

عدالت سے شمیم سیدھا دفتر آیا، یہاں آتے ہی گھیرے میں لے لیا گیا، ہر شخص ایک ہی سوال کر رہا تھا

"کیا ہوا؟"

شمیم نے سب کو باری باری بتایا کہ اسے سزا ہو گئی، لیکن یہ جواب پوچھنے والوں کی تشفی نہ کر سکا، اب ضمنی سوالات شروع ہوئے۔

"امتیاز صاحب نے سزا کا حکم کس طرح سنا؟"

"ایک تبسم کے ساتھ!"

"سزا سخت ہے یا محض؟"

"سخت!"

"مجسٹریٹ کا رویہ کیسا تھا؟"

"حاکمانہ!"

"پولیس کا برتاؤ کیسا تھا؟"

"جیسا ہونا چاہیئے!"

"ہمارے بیرسٹر نے مقدمہ کی پیروی کس طرح کی؟"

"بالکل نہیں کی!"

"کیوں؟ ——— فیس تو اس نے پہلے ہی لے لی تھی!"

"خود امتیاز نے عدالت کی کارروائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا!"

غرض جتنے منہ اتنی باتیں، شمیم بڑے استقلال اور متانت سے ان پریشان کرنے والے سوالوں کا جواب دیتا رہا،

سزایابی کے تیسرے چوتھے دن شمیم نے پھر امتیاز سے ملنے کی درخواست دی جو آسانی سے منظور ہوگئی، امتیاز آج بھی اتنا ہی ہشاش بشاش تھا جتنا پہلے نظر آتا تھا،

شمیم نے کہا،

"کہو کیا حال ہے؟"

وہ مسکراتا ہوا بولا،

"بہت اچھا!"

شمیم نے پوچھا،

"مشقت لی جاتی ہے؟"

امتیاز نے جواب دیا،

"کیوں نہیں لی جاتی؟ سزائے سخت ہے کہ بات؟"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"اس سوال کا جواب دینا "مفادِ عامہ" کے خلاف ہے!"

یہ کہہکر اس نے قہقہہ لگایا،

شمیم بگڑ گیا،

"پھر وہی مذاق ——— کبھی تو سنجیدگی سے بات کرلیا کرو ظالم!"

امتیاز نے سنجیدہ بن کر پوچھا،

"یہ بتاؤ دفتر کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے، کام چل رہا ہے، اخبار نکل رہا ہے —— مگر، وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی!"

"کیا مطلب؟"

"لوگ امتیاز کا قلم ڈھونڈھتے ہیں، امتیاز کی تحریریں تلاش کرتے ہیں مگر یہ چیز انہیں نہیں ملتی۔"

"اشاعت پر تو کوئی اثر نہیں پڑا؟"

"پڑا تو لیکن معمولی —— لوگ اگر اخبار میں کوئی نقص دیکھتے ہیں تو بھی محض ہمدردی کے خیال سے بھی اخبار خریدتے ہیں، وہ امتیاز سے اور امتیاز کے اخبار سے اپنا تعلق قائم رکھنا چاہتے ہیں!"

اور پھر کچھ سوچتے سوچتے شمیم نے کہا،

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی!"

"وہ کیا؟"

"جس روز تمہیں سزا ہوئی ہے اس دن واپسی میں میں نے مس پروین کو بھی عدالت کے کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا وہ اپنے موٹر پر افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی اور رومال سے آنکھیں پونچھ رہی تھی غالباً رو رہی تھی —— کیوں؟"

امتیاز نے کہا،

"یہ سوال مجھ سے کر رہے ہو ؟"
شمیم نے پھر کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"ہاں ——— وہ کیوں آئی تھی ؟ اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں تھے ؟"

"اگر معلوم کرنے کا اتنا ہی شوق تھا تو خود اسی سے کیوں نہ دریافت کر لیا ۔ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو ؟ میں نہ اس کا راز دار، نہ مصاحب، نہ شناسا !"

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو ——— بظاہر اسے تم سے یا تمہارے مقدمہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی ——— یہ وہی تو ہے جس نے اشتہار دینے سے صاف انکار کر دیا تھا بلکہ جلی کٹی باتیں بھی سنائی تھیں مجھے !"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو، اپنے کسی نجی کام سے آئی ہوگی !"

"یہی میرا خیال بھی ہے، لیکن پھر رہ رہ کر دل میں خیال آتا ہے کہیں اس کی آمد کا تعلق تمہاری گرفتاری اور سزایابی سے تو نہیں ؟ ——— لیکن جب اس کا پچھلا برتاؤ یاد آتا ہے تو یقین ہو جاتا ہے، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا وہ کسی اور ہی بات کے لئے آئی ہوگی !"
امتیاز نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا،

"ہوگا ——— وہ آئی یا نہیں آئی، روئی یا ہنسی ہمیں اس سے کیا تعلق ؟ ——— کام کی باتیں کرو، سارا وقت تم نے خواہ مخواہ میں پردین

کے تحت بس میں ختم کر دیا۔ اب چند منٹ رہ گئے ہیں کچھ کام کی باتیں کر لو، ورنہ پھر ایک مہینہ کے بعد ملاقات کا موقعہ ملے گا!"

شمیم نے بڑی عاجزی سے کہا،

"اچھا ایک بات بتا دو!"

"پوچھو، کیا بات ہے؟"

"زیادہ سخت کام تو نہیں لیا جاتا؟"

"نہیں، بالکل نہیں ——— جیل کی لائبریری کا انچارج بنا دیا گیا ہوں دن بھر ٹھاٹھ سے کتابیں پڑھتا ہوں ——— بس اگر کوئی تکلیف ہے تو یہ کہ ایک مختصر سی کوٹھری میں شام ہوتے ہی بند کر دیا جاتا ہوں، وہاں نہ روشنی کا کوئی معقول انتظام ہے نہ پاخانے پیشاب کا!"

"چارپائی اور بستر؟"

"چارپائی کا سوال ہی ایک قیدی کے لئے نہیں پیدا ہوتا۔ رہا بستر تو دو کمبل ملے ہیں، ایک بچھاتا ہوں دوسرا اوڑھتا ہوں، اوڑھنے کے بعد مچھروں سے نجات مل جاتی ہے لیکن کھٹملوں کی یورش اس غضب کی ہوتی ہے کہ بس کچھ نہ پوچھئے!"

اتنے میں وقت ختم ہو گیا۔ شمیم بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کچھ نہ کہہ سکا۔ چپ چاپ، دل کی دل میں لئے واپس آ گیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ اُسنے پروین کا ذکر چھیڑ کر یہ قیمتی وقت ضائع کیا، اب کہیں ایک مہینہ کے بعد یہ گھڑی نصیب ہوگی کہ امتیاز سے ملاقات ہو اور اس سے باتیں کی جائیں ———!

باب ۲۳

ہلچل!

ملّت کا کاروانِ صحافت اپنی منزل کی طرف اطمینان سے بڑھ رہا تھا۔ کسی گمنام ہمدردِ ملت نے اسے ضمانت اور مصارف کی طرف سے یک سُو کر دیا تھا۔ جو تنخواہ امتیاز کو ملتی تھی وہ اب بھی اس کے حساب میں جمع ہو رہی تھی۔ اور اس کا ایک حصہ فرزانہ کے نام پابندی سے شمیم امتیاز کی ہدایت کے مطابق بھیج رہا تھا۔

جیل کی زندگی بھی یکسوئی سے بسر ہو رہی تھی، جو کام امتیاز کو تفویض کیا جاتا تھا اسے وہ دیانت اور خوش اُسلوبی کے ساتھ انجام دیتا تھا لیکن ایک روز ایسا حادثہ ہوا جس نے نہ صرف جیل کی پُرسکون دنیا کو بلکہ باہر کی ہنگامہ خیز دنیا کو بھی ایک ہلچل سے دوچار کر دیا۔

بات بہت معمولی تھی لیکن بڑھتے بڑھتے طوفان بن گئی اور طوفان بھی ایسا پرخروش جس نے حکومت اور پبلک دونوں کو ایک عجیب آفت اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

ہوا یہ کہ جیل میں ایک روز معائنہ کے لئے وزیر صاحب جیل خانہ جات تشریف لائے، سارے جیل میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ وزیر صاحب گھومتے ہوئے کہیں امتیاز کی طرف آ نکلے، اسے دیکھ کر مسکرائے، ذرا قریب تشریف لائے امتیاز نے ان کے اس التفات اور تبسم کا ذرا بھی نوٹس نہیں لیا، اس نے وزیر صاحب کی تشریف آوری کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

وزیر صاحب نے پوچھا۔

"کہئے امتیاز صاحب کیسا مزاج ہے؟"

وہ بولا،

"بہت اچھا!"

کہنے لگے،

"آپ نے ہمارے جیل کو کیسا پایا؟"

فوراً اس نے جواب دیا،

"جیسے آپ ہیں، جیسی آپ کی حکومت ہے ویسا ہی آپ کا جیل ہے"

وزیر صاحب کی تیوریاں چڑھ گئیں،

"کیا کہا؟"

امتیاز کی آواز میں کوئی جھجک نہیں تھی،

"آپ غور کیجئے، بحث کی کوشش نہ کیجئے!"

جیلر کا پارہ چڑھ گیا،

"اسے نہ بھولئے، آپ کس سے مخاطب ہیں؟"

امتیاز نے کہا،

"میں ایک انسان سے مخاطب ہوں —— آپ کی طرح،
وزیر جیل خانجات کو خدا نہیں سمجھتا!"

جیلر صاحب گرجے،

"آپ کو سخت سزا ملی ہے، لیکن کام آپ سے بہت ہلکا لیا جاتا ہے
کیا آپ چاہتے ہیں آپ کو بتا دیا جائے سزائے سخت کسے کہتے ہیں؟"

امتیاز مسکرایا،

"آپ جو حربہ چاہیں آزما سکتے ہیں، لیکن مجھے مرعوب کرنے کی کوشش
نہ کیجئے!"

وزیر صاحب بولے،

"آپ تو بہت خفا معلوم ہوتے ہیں!"

امتیاز نے جواب دیا

"آپ کے اِس جیل میں انسانیت کو جس سفاکی سے لٹتے اور پٹتے اور مٹتے میں دیکھتا ہوں اس پر آپ کو مبارکباد نہیں دے سکتا۔ اس پر آپ کی حکومت کی تعریف نہیں کر سکتا۔ اس پر جیلر صاحب کی خوشنودیٔ مزاج حاصل کرنے کے لئے پردہ نہیں ڈال سکتا —————— !"

جیلر صاحب خاموش تھے، وزیر صاحب نے ذرا تند لہجہ میں فرمایا،

"آپ کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے یہاں روز قتل عام ہوتا رہتا ہے!"

امتیاز نے کہا،

"کاش ایسا ہوتا!" –

"یعنی —— یعنی؟"

"قتل بہت معمولی سزا ہے جو کسی کو دی جا سکتی ہے!"

"تو آپ کا مطلب یہ ہے قتل سے بھی بڑی سزائیں یہاں ملتی ہیں؟"

"جناب —————— میرا صرف یہی مطلب ہے!"

جیلر صاحب نے کڑک کر کہا۔

"کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں؟"

امتیاز نے کڑک کر جواب دیا،

"کیا آپ ثبوت پیش کرنے دیں گے؟"

جیلر کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں لیکن انہوں نے اپنے تئیں سنبھالتے

ہوئے کہا،

"میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے!"

وزیر صاحب بولے،

"ہاں ہاں ——— ذرا میں بھی تو دیکھوں آپ کے ان سنگین الزامات میں کہاں تک صداقت ہے؟"

امتیاز مسکرایا،

"کیا آپ اس صداقت کو برداشت کر سکیں گے؟"

اب وزیر صاحب کا سویا ہوا دبدبہ بھی جاگا، انہوں نے فرمایا۔

"ضرور ——— آپ کہئے تو، بتایئے تو!"

امتیاز نے جواب دینے کے بجائے قیدیوں کی صف میں سے ایک زار و نزار لیکن نوجوان شخص کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا، پھر کہا۔

"یہ ہے آپ کے جیلر صاحب کا شاہکار!"

جیلر صاحب کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وزیر صاحب نے پوچھا۔

"یہ کون شخص ہے؟"

جیلر کی زبان میں گویائی پیدا ہوئی،

"ڈاکو ——— قاتل!"

امتیاز نے کہا،

"ہاں اسے ڈاکہ اور قتل کے الزام میں سزا ملی ہے!"

وزیر صاحب نے فرمایا،

"تو آپ چاہتے تھے، اسے سزا نہ ملتی؟ ـــــــــــــ؟"

امتیاز نے جواب دینے کے بجائے قیدی کا کرتہ اتار دیا۔ اس کی پیٹھ پر، پیٹ پر، سینہ پر، بازوؤں پر نیلے نیلے نشانات تھے، کہیں کہیں زخم بھی تھے،

امتیاز نے کہا

"آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ ـــــــــــــ یہ تو وہ چوٹیں ہیں جو آپ کو نظر آرہی ہیں، لیکن اگر اس کا نیکر اتاریئے تو اور بھی بہت ہوش ربا چوٹیں آپ ملاحظہ فرما سکیں گے۔ یہ غیر قانونی سزا اس ڈاکو اور قاتل کو ڈاکہ اور قتل کے الزام میں نہیں ملی ہیں۔ یہ نوازش جیلر صاحب کی بارگاہ عالی سے اس لئے کی گئی کہ اس نے اپنے ہی جیسے دوسرے قیدیوں پر رحم کیا تھا!"

وزیر صاحب،

"کیا مطلب؟"

امتیاز:

مطلب بالکل صاف ہے، اسے قیدیوں کا جمعدار بنایا گیا تھا، یہ چاہتا تھا، ان سے اتنا ہی کام لیا جائے جتنا وہ کر سکتے ہیں، انہیں وہ کھانا دیا جائے جو آدمی کھا سکیں، ـــــــــــــ"

جیلر:

"خاموش ——— تم جیل کے معاملات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتے!"

امتیاز:

"میں نے پہلے ہی کہدیا تھا، میری صداقت برداشت نہ ہو سکے گی!"

وزیر:

"آپ میرے پاس تحریری شکایت نامہ بھیج سکتے تھے، یوں قیدیوں کے سامنے نہ آپ کو اس طرح کی باتیں کرنی چاہیئے تھیں، نہ ان میں بے اعتنائی پھیلانے والا بیان دینا چاہیئے تھا!"

جیلر:

"حضور اس شخص نے جیل کو کلب بنا رکھا ہے، یہ قیدیوں کو اکسایا کرتا ہے ان میں بغاوت کے جراثیم پیدا کر رہا ہے!"

وزیر:

جو قانون شکنی کرے اسے سزا دیجئے، جو شورش پیدا کرنا چاہے سر کچل دیجئے، جو نظم و ضبط میں مداخلت کرے اسے یاد رہنے والا سبق دیجئے ——! کسی کے ساتھ رعایت نہ کیجئے، یہ جیل ہے خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ یہاں لوگ اس لئے آتے ہیں کہ وہ مجرم ہوتے ہیں انہیں تادیب اور تہذیب کی ضرورت

ہوتی ہے، یہاں پارسا اور نیک لوگ نہیں آتے جن کی خاطر کی جائے، جن کے آگے سر جھکایا جائے!"

جیلر صاحب منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے ایک کند ذہن لیکن اطاعت شعار شاگرد کی طرح یہ وعظ سن رہے تھے سنتے سنتے جب چونکے تو بے ساختہ ارشاد فرمایا،

"بے شک!"

یہ "بے شک" کا نعرہ وزیر صاحب کے لئے اذنِ رخصت ثابت ہوا، وہ فاتحانہ شان سے آگے بڑھے، ان کے پیچھے پیچھے جیلر صاحب۔

وزیر صاحب کو رخصت کرنے بعد جیلر نے اپنے کمرے میں امتیاز کو طلب کیا غصہ کے سبب چہرہ گلنار ہو رہا تھا، دیکھتے ہی فرمایا۔

"آپ اپنے لئے کیا سزا تجویز کرتے ہیں ——— بتائیے!"

امتیاز مسکرا دیا۔

جیلر صاحب کے پندار پر یہ تبسم بجلی ہو کر گرا۔ انہوں نے اور زیادہ زوردار آواز میں کہا،

"میں کیا پوچھ رہا ہوں؟ ——— بتلایئے آپ اپنے لئے کیا سزا تجویز کرتے ہیں؟"

امتیاز نے کہا،

"جو آپ تجویز کریں!"

"میں آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں!"

امتیاز نے کہا،

"بیکار باتیں نہ کیجئے، میں آپ کی فطرت اور طینت سے کافی واقف ہو چکا ہوں۔ آپ جتنی اور جیسی سزا چاہیں مجھے دے لیں۔ لیکن میں آپ کی رعونت کے آگے ہتھیار کبھی نہیں ڈالوں گا جب تک جیل میں ہوں۔ یہاں جب موقعہ آئے گا آپ کے خلاف سچ بولنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ اور جب جیل سے باہر جاؤں گا تب بھی آپ کو بے نقاب کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کروں گا۔"

جیلر سہم گیا،

"آپ مجھے دھمکی دیتے ہیں؟"

امتیاز نے جواب دیا،

"یہی سمجھ لیجئے!"

جیلر نے سپاہیوں کو حکم دیا،

"لے جاؤ ان حق گو صاحب کو کال کوٹھری میں، وہاں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوگا!"

امتیاز بولا

"آپ کال کوٹھری میں نہیں کسی تہہ خانے میں مجھے دفن کر دیجئے لیکن میرے

عزم اور ہمت کو شکست نہیں دے سکتے !"

بے پروائی کے ساتھ جیلر نے کہا،

"دیکھا جائے گا !"

امتیاز کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئیں اور وہ کشاں کشاں کال کوٹھری میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔

قید و بند کی اس مدت میں پہلا اتفاق تھا کہ اس کے ساتھ اتنا سخت برتاؤ کیا گیا اور عام اخلاقی قیدیوں کی طرح اسے بھی وہی اذیتیں دی جانے لگیں جو صرف جرائم پیشہ لوگوں کے لئے مخصوص ہیں۔

کال کوٹھری میں مقید ہونے کے بعد امتیاز نے اپنے اوپر ایک نظر ڈالی اور وہ خود اپنا جائزہ لینے لگا، اس نے اپنے دل سے پوچھا،

"مجھے یہ سزا کیوں ملی ہے ؟"

"کیا سچ بولنا جرم ہے ؟"

"کیا کسی مجرم کو بے نقاب کرنا گناہ ہے ؟"

"کیا ظالم کے سامنے مظلوم کی دادرسی کی کوشش قابل تعزیر ہے ؟"

میرا جرم اس کے سوا کیا ہے کہ میں نے جیلر کے سامنے اس کے مظالم بے نقاب کئے اگر میں ایسا نہ کرتا تو اپنے ضمیر کو کیا جواب دیتا ؟ خدا کے سامنے کیا منہ لے کر جاتا ؟

پھر جب میں نے کوئی جرم نہیں کیا تو سزا خاموشی کے ساتھ کیوں بھگت لوں؟ احتجاج کے ساتھ کیوں نہ بھگتوں ——— ؟

لیکن احتجاج کی صورت کیا ہو؟

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ ایک قیدی کھانا لے کر آیا، وہی جیل کا کھانا!

دفعتہً اندھیرے میں روشنی چمکی، امتیاز کو احتجاج کا طریقہ معلوم ہو گیا اس نے کہا،

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا!"

قیدی نے ہمدردی کے ساتھ پوچھا،

"آپ کھانا نہیں کھائیں گے ——— کیوں؟"

"بس نہیں کھاؤں گا!"

"طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے!"

"کچھ تو کھا لیجئے!"

یہ اصرار کرنے والا قیدی خود بھی جیلر سے کم خونخوار درندہ نہیں تھا۔ لیکن امتیاز کی شرافت اور انسانیت دیکھکر اس سے یہ بہت متاثر ہو گیا تھا اسے خواہ مخواہ اپنا لیڈر اور نہ جانے کیوں بہت بڑا آدمی سمجھنے لگا تھا۔

امتیاز کے اس انکار پیہم سے اس کا ماتھا ٹھنکا، اس نے کہا،

"کیا آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

امتیاز نے جواب دیا،

"نہیں بھئی نہیں!"

"صبح؟ صبح کو تو کھائیں گے!"

"نہیں صبح بھی نہیں کھاؤں گا!"

"تو کیا آپ نے بھوک ہڑتال کی ہے؟"

"ہاں!"

قیدی نے کہا

"صاحب آپ کھانا نہیں کھاؤ گے تو ہم بھی نہیں کھائیں گے، کوئی نہیں کھائے گا۔ سب ہی بھوک ہڑتال کریں گے!"

اتنے میں پھر کسی کام سے گھومتا گھامتا جیلر ادھر آگیا۔ اس نے قیدی سے کہا،

"باتیں کیوں ہو رہی ہیں؟"

قیدی نے کہا،

"یہ کھانا نہیں کھاتے!"

"کیوں؟"

پھر اس نے امتیاز سے پوچھا،

"آپ نے بھوک ہڑتال کی ہے شاید؟ —— خیر کوئی مضائقہ نہیں، یہ بھی کر دیکھئے، کال کوٹھری سے تو اب آپ کو نجات ملتی نہیں —! یہ میرا فیصلہ ہے اور میرا فیصلہ عمل میں آکر رہتا ہے!"

پھر اس نے قیدی سے کہا،

"کھانا واپس لے جاؤ۔ اب اس وقت لانا جب یہ خود مانگیں"!

امتیاز خاموشی سے یہ باتیں سنتا رہا جیلر بک جھک کر قیدی کو ساتھ لئے ہوئے واپس چلا گیا!—

باب ۲۴

مہ جبیں!

دو روز تک تو جیلر ٹس سے مس نہ ہوا، لیکن تیسرے روز جب امتیاز کی حالت نازک ہونے لگی تو اس نے زبردستی غذا دینے کی کوشش کی۔ امتیاز نے مزاحمت کی، اس سلسلہ میں اس کے چوٹیں بھی آئیں، اور حالت اور زیادہ خراب ہوگئی۔

جیل کے قیدی دل سے امتیاز کی عزت کرتے تھے جس روز سے اس نے بھوک ہڑتال کی تھی وہ دل ہی دل میں خون کے آنسو بہا رہے تھے وچاہتے تھے جیلر اپنا حکم واپس لے لے لیکن جیلر اپنے فیصلہ میں تبدیلی کرنے پر کسی طرح رضامند نہیں ہوا۔ انہوں نے امتیاز کو بھی اس فیصلہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بھی بات کا دھنی اور آن کا پکا تھا۔ وہ بھی اپنا

فیصلہ بدلنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوا۔

جب یہ کشمکش بڑھی اور صورت حال نے زیادہ نازک صورت اختیار کر لی تو مجبور ہو کر دوسرے قیدیوں نے بھی بھوک ہڑتال شروع کر دی۔

ایسی خبریں لاکھ چھپانے کی کوشش کی جائے زیادہ دیر تک نہیں چھپتیں، جیل سے یہ خبر نکل کر پبلک میں پہنچ گئی اور پبلک میں پہنچتے ہی ایک ہنگامہ کارزار برپا ہو گیا۔ اخبارات نے مقالے لکھے۔ ان مقالوں میں حکومت پر بڑی سختی سے نکتہ چینی کی گئی، جو اخبارات ملّت کے مخالف تھے اور امتیاز پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے انہوں نے بھی اس معاملہ میں حکومت کی پالیسی کو انسانیت کش قرار دیا۔ پبلک کارکنوں نے احتجاجی جلوس نکالے اور عظیم الشان جلسے منعقد کئے جلوس تو خیر جیسے تھے، تھے، لیکن جلسے بڑے زبردست ہوئے اور ان جلسوں میں حکومت پر بڑی سخت لعن طعن ہوئی لیکن حکومت بھی ٹس سے مس نہ ہوئی، اس نے ایک مختصر سا کمیونک شائع کر دیا اور ساری ذمہ داری امتیاز اور جیل کے قیدیوں پر ڈال دی، شمیم نے امتیاز سے ملنے کی کوشش کی لیکن اس کی درخواست مسترد کر دی گئی، جیلر نے کہا،

"آپ کو ملنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی!"

وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر چلا آیا، دوسرے دن وہ پھر پہنچا اس مرتبہ بھی انکار کر دیا گیا۔ پھر وہ اسمبلی کے ایک ممبر کو لے کر وزیر جیل خانہ جات کے

بنگلہ پر پہنچا، خفا تو وہ بھی بہت تھے امتیاز سے لیکن بڑی سعی و کوشش سے انہوں نے اجازت دی۔ تب کہیں جا کر جیل کا آہنی پھاٹک کھلا۔

شمیم امتیاز کو دیکھکر حیرت زدہ رہ گیا۔ چند ہی روز میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا۔ گال پچک گئے تھے، آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے تھے، جنبش کرنے کی طاقت تقریبًا سلب ہو گئی تھی۔ یہ حال دیکھکر شمیم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے کہا،

"امتیاز، یہ تم نے کیا حالت بنا لی ہے اپنی؟"

وہ کمزور اور نحیف آواز میں بولا،

"دیکھو تو رہے ہو!"

شمیم نے پوچھا،

"کیا تم اپنی جان دے کر رہو گے؟"

وہ کہنے لگا،

"اگر عزت کے ساتھ زندہ رہنا ناممکن ہو جائے تو موت سے بڑھ کر کوئی چارۂ کار نہیں!"

شمیم:

"میں منع نہیں کرتا تم لڑتے رہو لیکن جان تو نہ دو!"

امتیاز:

"لڑائی کا آخری انجام اگر فتح کی صورت میں نمودار نہیں ہوتا تو موت ہی کی صورت میں ———— !"

شمیم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا،

"خبردار اب کچھ نہ کہنا!"

اتنے میں ڈاکٹر آگیا،

"گفتگو کرنے سے بھی ان کی کمزوری بڑھتی ہے، بس ملاقات ہوگئی اب تشریف لے جائیے!"

شمیم نے بھی مناسب سمجھا کہ باتیں کرکے امتیاز کو زیادہ پریشان نہ کرے وہ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے واپس آیا۔ دفتر پہنچ کر اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک مضمون لکھا، لیکن وہ مضمون زندگی ہی میں امتیاز کا مرثیہ بن گیا ایسا دردانگیز، ایسا رقت آمیز کہ جس نے پڑھا وہ رو دیا، جس نے پڑھا اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ شمیم نے اپنے مشاہدات کی تصویر کھینچ کر رکھدی تھی اور یہ تصویر اتنی مکمل تھی کہ خود حکومت کو بھی اپنے کرتوت پر شرم آگئی، اس نے اعلان کیا کہ اگر امتیاز اور دوسرے قیدی بھوک ہڑتال ختم کر دیں تو وہ ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنے پر تیار ہے، جو جیلر کے رویّہ اور جیل کے حالات کی تفتیش کرکے اپنی رپورٹ حکومت کے سامنے پیش کرے گا۔

اب پھر بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔

امتیاز کو منانے اور فاقہ توڑنے پر راضی کرنے کی کوششیں دوستوں کی طرف سے ہونے لگیں۔

امتیاز نے کہا،

"یہ سب حیلہ سازی ہے، اگر حکومت تحقیقاتی کمیشن کا قیام ضروری سمجھتی ہے تو اسے میری فاقہ کشی پر اصرار کیوں ہے، میں زندہ ہوں یا مر جاؤں تحقیقات کا کام ہر حالت میں ہونا ہی چاہئیے اور اگر وہ جیلر کو بے قصور سمجھتی ہے، جیل کے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی ضروری نہیں سمجھتی تو اسے کسی حالت میں تحقیقاتی کمیشن نہیں قائم کرنا چاہیئے۔ خواہ میں فاقہ شکنی کروں یا نہ کروں!"

اس کھینچا تانی میں دو دن اور گذر گئے!

امتیاز کی حالت اور زیادہ نازک ہو گئی،

ڈاکٹر کرمانی کا شمار اگرچہ جیل کے حکام میں نہیں تھا لیکن پبلک کے اصرار سے مجبور ہو کر حکومت نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ امتیاز کا معائنہ کر آئیں۔

معائنہ کر کے جب ڈاکٹر کرمانی واپس آئے تو انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ اگر چوبیس گھنٹے کے اندر امتیاز کا فاقہ نہ ٹوٹا تو پھر وہ خطرے کے اس دور میں داخل ہو جائے گا جہاں زندگی کی کوئی آس نہیں ہوتی، اس بیان سے اور زیادہ ہلچل پیدا کر دی، گورنر کو تار پر تار جانے لگے۔ احتجاجی جلوسوں اور جلسوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا، اور شمیم نے اعلان کر دیا کل سے وہ اپنے چند احباب کے ساتھ سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دے گا۔

اس اعلان نے حکومت کو اور زیادہ حواس باختہ کر دیا۔ اس نے سرکاری ڈاکٹروں کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر امتیاز کی کیفیت طلب کی انہوں نے بھی ڈاکٹر کرمانی کی تصدیق کی اور اپنی پرائیویٹ رپورٹ میں لکھا کہ حالت بہت

مایوس کن ہو چکی ہے۔ آنے والے چوبیس گھنٹے بہت سخت ہیں زندگی کی بہت کم امید رہ گئی ہے۔

حکومت نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ امتیاز کی موت کی ذمہ داری حکومت کو اپنے سر نہیں لینی چاہیئے۔ چنانچہ تنگ آکر غیر مشروط طور پر امتیاز کو رہا کر دیا گیا۔

امتیاز رہا ہو گیا۔ اس کے رہا ہوتے ہی جیل کے قیدیوں نے فوراً بھوک ہڑتال کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ وہ صرف امتیاز کا ساتھ دے رہے تھے جب امتیاز رہا ہو گیا اور اس نے بھوک ہڑتال ترک کر دی تو ان کا کام ختم ہو گیا لیکن امتیاز کو یہ رہائی بہت مہنگی پڑی، اس کی صحت برباد ہو گئی۔ رہا ہونے کے بعد کئی ہفتے تک وہ اس قابل نہ ہو سکا کہ اپنے روزمرہ کے فرائض انجام دے سکے کمزوری کے دور ہونے میں بہت دن لگ گئے۔

جب تک امتیاز جیل میں تھا سوا شمیم کے کسی اور کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی جب وہ رہا ہو کر باہر آیا تو ملنے والوں کا تانتا لگ گیا، ایک آیا، دوسرا آیا یہ اٹھا، وہ بیٹھا، اور ایک روز امتیاز دیکھتا کیا ہے کہ امجد صاحب تشریف لائے ہیں اور ان کے ساتھ مہ جبین بھی ہے، ان دونوں کو دیکھا امتیاز کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اب امجد کو بھی بھول چکا تھا اور مہ جبین کو بھی، غم روزگار نے اسے خود فراموش کر دیا تھا، لیکن مہ جبین کو دیکھ کر اس کے دل میں پھر محبت کا مد و جزر لہریں لینے لگا۔

امجد نے کہا،

" تمہیں ضرور حیرت ہوگی کہ میں کیسے ٹپک پڑا ؟"

امتیاز نے جواب دیا،

" حیرت تو ضرور ہوئی، لیکن تم آ گئے یہ بہت اچھا ہوا!"

امجد :

" کیوں اچھا ہوا ؟"

امتیاز :

" خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو!"

مہ جبین :

" اور میرا کہیں ذکر بھی نہیں ؟ کیوں صاحب یہ کون سی تہذیب ہے آپ کی ؟"

امجد :

" جواب دو امتیاز، مہ جبین نے بڑا زبردست اعتراض کیا ہے ؟"

امتیاز :

" مہ جبین کی باتیں ہمیشہ لاجواب ہوتی ہیں ان کا جواب کیا دوں ؟ —— ؟ ہاں ایک بات تو بتاؤ ؟"

امجد :

" فرمائیے، ارشاد!"

امتیاز :

" مہ جبین کہہ رہی تھیں، تم ولایت جا رہے ہو، واقعی ؟"

"ہاں بھئی ورنہ میں کہاں، اور یہ بمبئی کہاں ہے ——— تم اتنے بڑے آدمی ہو چکے ہو کہ صرف تم سے ملنے کے لئے، آنے کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی!"

امتیاز:

"یہ کیوں؟"

امجد:

"کہاں ایک بلند پایہ اخبار کا مدیر شہیر، اور کہاں ایک جاہل؟ —
ہمارا تمہارا جوڑ کیا؟"

امتیاز:

"چھوڑو یہ باتیں ——— یہ بتاؤ وہاں جاکر کرو گے کیا؟"

امجد:

ڈاکٹریٹ کی ڈگری لاؤں گا، سیر کروں گا، وہاں کی لائبریریوں، اور کتب خانوں کا معائنہ کروں گا، وہاں کی تہذیب اور معاشرت کا مشاہدہ کروں گا، وہاں کی ترقیاں دیکھوں گا ———— ۔"

امتیاز:

"اب بس بھی کرو ——— کب جا رہا ہے تمہارا جہاز؟"

امجد:

"پرسوں، سہ پہر کو ——— ارادہ تو طیارہ سے جانے کا تھا، لیکن اماں جان نے قسم دلا دی ہے کہ ہوائی جہاز پر نہ بیٹھنا۔"

امتیاز:

"اور تم نے ایک سعادت مند لختِ جگر کی حیثیت سے اس فرمانِ مادری کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا؟ ——— مجھے بیوقوف بناتا ہے، یہ کیوں نہیں کہتا، ڈر لگتا ہے طیارہ پر اڑتے ہوئے، ——— بزدل کہیں کا!"

مہ جبین ہنسنے لگی،

"آپ سچ کہتے ہیں، بھیّا بڑے بزدل ہیں!"

امجد:

"یہ لیجئے، حالانکہ قسم دلانے میں پیش پیش آپ خود تھیں!"

مہ جبین:

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر آپ بزدل نہ ہوتے تو فوراً کیوں مان جاتے؟ کچھ تو دیر کی ہوتی ماننے میں!"

امتیاز ہنس پڑا،

"اب بتائیے!"

امجد نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا،

"اب کیا کہوں؟ ——— گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے!"

امتیاز، مہ جبین اور خود امجد سب ہنس پڑے،

باب ۲۵

نیا شگوفہ!

امجد ولایت روانہ ہو گیا،

بندرگاہ سے واپسی میں مہ جبین نے امتیاز سے کہا،

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے، میرے ساتھ چلئے!"

امتیاز نے جواب دیا،

"ضرور چلئے!"

بیلارڈ پیئر سے دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر فورٹ پہنچے، مہ جبین نے تمام بڑی بڑی دوکانیں چھان ڈالیں، وہائٹ وے لیڈلا، آرمی اینڈ نیوی اسٹور، نروتم بھوجے جیولرس، کوئی تین چار ہزار کے زیورات اور پارچہ جات مہ جبین نے خرید ڈالے، امتیاز نے کہا،

"اب بس بھی کیجئے!"

وہ تیوری چڑھا کر بولی،

"تھک گئے آپ؟"

امتیاز نے جواب دیا،

"مجھے آپ کا خیال ہے، ——— واقعی آپ تھک گئی ہوں گی، کچھ کل پر اٹھا رکھئے!"

وہ بولی،

"کل تو میں واپس جا رہی ہوں!"

یہ سُن کر امتیاز کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ چاہتا تھا مہ جبین ابھی دو چار روز تو رہے لیکن اسے مہ جبین کو روکنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ کس استحقاق سے وہ اسے روکتا؟ آخر کیا کہتا اس سے؟ وہ خاموش ہو گیا اب یہ لوگ ایون فرنیز میں پہنچے، یہاں بھی کئی چیزیں مہ جبین نے خرید ڈالیں۔

یہاں ایک کپڑا مہ جبین نے پسند کیا، امتیاز سے پوچھا،

"سچ کہئے گا کیسا ہے؟"

"بہت اچھا!"

"اچھا اب رنگ پسند کیجئے، کئی شیڈ ہیں بتایئے، ان میں آپ کو کون سا پسند ہے؟"

امتیاز نے فیروزی رنگ پر انگلی رکھ دی، مہ جبین خوشی سے بے قابو ہو کر بول پڑی،

"میری آپ کی پسند کتنی ملتی جلتی ہے، یہی رنگ مجھے بھی سب میں زیادہ پسند آیا تھا!"

امتیاز نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی،

"امتیاز صاحب آداب عرض!"

اس نے گردن موڑ کر جو دیکھا تو ایک لمحہ کے لئے دم بخود رہ گیا،

یہ پروین تھی!

پروین کی اس اچانک ملاقات اور بے محابا سلام کلام نے اس پر ایک عجیب کیفیت طاری کر دی، وہ اتنا گھبرا گیا کہ سلام کا جواب بھی نہ دے سکا، چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا، اور وہ کھڑی چپ چاپ مسکراتی رہی

پھر پروین نے کہا،

"بڑا اشتیاق تھا آپ سے ملنے کا، شکر ہے ملاقات ہوگئی! —— اگرچہ راستہ گلی میں سہی!"

امتیاز نے کہا،

"میرا بھی آپ سے ملنے کا بڑا جی چاہ رہا تھا، کئی مرتبہ ارادہ کیا لیکن دوسری کئی اور ناگہانی مصروفیتوں کے باعث ارادہ ٹلتا ہی رہا!"

وہ بولی،

"جی ہاں ضروری کام بہرحال مقدم ہیں، رہی میں سو میرا گیا ہے — میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں —————— !"

اور یہ کہکر وہ پھر مسکرا دی!

اِس مسکراہٹ میں کتنا طنز تھا اسے امتیاز نے اچھی طرح محسوس کرلیا۔
اِس مسکراہٹ میں کتنی محبت تھی اسے مہ جبین نے اچھی طرح محسوس کرلیا،

مہ جبین اور امتیاز میں کیا تعلق ہو سکتا تھا اسے پروین نے اچھی طرح محسوس کرلیا تھا!

یہ تین کیفیتیں تین مختلف شخصوں پر طاری تھیں اور ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کیفیت کا احساس کسی اور کو ہو جائے۔

امتیاز نے بات بناتے ہوئے کہا،

"آپ کہاں اِدھر آ نکلیں؟"

وہ بولی،

"آئی تو تھی کپڑا لینے، وہ تو پسند کے مطابق ملا نہیں آپ مل گئے۔"

——— اوہ، میں بھی کتنا بد تمیز ہوں نہ مجھے خیال آیا، نہ آپ نے توجہ کی ——— مہ جبین کی طرف اشارہ کر کے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے ——— آپ کی تعریف؟"

مہ جبین نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا،

"مجھے مہ جبین کہتے ہیں!"

پروین بولی،

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں ——— آپ واقعی مہ جبین ہیں!"

مہ جبین مسکرانے لگی،

پروین نے کہا،

"میرا نام پروین ہے!"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر ——— !"

"اسے ظاہر داری نہ سمجھئے گا، خوشی تو مجھے بھی بہت ہوئی ——— کسی دن امتیاز صاحب سے نیاز حاصل کرنے آؤں گی تو آپ سے بھی نیاز حاصل کروں گی، اب اجازت دیجئے، بہت دیر ہو گئی، اسٹڈیو جانا ہے مجھے!"

یہ کہکر پروین چلی گئی، اس کے جانے کے بعد مہ جبین نے کہا،

"یہ کون صاحبہ تھیں؟"

امتیاز سوچنے لگا، اس سوال کا کیا جواب دے؟ یہ کہے یا نہ کہے کہ یہ ایک فلم ایکٹرس ہے؟

امتیاز کو خاموش دیکھکر مہ جبین نے ذرا تیکھے انداز میں کہا،

"شاید آپ نہیں بتانا چاہتے ——— کوئی حرج نہیں آئیے، چلئے، واقعی بہت دیر ہو گئی!

یہ کہکر مہ جبین تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی ٹیکسی کی طرف بڑھی، امتیاز کو اس طنز بھری بات کا جواب دینے کا موقعہ بھی نہیں ملا وہ خاموشی سے مہ جبین کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

راستہ میں مہ جبین نے امتیاز سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی،

امتیاز نے کئی مرتبہ گفتگو چھیڑنے کا ارادہ کیا، لیکن نہ جانے کیوں، الفاظ زبان تک آ آ کے رک گئے! —— جیسے کوئی مجرم عین موقع واردات پر گرفتار ہو جائے، صفائی میں بیان دینا چاہے، لیکن زبان یاری نہ دے!

باب ۲۶

اضطراب!

پروین کو واقعی اسٹڈیو جانا تھا، اس کی فلم کی شوٹنگ تھی۔ لیکن کار میں بیٹھ کر اس نے ڈرائیور سے کہا،

"گھر چلو!"

ڈرائیور نے پوچھا،

"اور اسٹڈیو؟"

وہ بولی،

"سر میں درد ہو رہا ہے، اب کہیں نہیں جاؤں گی، بس سیدھے گھر چلو——!"

گھر پہنچ کر اس نے اسٹڈیو فون کر دیا،

"آج میری طبیعت خراب ہے میں کام نہیں کر سکوں گی،

شوٹنگ کسی اور دن کے لئے ملتوی کر دی جائے!"

کھانا تیار تھا لیکن اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور اپنے بیڈروم میں جاکر بستر پر لیٹ گئی،

اسٹڈیو میں قاسم سیٹھ کو جب یہ معلوم ہوا کہ نصیب دشمناں پروین کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو وہ سیدھے پروین کے گھر پہنچے،

ملازمہ نے کہا،

" نہ جانے کیا بات ہے آج کھانا بھی نہیں کھایا ہے!"

وہ حیرت سے بولے،

"کھانا بھی نہیں کھایا؟"

وہ کہنے لگی،

"کچھ جھوٹ تھوڑی کہتی ہوں، دیکھ لیجئے ویسا کا ویسا رکھا ہے!"

وہ ذرا برہم ہوکر بولے،

"ارے بھئی تم تو بحث کرنے لگیں، کون اُلّو کا پٹھا تمہیں جھوٹا کہتا ہے، تم سچی، تمہاری سات پشتیں سچی، ہم جھوٹے ہمارے باپ دادا جھوٹے، اب تو ہوئیں خوش ———— ؟"

وہ حیرت سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا آج سیٹھ صاحب کو کیا ہوگیا ہے؟ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں،

سیٹھ صاحب نے پوچھا،

"آخر وہ ہیں کہاں؟"

وہ بیڈروم کی طرف اشارہ کرتی ہوئی ذرا تلخی کے ساتھ بولی،

"وہاں ہیں!"

اور نہ جانے کیا بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی،

سیٹھ صاحب نے اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی، تیر کی طرح سیدھے پروین کے کمرہ میں پہنچے، اور دروازہ میں قدم رکھتے ہی کہا،

"پروین تم کیسی ہو؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی،

"آئیے سیٹھ صاحب ——— اچھی ہوں ذرا سر میں درد ہو رہا ہے!"

وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھے،

"کیوں ہو رہا ہے؟"

وہ مسکرا دی،

"یہ درد سے پوچھئے!"

سیٹھ صاحب اس مذاق سے ذرا بھی لطف اندوز نہ ہوئے، انہوں نے کہا،

"ڈاکٹر نہیں آیا اب تک؟"

وہ حیرت سے بولی،

"نہیں تو ——— کون ڈاکٹر؟ کس ڈاکٹر کو آپ کہہ رہے ہیں؟"

وہ اس کے قریب آ کر بیٹھتے ہوئے بڑی پریشانی کے عالم میں

کہنے لگے،

"ارے بھئی، وہی ڈاکٹر فضل بھائی اور کون؟"

پروین:

"آپ نے ڈاکٹر کو بلایا ہے؟"

قاسم سیٹھ:

"ہاں بھئی بلایا تو ہے!"

پروین:

"کیوں ہ۔۔۔۔۔میں کوئی بستر مرگ پر تو نہیں پڑی تھی، ذرا سا سر میں درد ہونے لگا تو ڈاکٹر اور حکیم کی کیا ضرورت ہے، مجھے یہ خواہ مخواہ کے چونچلے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔۔۔۔۔ لیجئے، لیجئے ابھی نہیں میرے کمرہ سے اپنے ڈاکٹر صاحب کو فون۔۔۔۔۔"

وہ بے بسی کے ساتھ بولے،

"کیا فون کروں؟"

پروین:

"یہی کہ وہ یہاں تشریف لانے کی زحمت نہ گوارا کریں۔۔۔۔۔ ورنہ میرا درد اور بڑھ جائے گا!"

بڑی شفقت کے ساتھ سیٹھ صاحب نے فرمایا،

"تم بالکل الھڑ اور نادان ہو۔۔۔۔۔"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی،

"ہاں میں بالکل دودھ پیتا بچہ ہوں ——— پھر آپ کو کیا؟ ——
پھر کہے دیتی ہوں، میرے پاس ڈاکٹر واکٹر نہ آئیں نہیں تو ——— "

اتنے میں ملازم آکر سامنے کھڑا ہو گیا۔

پروین نے پوچھا

"کیا ہے؟"

وہ بولا

"ڈاکٹر صاحب آئے ہیں!"

پروین نے غصہ سے سیٹھ صاحب کی طرف اور سیٹھ صاحب نے بے بسی سے پروین کی طرف دیکھا اور کہا،

"اب تو آ گئے ہیں؟"

وہ ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ کھٹ کھٹ کرتے ڈاکٹر فضل بھائی تشریف لے ہی آئے، انہوں نے پروین کی طرف دیکھ کر کہا،

"ضرور سر میں درد ہو گا!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی،

"ہاں ڈاکٹر صاحب!"

ڈاکٹر:

"ہاتھ بڑھاؤ ادھر، میں انجکشن لگا دوں، ابھی کافور ہو جائے گا سارا درد!"

پروین نے ہاتھ کھینچ لیا اور بدن سمیٹ لیا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب، مجھے انجکشن کی ضرورت نہیں ہے!"

ڈاکٹر:

"پھر؟ پھر تم کیا چاہتی ہو؟"

وہ بولی،

"سونا ——— مجھے نیند آرہی ہے بڑے زور کی!"

ڈاکٹر نے جانے کے لئے اٹھتے ہوئے کہا،

"اگر نیند آرہی ہے تو درد خود بخود دور ہو جائے گا ——— آیئے سیٹھ صاحب چلیں!"

سیٹھ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور ادب کے ساتھ بولے۔

"آپ تشریف لے جایئے، میں ابھی ذرا بیٹھوں گا!"

ڈاکٹر صاحب چلے گئے،

سیٹھ صاحب بیٹھے رہے ——— !

اور پروین دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی!

سیٹھ صاحب نے کہا،

"واقعی نیند آرہی ہے؟"

وہ جمائی لیتی ہوئی بولی،

"ہاں بہت زیادہ!"

"تو پھر تم سو رہو، میں جاتا ہوں!"

سیٹھ صاحب جب جانے کے لئے اُٹھے تو اس نے کہا،

"چائے تو پی لیجئے!"

وہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئے،

"تم کہتی ہو تو پی لوں گا، لیکن تمہیں بھی پینی پڑے گی!"

"پی لوں گی!"

اس نے گھنٹی بجائی،

ملازمہ آکر سامنے کھڑی ہوگئی، پروین نے کہا،

"چائے!"

ملازمہ چلی گئی تاکہ حکم کی تعمیل کرے اور سیٹھ صاحب انور خاں محبوب اینڈ کمپنی کی بیڑی نکال کر اس سے شغل کرنے لگے۔

تھوڑی دیر میں چائے بن کر آگئی پروین نے لیٹے لیٹے کہا،

"آپ خود بنا لیجئے سیٹھ صاحب!"

وہ بڑی آمادگی کے ساتھ بولے،

"تم لیٹی رہو، میں بنا لوں گا!"

سیٹھ صاحب نے دو پیالیاں بنائیں: ایک اپنے پاس رکھ لی دوسری پروین کی طرف بڑھادی۔ سیٹھ صاحب گھونٹ گھونٹ کرکے پیتے رہے اور پروین نے بستر پر بیٹھے بیٹھے دو گھونٹ میں پیالی ختم کی اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئی، اس نے آنکھیں بند کرلیں گویا واقعی نیند کے مارے آنکھیں بند ہوئی جارہی ہیں۔

سیٹھ صاحب کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں نیند کا کہیں کوسوں پتہ

نہیں تھا لیکن مجبوراً انہیں اٹھنا پڑا،

"اچھا تم سو رہو، میں جاتا ہوں!"

وہ آنکھیں بند کئے کئے بولی،

"ہاں جائیے، طبیعت ٹھیک رہی تو کل آؤں گی!"

سیٹھ صاحب کے لئے یہ مژدہ کافی تھا کہ کل پروین سے ملاقات ہوگی وہ چپ چاپ بیڑی پیتے ہوئے چلے گئے،

ان کے جانے کے بعد پروین نے آنکھیں کھولیں اور عالمِ خیال میں پہنچ گئی، وہ سوچنے لگی، یہ امتیاز صاحب کے ساتھ جو لڑکی تھی کون تھی؟،

بے پروائی کے ساتھ اس نے دل ہی دل میں کہا،

"ہوگی کوئی مجھے کیا؟"

لیکن یہ بے پروائی زیادہ دیر تک نہیں قائم رہ سکی، دل نے پھر چٹکی لی،

"خوب صورت بہت تھی!"

ایک ٹھنڈی سانس لے کر پروین کروٹیں بدلنے لگی۔ دل میں خود بخود یہ سوال پیدا ہوا،

"یہ کون تھی؟"

"امتیاز کی نئی نویلی دلہن تو نہیں؟" اور پھر خیال آیا، ——

"آہا، اب بات سمجھ میں آئی، حضرت جو مجھ سے کھنچے کھنچے رہتے تھے

اس کا راز یہ تھا کہ مہ جبین ! " ــــــــــــــــــ میرے سامنے ہمیشہ امتیاز نے یہ ظاہر کیا گویا اسے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ــــــــــ ہاں اسے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے صرف مہ جبین سے ہے ! "

پھر وہ سوچنے لگی ،

" لیکن میں کیوں یہ باتیں سوچ رہی ہوں ؟ نہ امتیاز میرا کوئی ہے نہ مہ جبین سے میرا کوئی رشتہ ہے ۔ ان دونوں میں کیا تعلق ہے ؟ اس فکر میں اپنا وقت میں کیوں ضائع کروں ؟ ــــــــــ لیکن نیند بھی تو نہیں آرہی ہے ؟ بار بار امتیاز کا خیال آجاتا ہے ۔ بار بار مہ جبین کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے ــــــــــــــــ

کیوں ؟

کس لئے ؟

کس جذبہ کے ماتحت ؟

یہ خواہ مخواہ کی رقابت کیسی ؟

رقابت ؟ ــــــــــ توبہ توبہ ، نہیں میرا کوئی رقیب نہیں !

ان خیالات سے تنگ آکر اس نے گراموفون اٹھالیا اور مختلف قسم کے ریکارڈ سننے لگی ،

لیکن ــــــــــــــــ

لیکن کان ریکارڈ سن رہے تھے اور دماغ امتیاز کا تعاقب

کر رہا تھا، نہ جبین کا سراغ لگا رہا تھا!'

اُس نے گراموفون بند کر دیا، سامنے الماری میں اس کی پسندیدہ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، دو تین کتابیں ایک ساتھ اٹھالائی اور ورق گردانی کرنے لگی لیکن ان میں بھی جی نہ لگا،

پھر ——— ؟

پھر اب کیا کیا جائے ؟

اس نے کتابیں پھر اسی سلیقہ اور اہتمام سے رکھدیں، سامنے میز پر ایک رسالہ کا سالنامہ پڑا تھا اسے اٹھالائی، اور اطمینان سے بستر پر لیٹ کر اسے پڑھنے لگی، یہ افسانہ شروع کیا، ایک صفحہ بھی پڑھنا مشکل ہوگیا۔ پھر وہ تنقیدی مضمون شروع کیا، لیکن ذرا بھی جی نہ لگا۔ یہ غزل، وہ نظم، اِس کی رباعی، اُس کا قطعہ ———

یہ سب فلمی مناظر کی طرح آنکھوں کے سامنے سے گذرتے رہے لیکن کسی میں بھی جی نہ لگا،

ورق اُلٹتے اُلٹتے اس کی نظر غالب کے ایک شعر پر پڑ گئی۔ مضمون ختم ہونے کے بعد ذراسی جگہ باقی رہ گئی تھی، کاتب صاحب نے اپنی طرف سے یا ایڈیٹر صاحب کی حسب ہدایت وہ شعر لکھدیا تھا۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی!

وہ سوچنے لگی،

یہ شعر میرے کتنا حسبِ حال ہے؟ معلوم ہوتا ہے غالب نے صرف میرے ہی لئے کہا تھا؟ بار بار وہ اس شعر کو دل ہی دل میں دوہراتی رہی، جب اس سے تشفی نہ ہوئی تو گنگنانے لگی اور پھر رات کے سنّاٹے میں آہستہ آہستہ اسی شعر کو گانے لگی، بڑا لطف اور کیف حاصل ہو رہا تھا اس شعر سے اسے۔ یہاں تک کہ تارے جھلملانے لگے اور چڑیاں چہچہانے لگیں، مرغ کی بانگِ سحر سن کر وہ اٹھ بیٹھی۔

"اُفوہ، ساری رات بیت گئی اور مجھے ایک پل کے لئے بھی نیند نہ آئی؟ غسل کر لوں، شاید اس سے دماغ ہلکا ہو، اور نیند آ جائے۔"

وہ بڈّٹی کی عادی تھی لیکن آج خلافِ معمول وہ وقت سے بہت پہلے اٹھی اور غسل خانہ چلی گئی، ملازمہ چائے کی پیالی لے کر آئی اور اپنی مالکہ کے انتظار میں لیمپ پوسٹ کی طرح بے حس و حرکت کھڑی ہو گئی!

باب ٢٧

اُکھڑی اُکھڑی باتیں

راستہ بھر وہ دونوں خاموش رہے، دونوں پاس پاس بیٹھے تھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا بہت دور ہیں، اتنے دور کہ ایک دوسرے سے بالکل بے خبر اور شاید بے پروا بھی،

امتیاز بار بار کوشش کرتا تھا کہ وہ مہ جبین سے باتیں کرے، کوئی موضوع بھی چھیڑ دے، یہ خاموشی کا طلسم توڑے، لیکن مہ جبین کی خاموشی کے تیور کچھ ایسے تھے کہ ہمت نہیں پڑتی تھی،

بارہا دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں
لیکن اب کی سرگرانی اور ہے

یہ کس قسم کی سرگرانی ہے؟ مہ جبین، بلبلِ خوشنوا کی طرح چہکتے چہکتے

دفعتہً کیوں خاموش ہو گئی؟ اور اگر وہ کسی وجہ سے خاموش ہے تو مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں کیوں نہیں بولتا؟ میں کیوں نہیں باتیں کرتا؟ میں کیوں نہیں اس خاموشی کے طلسم کو توڑ دیتا؟ ———— میری زبان کی قوتِ گویائی کس نے چھین لی ہے؟

وہ یہ سوچ رہا تھا،

مہ جبین خاموش بیٹھی تھی،

اور کار ہوا سے باتیں کرتی ہوئی اس کی قیام گاہ کی طرف جا رہی تھی، یہاں تک کہ ایک جھٹکا کھا کر ٹیکسی رکی، امتیاز نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے مہ جبین سے کہا،

"آیئے"!

وہ فوراً باہر آ گئی، اپنے کمرہ میں پہنچ کر امتیاز نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مہ جبین نہیں تھی،

بالکل خلاف معمول آج وہ بالا بالا اپنے کمرہ میں چلی گئی!

امجد کی موجودگی میں وہ ہر وقت امتیاز ہی کے کمرہ میں بیٹھی رہتی تھی، اور طرح طرح کی دلچسپ باتیں کیا کرتی تھی۔ امجد کی موجودگی میں اس نے جو پروگرام بنایا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا امجد کے جانے کے بعد بھی وہ کئی روز تک بمبئی میں رہے گی، لیکن وہ کل جا رہی ہے اور اب جو تھوڑے ہی لمحات باقی ہیں وہ بھی دوئی کے عالم میں صرف ہو رہے ہیں۔ کیا وہ مجھ سے خفا ہے؟

لیکن کیوں؟
میں نے کوئی خطا نہیں کی،
مجھ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا،
میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو اسے ناگوار ہو،
مگر ——————

کپڑے بدل کر وہ مہ جبین کے کمرہ میں پہنچا، وہ بستر پر لیٹی ہوئی کتاب پڑھ رہی تھی، امتیاز کو آتا دیکھکر کتاب سرہانے رکھدی اور اٹھ کر بیٹھ گئی،

امتیاز نے ایک مضطرب تبسم کے ساتھ کہا،
"کیا ہو رہا ہے؟"
وہ آنکھیں نیچی کئے کئے بولی،
"ایک کتاب پڑھ رہی تھی!"
کتنا معقول جواب تھا؟
اس جواب کے بعد کسی سوال کا موقعہ کہاں تھا،
امتیاز کو پھر خاموش ہوجانا پڑا، لیکن اس کی مشکل خانساماں نے آکر حل کر دی، اس نے کہا،
"کھانا تیار ہے!"
امتیاز نے اس سے کہا،
"ہاں بھئی کھانا لگاؤ، بڑی بھوک لگی ہے!"

خانساماں چلا گیا، امتیاز نے مہ جبین سے کہا،

"آیئے، کھانا کھالیں!"

وہ بولی،

"مجھے معاف کیجئے ——— ذرا بھی بھوک نہیں ہے، سچ!"

امتیاز نے کہا،

"بھوک تو مجھے بھی نہیں ہے، لیکن دو چار لقمے تو کھا لیجئے!"

مہ جبین اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی، کہنے لگی،

"ابھی تو آپ خانساماں سے کہہ رہے تھے بڑی بھوک لگی ہے یہ آپ جھوٹ کب سے بولنے لگے ہیں؟"

امتیاز گھبرا گیا جیسے کسی نے اس کی بڑی چوری پکڑ لی ہو،

"نہیں میرا مطلب یہ تھا کہ بھوک کا کیا ہے؟ جب چاہا لگ آئی، جب چاہا نہ لگی!"

"بہت خوب! ——— بڑا عجیب اور دلچسپ فلسفہ ہے آپ کا!"

امتیاز کو زبردستی کی ہنسی ہنسنا پڑی۔

"نہیں یہ بات تو نہیں ہے!"

مہ جبین نے پھر ایک وار کیا،

"میں دیکھتی ہوں پہلے کے مقابلے میں آپ کافی بدل گئے ہیں!"

امتیاز کو بات بڑھانے کا موقعہ مل گیا،

"کیا کہا آپ نے؟"

وہ بولی،

"میں کچھ ایسا محسوس کر رہی ہوں، زمانہ نے آپ میں کافی تغیر پیدا کر دیا ہے!"

امتیاز نے ایک تحقیقی نظر اپنے اوپر ڈالی اور کہا،

"تغیر؟ —— تغیر تو ہوتا ہی رہتا ہے، کیا آپ نہیں بدلیں؟"

وہ بولی،

"جی نہیں —— میں جہاں تھی وہیں ہوں!"

اب امتیاز سمجھا، اس پر چوٹ کی گئی تھی،

"آپ کا مطلب ہے ——؟"

"جی —— !"

اب امتیاز کچھ نہ کہہ سکا، اسے خاموش ہو جانا پڑا، پھر اس نے سوچا، اگر خاموش رہتا ہوں، تو کام بگڑ جائے گا، پھر اس نے الفاظ مجتمع کیئے،

"آپ کو غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے!"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولی،

"جی نہیں!"

پھر اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور کہا،

"اُفوہ، گیارہ بج رہے ہیں اب سو جائیے، مجھے بھی نیند آرہی ہے، تھک بہت گئی ہوں شاید!"

امتیاز بڑی کوفت کے عالم میں اپنے کمرہ میں واپس آیا، وہ سوچ رہا تھا، اس مہ جبین کو کیا ہو گیا ہے، بیٹھے بٹھائے یہ اِک دم روٹھ کیوں گئی؟ اور روٹھی بھی اس طرح کہ منائے نہیں منتی، اُسے خیال آیا ممکن ہے پروین کے سوال جواب سے یہ کچھ مشکوک ہو گئی ہو، میری طرف سے اگر یہ بات ہے تو صفائی ابھی ہو جانی چاہیئے اس نے بڑی متانت سے آکر کہا

"نیند تو مجھے بھی آرہی ہے"

وہ بات کاٹ کر بولی،

"اسی لئے تو کہتی ہوں، سو جائیے"

اب امتیاز کی زبان کھلی،

"سو تو جاؤں گا ——— بشرطیکہ آپ سونے دیں!"

وہ ذرا چڑ کر بولی،

"مجھے تو آپ سے پہلے نیند آرہی ہے، میں تو آپ کو نہیں روکتی!"

"ہاں، لیکن آپ نے باتیں ایسی کہی ہیں کہ رات بھر مجھے نیند نہیں آئے گی!"

"کیوں؟ کیا کہا میں نے؟"

امتیاز نے سوچا، زیادہ بحث کرنے سے کیا حاصل، کیوں نہ

پروین کا قصّہ چھیڑ کر صفائی کر لی جائے، اس نے کہا،

"آپ طنز کر رہی ہیں بڑی دیر سے مجھ پر —— آپ کی مس پروین سے ملاقات ——"

"جی ہاں، آپ کے طفیل آج ان کی زیارت ہوگئی، ورنہ پردۂ سیمین پر تو بارہا انہیں دیکھ چکی ہوں، ان کی اکثر فلمیں میں نے دیکھی ہیں!"

وہ سر کھجاتا ہوا بولا،

"جی ہاں وہ فلموں میں کام کرتی ہیں مشہور ایکٹرس ہیں!"

"میں خوب جانتی ہوں انہیں، صرف مشہور ہی نہیں بڑی کامیاب ایکٹرس بھی ہیں!"

"جی بہت!"

"آپ کے اور ان کے درمیان کافی بے تکلفانہ مراسم معلوم ہوتے ہیں!"

امتیاز نے کہا،

"جی ہاں بے تکلفانہ مراسم تو ہیں لیکن یک طرف!" ——

"میں سمجھی نہیں!"

"بات یہ ہے کہ وہ بڑے اخلاق اور تپاک سے ملتی ہیں!"

"اس کا اندازہ تو میں نے کر لیا ——

—— بمبئی میں آکر واقعی آپ نے ہر اعتبار سے اپنی زندگی سنوار لی

کسی اعتبار سے بھی آپ کی زندگی نامکمل نہیں ہے!"

"آپ بالکل غلط راستہ پر جا رہی ہیں، آپ جو کچھ سمجھی ہیں، وہ صحیح نہیں ہے!"

"پھر صحیح کیا ہے؟

"بات صرف اتنی ہے کہ وہ مجھ سے ملتی رہتی ہیں!"

"اور آپ؟"

"میں بھی کبھی کبھی مل لیتا ہوں!"

اتنے میں خانساماں پھر آکر سامنے کھڑا ہو گیا۔

امتیاز نے پوچھا،

"کھانا لگا دیا؟"

"جی لگا دیا!"

"اچھا تم چلو، ہم آئے!"

وہ چلا گیا،

امتیاز نے کہا،

"چلئے، کچھ تو کھا لیجئے!"

وہ بولی،

"میں نہیں کھاؤں گی، ذرا بھی کھانے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہے!"

امتیاز:

دیکھئے سوچ لیجئے،

مہ جبین:

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟"

امتیاز:

"بھوک ہڑتال کا میں اکسپرٹ ہوں، ابھی جیل سے یہی کام سیکھ کر آرہا ہوں، آپ تو کل چلی جائیں گی اور یہاں نہیں کھاتیں تو ریل پر کھائیں گی، گھر پر کھائیں گی، لیکن اگر میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچا تو سمجھ لیجئے، میری جانِ ناتوان کا حشر کیا ہوگا؟ کمزوری ابھی تک نہیں گئی ہے، اب اگر میں نے بھوک ہڑتال کی تو کوئی ڈاکٹر بھی مجھے نہیں بچا سکے گا!"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی،

"آپ تو زبردستی کرتے ہیں——— چلئے!"

امتیاز خوش ہوگیا،

"شکریہ——— آئیے!"

دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچے اور آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

باب ۲۸

خوئے یار!

مہ جبین نے امتیاز کے دل میں پھر ہلچل پیدا کردی تھی اس نے مہ جبین سے محبت ضرور کی تھی، اب بھی کرتا تھا۔ لیکن وہ اس طائرِ بلند بام پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہ پہلے کبھی کر سکا تھا، نہ اب کر سکتا تھا، لیکن اب اتنے دنوں کے بعد یک بیک وہ آگئی۔ اس سے ملاقات ہوئی، باتیں ہوئیں تو اس نے محسوس کیا، یہ وہی مہ جبین ہے جس کے لئے نہ جانے کب تک وہ اختر شماری کرتا رہا تھا۔ جسے صرف ایک نظر دیکھ لینے کے لئے وہ اپنی قیمتی سے قیمتی پونجی نثار کرنے کو تیار رہتا تھا۔ جس کی شوخ اور شگفتہ باتیں سننے کے لئے اس کے دل میں لہریں اٹھا کرتی تھیں۔ جس کے حسنِ بلاخیز نے اس کے دل پر یورش کی تھی اور اسے جیت لیا تھا اور جس نے خود محبت کا قدم آگے بڑھا لیا

تھا۔لیکن ــــــــــ لیکن ــــــــــ وہ اس اقدام کی پذیرائی نہ کرسکا تھا، اس نے مہ جبین کو آگے نہیں بڑھنے دیا، اور خود پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے سے بہت دور ہوگئے،

بہت دُور!

اتنے دُور کہ گویا اب کبھی نہ مل سکیں گے!

لیکن قدرت بڑی ستم ظریف ہے، وہ ہمیشہ ان ہونی اور انوکھی باتیں کرتی رہتی ہے، عین اس وقت جب مہ جبین بھی کلیجہ پر پتھر رکھ کر یادِ ماضی فراموش کرچکی تھی اور امتیاز بھی اس سے مایوس ہوکر غافل ہوچکا تھا، وہ آگئی!

آج بھی وہ حسن و جمال کا وہی دل آویز پیکر تھی، جس نے آج سے کئی سال پہلے اس کو فتح کرلیا تھا!

اب حالات بدل گئے تھے!ــــــــ!

معاشی دشواریاں بڑی حد تک ختم ہوچکی تھیں، مہ جبین کے بھائی اور باپ کا ممنونِ احسان ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، فرزانہ گو ابھی تک نا کتخدا تھی، لیکن اس کی شادی کی ابھی کوئی ایسی جلدی بھی نہیں تھی۔ اور اب امتیاز اس قابل تھا کہ اگر اس کی شادی کا سوال پیدا ہو تو وہ دو چار ہزار قرض لے کر یہ رسم بھی خوبی کے ساتھ انجام دے سکتا تھا۔ غرض اب وہ تمام پریشانیوں سے بڑی حد تک آزاد ہوچکا تھا، اب

اس کی شخصیت نے ایک مستقل صورت اختیار کر لی تھی، اب وہ اپنا ایک مخصوص راستہ رکھتا تھا، اور اس پر یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ چلا جا رہا تھا، اب وہ مہ جبین کے ساتھ شادی کر سکتا تھا، اب اپنے آپ کو کمتر اور ہیچ سمجھے بغیر وہ ساری زندگی اطمینان اور مسرت کے ساتھ مہ جبین کو اپنا کر اور مہ جبین کا بن کر گذارے جا سکتا تھا۔

مگر ——————!

کیا مہ جبین اب بھی وہی ہے؟

کیا وہ اس کے لئے تیار ہے کہ میری رفیقۂ حیات بن سکے؟

کیا اس کی نظر میں اب بھی میری وہی وقعت ہے جو پہلے تھی؟

کیا اس کے دل میں میرے لئے اب بھی وہی جگہ ہے جو پہلے تھی؟

جس روز پہلے پہل مہ جبین بمبئی آئی تھی، جس انداز سے اس نے ملاقات کی تھی اس سے تو یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ذرا بھی نہیں بدلی، اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔

اور امجد کے ولایت جانے کے بعد، بلکہ یوں کہنا چاہئے ایوان فریزر کی دوکان پر پروین سے مڈبھیڑ ہونے کے بعد اس کا جو طرزِ عمل تھا وہ ذرا بھی حوصلہ افزا نہ تھا، بلکہ سراسر یاس انگیز اور حوصلہ شکن تھا۔

پھر اب کیا کیا جائے؟

اگر مہ جبین سے امتیاز کا آمنا سامنا نہ ہوتا تو کوئی شبہ نہیں وہ اس کے دروازے پر دستک نہ دیتا، اس کی سوئی ہوئی محبت نہ جاگتی، لیکن اسے دیکھ کر، اسے پاکر، اس سے باتیں کر کے پھر اس سے مایوس ہو جاتا، پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی دیرینہ آرزوؤں اور تمناؤں سے دست بردار ہو جانا آسان نہ تھا!

وہ خاموش اور متفکر اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا، اور سوچ رہا تھا آج مہ جبین واپس چلی جائے گی، اور پھر اس سے کبھی ملاقات نہیں ہو سکے گی، اتنے میں دیکھتا کیا ہے کہ وہ چلی آرہی ہے لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا نہ دل صاف ہے نہ طبیعت!

مہ جبین کو دیکھ کر وہ سرو قد کھڑا ہو گیا۔

"آئیے!"

وہ بیٹھ گئی،

"لیجئے آگئی، فرمائیے!"

یہ کہکر وہ مسکرادی!

امتیاز دل ہی دل میں سوچنے لگا، یہ کس قسم کا اُلھڑ پن ہے آخر؟ دیکھتے دیکھتے اس کا موڈ کیسا بدل گیا گویا اب تک اس کی برہمی اور ناراضی کے بارے میں جو کچھ میں نے سوچا تھا سب غلط تھا؟

پھر وہ سوچنے لگا،

نہیں غلط نہیں تھا، مہ جبین کے طرز عمل میں یہ تبدیلی ضرور کسی

خاص ذہنی فیصلہ کا نتیجہ ہے، لیکن وہ فیصلہ کیا ہو سکتا ہے؟"
امتیاز یہی سوچ رہا تھا کہ مہ جبین نے کہا
"ارے آپ تو ایسے چپ ہوئے جیسے ہاں جانتے ہی نہیں!"
امتیاز کو موقعہ مل گیا۔ اس نے کہا،
"جی یہ بات تو نہیں!"
وہ پوچھ بیٹھی،
"پھر کیا بات ہے؟"
امتیاز نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا،
" ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں!"
دوسرا مصرعہ مہ جبین نے پڑھ دیا،
" ورنہ کیا بات کر نہیں آتی؟
اور پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی،
یہی کہنا چاہتے تھے نا آپ؟"
" جی ہاں!"
وہ اٹھ کھڑی ہوئی،
" اچھا تو آپ مراقبہ کیجئے، بندی تو چلی!"
امتیاز سے خاموش نہ رہا گیا،
"کہاں؟ کدہر کا ارادہ ہے آپ کا؟"

وہ دروازہ تک پہنچ چکی تھی، وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"شام کی گاڑی سے مجھے جانا ہے، ذرا شاپنگ کروں گی، اس وقت!"

جس طرح شاعر کی زبان پر بے ساختہ شعر الہام کی صورت میں نازل ہو جاتا ہے، اسی طرح امتیاز کی زبان سے بلاارادہ نکل گیا۔

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں بھی ساتھ چلوں!"

وہ تو دل سے یہ چاہتی تھی، لیکن امتیاز کا اشتیاق دیکھکر ساری ذمہ داری اسی کے سر رکھدینی چاہی۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن آپ سوچ لیجئے!"

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر خلافِ مصلحت نہ ہو تو چلئے!"

امتیاز چونک پڑا،

"خلافِ مصلحت؟ —— میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

وہ سنجیدہ ہو کر بولی،

"امتیاز صاحب، میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، آپ تو سنجیدگی سے غور کرنے لگے —— آیئے، چلئے بہت دیر ہو گئی!"

اور یہ کہتے کہتے کمرہ سے باہر نکل گئی، مجبوراً امتیاز کو بھی

اس کی پیروی کرنی پڑی، دونوں ساتھ ساتھ پھر بمبئی کی دوکان کا طواف کرنے لگے۔ آج بھی بہت سی الم غلم چیزیں مہ جبین نے خرید ڈالیں۔ بازار کا وجود صرف عورت کے ذوقِ آسائش و نمائش کا رہینِ منّت ہے! اور بس!۔

باب ۲۹

تجدیدِ محبّت!

گاڑی کی روانگی کا وقت ۶ بجے شام تھا، لیکن بازار میں شاپنگ کرتے کرتے ۸ بج گئے، جب وہ واپسی کے لئے ٹیکسی میں بیٹھی امتیاز نے کہا،

"آج تو آپ جا رہی تھیں؟"

وہ بولی،

"ہاں جا رہی تھی، خیال تو آج ہی کا تھا، لیکن یاد آ گیا سیٹ آج کے لئے نہیں کل کے لئے بک ہوئی تھی؟ —— اگر آپ کو میرا قیام ناگوار ہو تو آج ہی سیٹ حاصل کرنے کی پھر کوشش کروں؟"

امتیاز:

"آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں ——— میری پوچھئے
تو آج کیا کبھی نہ جائیے!"

یہ کہتے کہتے خود امتیاز بھی کچھ شرما گیا اور مہ جبین کے
چہرہ پر بھی سرخی دوڑ گئی، لیکن اس نے اپنی کیفیت کا اظہار نہیں ہونے
دیا، کہنے لگی،

"جی آپ نے صحیح فرمایا، ضرور آپ یہی چاہتے ہوں گے جو آپ نے
فرمایا، لیکن آپ نے شاید حسرت کا وہ مصرعہ نہیں سنا؟"

امتیاز :

"میں نے حسرت کا سارا کلام پڑھا ہے، آپ کس مصرعہ کی
طرف اشارہ کر رہی ہیں؟"

مہ جبین :

"اُونہہ کیا ہے وہ؟ ——— ہاں خوب یاد آیا ———
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں؟"

امتیاز :

"جی بہت خوب ——— میں نے یہ مصرعہ سنا ہے اور
اس کا مقطع تو اتنا لاجواب ہے کہ ہر دم میرے وردِ زبان رہتا ہے
سنئے گا؟"

مہ جبین :

"سنائیے!"

امتیاز :

" میری بیتابی ہے حسرت کامیابی کی دلیل
گریۂ عشاق میں ہوتی ہیں تاثیریں کہیں
سچ کہئے گا، کیسا ہے ؟ "

مہ جبین :

" بالکل آپ کے حسب حال ! "

اتنے میں ایک جھٹکے کے ساتھ کار امتیاز کے مکان کے سامنے رک گئی،

شب کے کھانے کے بعد پھر دونوں میں باتیں شروع ہوگئیں۔

امتیاز :

" تو کل آپ چلی جائیں گی ؟ "

مہ جبین :

" جی ہاں ارادہ تو یہی ہے ! "

امتیاز :

" میں جانتا ہوں آپ ضرور جائیں گی، آپ کے فیصلہ کا بدلنا آسان نہیں ہے ! ——— مگر ——— "

مہ جبین :

" یہ تو صحیح ہے کہ میں ضرور جاؤں گی لیکن میرے فیصلہ کے بارے میں آپ نے جو رائے قائم کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ میرا فیصلہ تو

بہت کمزور ہوتا ہے، میں عورت ہوں اور عورت خود بھی کمزور ہوتی ہے، اس کا فیصلہ بھی، اس کے ارادے بھی، اور اس کی تمنائیں بھی، یہاں تک کہ ــــــــــــــــ"

امتیاز :

"بس اب آگے نہ کہیے، میں سمجھ گیا، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

وہ پوچھ بیٹھی،

"کیا سمجھے آپ؟"

امتیاز :

"ماضی کا تذکرہ ــــــــــ شاید یہی مقصد تھا آپ کا!"

مہ جبین :

"جی نہیں ــــــــ میں ماضی کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ حال کی پروا نہیں کرتی، مستقبل کا انتظار نہیں کرتی، میں تو یوں ہی ایک بات کہہ رہی تھی!"

امتیاز :

"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں ــــــــ یاد ہے والد کے انتقال کے بعد آپ نے مجھے ایک خط لکھا تھا!"

مہ جبین :

"جی ہاں یہ بھی یاد ہے، اور آپ نے جو جواب دیا تھا وہ بھی یاد ہے، اور پھر میں نے جو فیصلہ کیا تھا وہ بھی یاد ہے، ــــــ

یہی تو ایک بات ہے کہ میرا حافظہ کمزور نہیں!"

امتیاز:

"کیا فیصلہ کیا تھا آپ نے؟"

مہ جبین:

"وہ میرا نجی معاملہ ہے، نہ آپ پوچھئے نہ میں بتاؤں گی!"

امتیاز:

"میں نہ پوچھوں، آپ نہ بتائیں، جب بھی وہ ظاہر ہے ——— مطلب یہ کہ تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے!"

مہ جبین:

"میں نہیں سمجھی، ——— کہیں آپ کا مطلب یہ تو نہیں کہ پہلے میں محبت کرتی تھی، آپ دور بھاگتے تھے، اب آپ محبت کرتے ہیں میں دور بھاگتی ہوں؟"

امتیاز:

"جی ہاں یہی مطلب ہے!"

مہ جبین:

"یہ باتیں چھوڑیئے کچھ اور باتیں کیجئے!"

امتیاز:

"مجھے صرف یہی باتیں کرنی ہیں، ان کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا، نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں نہ سننا چاہتا ہوں ——— اگر آپ کو

ناگوار ہوتی ہوں تو خاموش ہو جاؤں!"

مہ جبین:

"ناگوار تو ہوتی ہیں، لیکن آپ خاموش ہو جائیں یہ الفاظ میری زبان سے نہیں نکل سکتے"

امتیاز:

"اخلاقاً؟"

مہ جبین:

"جو سمجھ لیجئے"

امتیاز:

"اب ہم لوگوں کے مابین صرف اتنا تعلق رہ گیا ہے کہ اخلاق برت لیں"

مہ جبین:

"ہم لوگ" نہ کہئے، میں اور آپ کہئے۔ "ہم لوگ" میں ضرورت سے زیادہ اپنائیت ہے، میں اور آپ میں معاملہ کا تعلق ہے!"

امتیاز:

"مہ جبین تم کیوں نہیں کہتیں کہ میں خودکشی کر لوں؟"

مہ جبین:

"خودکشی جب میں نہ کر سکی تو آپ کیا کریں گے؟ ——

ارے آپ کی آنکھوں میں تو آنسو ڈبڈبا آئے، میں یوں ہی مذاق

کر رہی تھی!"

بے ساختہ امتیاز نے پوچھا،

"سچ؟"

وہ بھی اسی خوشی سے بولی،

"ہاں سچ!"

باب ۳۰

لڑائی

پروین سے اور سیٹھ قاسم بھائی سے لڑائی ہوگئی!

اِس سے قبل بھی ان دونوں میں کبھی کبھی لڑائی ہوجایا کرتی تھی، ——— وہ بھی تھوڑی سی مزہ منہ کا بدلنے کے لئے ——— لیکن اِس مرتبہ پروین اس بُری طرح روٹھی تھی کہ منائے نہیں منتی تھی سیٹھ صاحب نے منتیں کیں، التجائیں کیں، معافیاں مانگیں، اپنی پوزیشن اور شخصیت کا خیال نہ کرتے ہوئے بار بار ان کے گھر گئے، مگر وہ ملاقات تک پر راضی نہ ہوئی،

بات بہت معمولی تھی!

ملّت کے ہفتہ وار ایڈیشن میں فلم "شرابی" پر تبصرہ شائع ہوا، یہ فلم سیٹھ صاحب کے اسٹڈیو سے تیار ہوکر باہر آئی تھی۔

پروین نے ہیروئن کی حیثیت سے اس میں کام کیا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی فطری اداکاری کا جوہر جتنا اس میں ابھرا تھا اتنا آج تک کسی فلم میں نہیں ابھرا تھا، کانتا کماری نے پروین کے ساتھ کام کیا تھا وہ اس سے پہلے کئی فلموں میں کام کر چکی تھی، لیکن اس مرتبہ نہ جانے کیوں نہیں کر سکی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اناڑی کام کر رہا ہو، نہ مکالمات کے ادا کرنے میں برجستگی تھی، نہ اداکاری میں شوخی اور دل آویزی تھی، نہ گانے میں رس تھا، نہ رقص میں دلچسپی، غرض کسی اعتبار سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی مشہور اور کامیاب ایکٹریس ہے۔ ہر نقطۂ نظر سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی نوآموز اور ناتجربہ کار ایکٹریس ہے جو اداکاری کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر کامیاب نہیں ہوتی!

ہلت نے اپنے تبصرہ میں پروین کی اداکاری کو خراج تحسین ادا کیا تھا اور کانتا کماری کے لئے نئے تھے، تنقید کے دوران میں قاسم سیٹھ پر بھی کچھ چھینٹے پڑ گئے تھے کہ یہ روپیہ کا غلط استعمال کرتے ہیں، پھر حکومت کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ ایک محکمۂ احتساب قائم کرے، اور فلم سازوں کو اس وقت پرمٹ دے جب اسے یقین ہو جائے کہ یہ فلم معیاری حیثیت کی حامل ہو گئی اور اس سے پبلک کا وقت ضائع نہیں ہوگا۔

اپنی تنقید میں ہلت نے جہاں اداکاری کے سلسلہ میں پروین کو

سراہا تھا اور کانتا کماری پر اعتراض کیا تھا۔ وہاں فلم کی اخلاقی حیثیت پر بڑی کڑی نکتہ چینی کی تھی، اس نے کہا تھا فلم میں صرف یہی چیز نہیں دیکھنی چاہئیے کہ کیمرہ کس کمال فن کے ساتھ استعمال ہوا ہے یا فلاں اداکار نے اداکاری کے جوہر کس طرح دکھائے ہیں یا فلم کی زبان کیسی ہے، سچ پوچھئے تو یہ سب چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں ان میں اولیت اور اہمیت صرف ایک چیز کو حاصل ہے۔

اور وہ ہے اخلاق!

اگر اخلاقی نقطۂ نگاہ سے فلم ناقص ہے تو دوسرے کمالات سے وہ چاہے جتنی بھرپور ہو، حکومت کو اس کی نمائش کی ہرگز اجازت نہیں دینی چاہئیے اور ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ فلم نہ صرف یہ کہ اپنے اندر کوئی اخلاقی قدر نہیں رکھتی بلکہ از اول تا آخر مخرب اخلاق ہے۔ فلم سنسر بورڈ کے ممبروں نے اسے پاس کر کے ایک مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کیا ہے ہماری رائے ہے کہ اس کا دوبارہ سنسر کیا جائے اور مخرب اخلاق حصے کاٹ دیئے جائیں، اور یہ مرحلہ جب تک طے نہ ہو جائے اس وقت تک فوراً فلم نمائش روک دی جائے۔

یوں تو ملت: حکومت کا مخالف اخبار تھا، لیکن حکومت اسکے افکار و آراء کو خاص اہمیت دیتی تھی۔ اس تبصرہ کے دوسرے ہی روز حکومت نے ”شرابی“ کی نمائش تا حکم ثانی ممنوع قرار دے دی اور دوبارہ سنسر کرنے کا حکم نافذ کر دیا، اور صدر سنسر بورڈ کو مشورہ بھی

دیا کہ وہ امتیاز کو شریک مشورہ رکھے، تاکہ بعد میں پھر کوئی شگوفہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔

حکومت کے اس فیصلہ نے سیٹھ قاسم بھائی کو آتش زیرپا کردیا بہت اُچھلے کودے، بہت برہم ہوئے۔ وہ اب تک اردو اخبارات کو گجراتی، مرہٹی اور انگریزی کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، لیکن اس مرتبہ انہیں قائل ہونا پڑا کہ اردو اخبارات میں ایسے اخبارات بھی ہیں جن کی رائے ایوانِ حکومت میں وقعت سے دیکھی جاتی ہے، جن کے نام سے حکومت کانپتی ہے۔

حکومت کے اِس حکم نے جہاں اردو اخبارات کی اہمیت کا سیٹھ قاسم بھائی کو قائل کردیا، وہاں ان کے دل میں ملت اور امتیاز کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات بھی پیدا ہوگئے۔ اب تک سمجھتے تھے اگر کوئی مخالفانہ تنقید بھی کرے گا تو ہمارا کیا بگاڑلے گا۔ وہ اس لئے کہ ہم اس کا اشتہار بند کرکے اسے توبہ کرنے پر مجبور کردیں گے مگر ملت کے ساتھ اشتہار کا سوال ہی نہیں تھا، کیونکہ سیٹھ صاحب کے فلمی اشتہارات ملت میں نہیں چھپتے تھے۔ انہیں رہ رہ کر اس پر غصہ آرہا تھا کہ وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اس نے فلم کی نمائش بند کرا کے بہت بڑی مالی چوٹ دی۔

سیٹھ صاحب اسی سوچ میں بیٹھے دل ہی دل میں امتیاز کو گالیاں دے رہے تھے کہ کانتا کماری آکر بیٹھ گئی اور آتے ہی کہنے لگی۔

"سنا سیٹھ صاحب ——— میں اگر امتیاز صاحب کو مزہ نہ چکھا دوں تو میرا نام کانتا کماری نہیں!"

سیٹھ صاحب نے پوچھا،

"کیا کرو گی تم؟"

وہ بولی،

"سڑک پر جوتے نہ لگوا دیئے میاں کے تب کی بات!"

سیٹھ نے کہا،

"لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟"

وہ بولی،

"معلوم ہو جائے گا، عورت کا احترام کس طرح کیا جاتا ہے؟"

اب سیٹھ صاحب کو بھی دل کا غبار نکالنے کا موقعہ ملا، کہنے لگے۔

"واقعی بڑا نمک حرام ہے یہ شخص بھی، اُلو کا پٹھا کہیں کا ———!"

سیٹھ صاحب شاید ابھی کوئی اور گالی بھی دیتے، لیکن اتنے میں پروین آ گئی، اسے آتا دیکھ کر وہ چپ ہو گئے۔ پروین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کس پر غصہ اُتارا جا رہا ہے سیٹھ صاحب!"

سیٹھ صاحب ابھی جواب نہ دے پائے تھے کہ کانتا کماری بیچ میں بول پڑی،

"وہی کمینہ اور کون؟"

پروین :

"آخر کون ؟ کسے کہہ رہی ہو ؟"

کانتا کماری :

"امتیاز کو اور کسے ؟"

قاسم سیٹھ :

"وہ کمینہ بھی ہے اور ——————"

پروین :

"ہاں کہئے اور کیا ہے کمینہ کے علاوہ ؟"

قاسم سیٹھ :

"نمک حرام ، بدذات ، اُلّو کا پٹھا !"

پروین :

"بس اتنا ہی یا کچھ اور بھی ؟"

قاسم سیٹھ :

"دنیا میں جتنی گالیاں ایجاد ہوئی ہیں ، سب اس پر صادق آتی ہیں ۔"

پروین :

"لیکن آخر کس جرم میں ؟ —————— کیا خطا کی ہے امتیاز صاحب نے آپ کی ؟"

قاسم سیٹھ :

"یہ لیجئے انہیں یہ بھی نہیں معلوم"

پروین:

"ہاں میں نہیں جانتی بتائیے"

کانتا کماری:

"جانتی سب کچھ ہیں مگر مانیں بھی تو"

پروین:

"کانتی بہن، میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا، نہ تم سے کوئی بات کی، تم بیچ میں کیوں بول پڑیں؟"

کانتا کماری:

"یہ بھی اچھی کہی ——— موا گالیاں مجھ کو دے، توہین میری کیے، اور میں نہ بولوں، یہ تمہاری دفعہ ۱۴۴ میرے اوپر نہیں چلے گی کہے دیتی ہوں، ہاں"

پروین:

"تم تو لڑنے مرنے پر تیار ہو، تمہیں اگر کچھ شکایت ہے تو جاؤ امتیاز صاحب کے منہ پر انہیں گالیاں دو، یہاں گالیاں دوگی تو وہ سنیں گے کیسے؟"

کانتا کماری:

"وہ نہیں سنیں گے، تم تو سن رہی ہو، سنا دینا جا کے انہیں ایک کی دس دس!"

پروین :

"تم تو آج ہوا سے لڑ رہی ہو ——— مجھے کیا پڑی ہے کہ میں سناؤں جاکر؟"

کانتا کماری :

"اب اتنی زیادہ بھی نہ بنو بہن، تمہاری تعریف میں تو زمین آسمان کے قلابے ملائے ہیں، تم نہ ان کا پارٹ لو گی تو کون لے گا؟ گالیاں یا میرے حصہ میں آتی ہیں یا بیچارے سیٹھ صاحب کے ——— اور ان بیچارے کا تو فلم بند ہونے سے کئی لاکھ روپے کا مفت میں بیٹھے بٹھائے نقصان بھی ہوگیا!"

پروین :

"تم سے باتیں کرنا بہت مشکل ہے"

کانتا کماری :

"کیوں؟ آخر کیوں؟"

پروین :

"تم بات بات پر الجھتی ہو"

کانتا کماری :

"ہاں میں تو الجھوں گی، میرا دل جلا ہوا ہے ——— ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے ——— میری جگہ تم ہوتیں ———"

پروین:

"تو کیا کرتی میں؟"

کانتاکماری:

"مجھ سے زیادہ تمہاری زبان چلتی"

پروین:

"ہرگز نہیں!"

کانتاکماری:

"مجھ سے زیادہ تم گالیاں دیتیں"

پروین:

"قطعاً نہیں"

کانتاکماری:

"مجھ سے کہیں زیادہ تمہیں غصہ آتا"

پروین:

"کانتی تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو، میں اگر تمہاری جگہ ہوتی تو مجال نہیں تھی کہ حرفِ شکایت زبان پر آتا۔ ممکن نہیں تھا کہ میں گالیاں تو گالیاں سخت سست بھی کہتی، ناممکن تھا کہ میرے منہ سے کوئی ناشائستہ لفظ نکل جاتا۔"

کانتاکماری:

"کیوں آخر؟ کچھ عاشق ہو امتیاز صاحب پر؟"

پروین:

"امتیاز صاحب ہی نہیں، کوئی شخص بھی میرے خلاف مضمون لکھکر مجھ پر نکتہ چینی کرے، میری مخالفت کرکے، مجھے گالیاں دے کے دیکھ لے ——— وہ جتنا جتنا تیکھا ہوتا جائے گا، میں اتنی ہی اتنی شائستہ اور سنجیدہ بنتی جاؤں گی،

قاسم سیٹھ:

"تعجب ہے ——!"

کانتا کماری:

"سیٹھ صاحب آپ کو تعجب ہے، ہمیں یقین نہیں آتا۔"

پروین:

"کیوں یقین نہیں آتا؟"

کانتا کماری:

"یا تم آدمی نہیں ہو، یا ہم آدمی نہیں ہیں۔"

پروین

"میں بھی آدمی ہوں، تم بھی آدمی ہو، یہ فرق جو میرے تمہارے خیالات میں ہے، یہ آدمیت اور انسانیت کا نہیں ہے۔"

کانتا کماری:

"پھر کاہے کا ہے؟"

پروین:

"صرف عقل کا!"

کانتا کماری:

"یعنی ہم بے عقل ہیں؟ ———————— میں بھی اور سیٹھ صاحب بھی، کیوں جی؟"

پروین:

"سیٹھ صاحب کا نام بار بار بیچ میں لے کر تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو، میں وہی بات کہوں گی جو سچ ہوگی چاہے تمہیں اور تمہارے سیٹھ صاحب کو پسند آئے یا ناپسند ہو!"

قاسم سیٹھ:

"خیر، یہ تو دوسری باتیں چھڑ گئیں، تم کیا کہہ رہی تھیں کہو؟"

کانتا کماری:

"ہاں تم اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھو"

پروین:

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ فرق جو کچھ ہے وہ عقل کا ہے"

قاسم سیٹھ:

"یعنی؟"

کانتا کماری:

"کیا مطلب؟"

پروین:

"یعنی مطلب یہ کہ کوئی بات ہماری مرضی کے خلاف ہو، یا کوئی ہم پر نکتہ چینی کرے تو گالیاں دینے، بُرا بھلا کہنے اور غصہ کا اظہار کرنے سے پہلے ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اُس نے ایسا کیوں کیا؟"

قاسم سیٹھ:

"یہ تو معلوم ہے"

کانتا کماری:

"خیانت، بدنیتی، شرارت"

پروین:

"یہی تو میں نہیں مانتی —— جو شخص ہم پر نکتہ چینی کرتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ بدنیت، اور شریر ہی ہو"

قاسم سیٹھ:

"پھر کیا ضروری ہے؟"

کانتا کماری:

"ان کا پروین بہن کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے نکتہ چینی یا مخالفت نیک نیتی سے کی گئی ہو"

قاسم سیٹھ:

"ناممکن!"

پروین:

"جی سیٹھ صاحب میرا مطلب یہی ہے، ہر شخص بدنیت اور شریر

نہیں ہوتا، نکتہ چینی سچائی کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے"

کانتا کماری:

"لو اور سنو"

پروین:

"ہاں بہن میں غلط نہیں کہتی، ہم دیوی اور دیوتا نہیں، ہم فرشتے اور اوتار نہیں، ہم سے غلطی ہو سکتی ہے، ہم غلطی کر سکتے ہیں۔ ہماری فہم اور فکر میں کجی ہو سکتی ہے، ہماری سوچی ہوئی بات غلط ہو سکتی ہے ہمارا اختیار کیا ہوا راستہ ہو سکتا ہے کہ ٹھیک نہ ہو، ہمیں نکتہ چینی اور مخالفت پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے"

قاسم سیٹھ:

"پھر کیا کرنا چاہیئے؟

کانتا کماری:

"ہاں بتاؤ پھر کیا کرنا چاہیئے؟"

پروین:

"پھر اپنا جائزہ لینا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ جو کچھ ہمارے خلاف کہا گیا ہے وہ سچ ہے یا غلط، اگر غلط ہے تو خاموشی سے بہتر کوئی جواب نہیں ——— !"

قاسم سیٹھ:

"اور اگر سچ ہے؟"

کانتا کماری :

"اگر سچ ہے تب ؟

پروین :

"اگر سچ ہے تو ہمیں ایک شریف آدمی کی طرح اپنی غلطی کا اقرار کر لینا چاہیئے، اور آئندہ کے لئے سنبھل جانا چاہیئے کہ ایسی غلطی نہ ہو،

قاسم سیٹھ :

"مان لیا تمہارا اصول صحیح ہے"

کانتا کماری :

"ہاں تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتے ہیں کہ جو کچھ تم نے کہا ٹھیک کہا، مگر یہ بتاؤ، یہاں بحث عام نکتہ چینی اور مخالفت کی نہیں ہے"

قاسم سیٹھ :

"ہمارا سوال صرف مسٹر امتیاز کا ہے، سوال یہ ہے کہ ان کی نکتہ چینی کو کیا سمجھا جائے ؟ ——————"

کانتا کماری :

"تمہارے خیال میں امتیاز صاحب نے ہماری فلم پر جو کچھ لکھا ہے، وہ نیک نیتی پر مبنی ہے یا بدنیتی پر، ؟ سچ سچ کہنا"

پروین :

"ہاں میں بالکل سچ سچ کہوں گی،"

قاسم سیٹھ :

" بس اس سوال کا جواب دو "

کانتا کماری :

" اسی پر فیصلہ ہے "

پروین :

" میں نے ملّت کا تبصرہ ایک سے زائد بار پڑھا اور بڑی سنجیدگی سے پڑھا "

قاسم سیٹھ :

" پھر تم کس نتیجہ پر پہنچیں ؟ "

کانتا کماری :

" ہاں یہ بتاؤ، کام کی بات تو یہ ہے "

پروین :

" میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ امتیاز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک ایک حرف صحیح ہے "

قاسم سیٹھ :

" کیا کہا ؟ "

کانتا کماری :

" یہ تم کیا کہہ رہی ہو "

پروین :

"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہی ہوں، میں پھر کہتی ہوں، امتیاز صاحب نے کوئی بات غلط نہیں لکھی، بالکل ٹھیک کہا۔"

قاسم سیٹھ:

"شاباش!"

کانتا کماری:

"ہاں بھئی حیرت ہے ———— یہ تم کہہ رہی ہو بہن ———؟ سچ مجھے یقین نہیں آتا۔"

پروین:

"کیوں یقین نہیں آتا؟"

کانتا کماری:

"کاش میرے کانوں نے غلط سنا ہو، یہ الفاظ جو میرے کانوں میں گونج رہے ہیں تمہارے منہ سے نہ نکلے ہوں!"

پروین:

"اداکاری سٹ پر کرنا، یہاں تو ہم باتیں کر رہے ہیں باتیں کرو، آخر یقین نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟"

قاسم سیٹھ:

"میں بتاؤں یقین نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟"

پروین:

"ضرور بتائیے۔"

قاسم سیٹھ :

"وجہ یہ ہے کہ تمہاری شہرت، عزت، دولت، وقعت ہر چیز قاسم سیٹھ کے روپے سے بنی ہے، قاسم سیٹھ کی فلم کمپنی نے تمہیں بنایا اور ابھارا ہے، قاسم سیٹھ کی سخاوت اور دریادلی نے تمہیں ملک کی سب سے بھاری ایکٹرس منوایا ہے ———"

پروین :

"ٹھیک ہے ——— آپ کے احسانات کی فہرست اس سے کہیں زیادہ لمبی ہے جتنی آپ نے گنائی، لیکن آگے بھی تو کچھ کہئیے!"

قاسم سیٹھ :

"پھر اگر ایک شخص میری مخالفت کرتا ہے، میری فلم کمپنی کی مخالفت کرتا ہے، میری بنائی ہوئی فلم کی مخالفت کرتا ہے، میری فلم کی نمائش رکوا دیتا ہے اور مجھے لاکھوں روپے کا نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اسکے لئے اپنے دل میں تم اتنی زیادہ جگہ پاتی ہو کہ اسے بدنیت، شریر، اور نمک حرام کہتے ہوئے تمہاری زبان تھراتی ہے، تمہارے ہونٹ کانپتے ہیں ——— اس کی تعریف کرتے کرتے تمہاری زبان خشک ہوئی جاتی ہے، کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے؟"

کانتا کماری :

"ضرور ہے۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی کوئی بات نہیں ہوسکتی!"

قاسم سیٹھ :

"تمہارا فرض تھا کہ میں ایک گالی دیتا تم دس گالیاں دیتیں"

کانتا کماری :

"نہ کہ تم بیٹھی اس کی تعریف کر رہی ہو، اس کی مخالفت کو سچائی قرار دے رہی ہو۔"

قاسم سیٹھ :

"سچ کہتا ہوں اپنی زندگی میں اس سے زیادہ تعجب خیز واقعہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔"

کانتا کماری :

"ہم پوچھتے ہیں آخر وہ سچا کیسے ہے؟"

پروین :

"اس لئے کہ اس نے سچ کہا،

قاسم سیٹھ :

"کیا سچ کہا؟"

کانتا کماری :

"کہا یہ کہ فلم مخرب اخلاق ہے؟"

پروین :

"ہاں ———— فلم واقعی مخرب اخلاق ہے"

قاسم سیٹھ :

"فلم فلم ہے، نہ مولوی کا مکتب نہ پنڈت کا پاٹھ شالہ۔

کانتا کماری:

"وہاں لوگ تفریح کے لئے جاتے ہیں، وعظ سننے اور سبق پڑھنے نہیں جاتے۔"

قاسم سیٹھ:

"اگر فلموں میں تفریح نہ ہو تو کوئی انہیں دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے۔"

کانتا کماری:

"پھر اتنی لمبی لمبی تنخواہ تم کہاں سے لوگی؟"

قاسم سیٹھ:

"اگر مقصد اصلاح ہے تو خیرات پہلے گھر سے شروع ہوتی ہے۔ اداکاری کرنا، ایکٹنگ کرنا کون سا ثواب کا کام ہے اسے بھی چھوڑ دو؟"

کانتا کماری:

"اور کیا۔"

قاسم سیٹھ:

"ساری فلمی دنیا امتیاز پر لعنت بھیج رہی ہے۔"

کانتا کماری:

"اور یہاں اس کی تعریف میں قصیدے پڑھے جا رہے ہیں، واہ رے سیٹھ صاحب کے نمک!"

پروین :

"نمک ؟ ——— کیا مطلب ؟"

کانتا کماری :

"مطلب یہ کہ سیٹھ صاحب کے نمک میں حس نہیں ہے ورنہ جس نے ان کا نمک کھایا ہے وہ تو ان کا ساتھ دیتا، وہ تو ان کی سی کہتا ———!"

پروین :

"نمک کس نے کھایا ہے سیٹھ صاحب کا ؟"

کانتا کماری :

"پروین نے، کانتا کماری نے، سب نے !"

پروین :

"تم نے کھایا ہوگا، میں نے نہیں کھایا !"

قاسم سیٹھ :

"کیا مطلب ؟"

پروین :

"مطلب یہ کہ میں نے آپ کا نمک نہیں کھایا، آپ نے میرا نمک کھایا ہے۔ میں نمک حرام نہیں آپ نمک حرام ہیں سمجھے ؟ ——— یا کچھ اور کہوں ؟ کچھ اور سنئیے گا ؟"

قاسم سیٹھ :

"کہو، اور جو کچھ کہنا چاہتی ہو وہ بھی کہہ لو۔"

کانتا کماری:

"سیٹھ صاحب بڑا دل گردہ ہے آپ کا، آپ ہی یہ باتیں سنئے، مجھ سے تو نہیں سنی جاتیں، اجازت دیجئے میں تو چلی —— کمار سیٹھ سے ایک دفعہ ایک ایکٹرس نے زبان چلائی تھی انہوں نے دفتر ہی میں وہ مرمت کی کہ یاد ہی تو کرتی ہوگی، اور پھر جھوٹی پکڑ کر دفتر سے نکال باہر کر دیا، یہاں آپ کے منہ پر آپ کو نمک خوار اور نمک حرام کہا جا رہا ہے اور آپ چپ چاپ بیٹھے سن رہے ہیں —— مجھے تو دونوں پر تعجب ہے۔ آپ پر بھی اور اِن (پروین) پر بھی!"

پروین:

"میں نے سیٹھ صاحب کے پیٹھ پیچھے کچھ نہیں کہا، منہ پر کہا، وہ اگر مجھے مار سکتے ہیں یا میری جھوٹی پکڑ کر دفتر سے باہر نکال سکتے ہیں تو یہ حسرت بھی دل میں اٹھا نہ رکھیں، میں یہیں بیٹھی ہوں ان سے کہو اٹھیں اور تم ان کی مدد کرو!"

قاسم سیٹھ:

"یہ بیکار باتیں ہیں، مار پیٹ کا کیا ذکر، چپ رہو کانتی —— باقی مس پروین میں ضرور ایک بات تم سے پوچھنا چاہتا ہوں!"

پروین:

"فرمائیے۔"

قاسم سیٹھ:

"میں تمہارا نمک خوار کس طرح ہوں؟ تمہارا نمک حرام کس طرح بنا؟"

پروین:

"یہ گنبد کی صدا ہے، جو جیسی کہے گا ویسی سنے گا بھی!"

قاسم سیٹھ:

"ٹھیک ہے، لیکن میں معلوم کرنا چاہتا ہوں یہ تم نے کس بنیاد پر کہا؟"

پروین:

"بتاؤں کیا؟"

قاسم سیٹھ:

"ہاں ضرور!"

پروین:

"آپ چڑ تو نہ جائیں گے؟"

قاسم سیٹھ:

"میں چڑوں یا خوش ہو کر انعام دوں، یہ دوسری بات ہے لیکن تم بتاؤ ——— ؟"

کانتا کماری:

"ہاں یہ تو معلوم ہو آخر یہ معاملہ اُلٹ کیسے گیا؟ یا تو تم سیٹھ صاحب کی نمک خوار تھیں یا وہ بن گئے، یا تم نمک حرام تھیں یا یہ الزام بھری مجلس میں ان کے سر تم ہی نے تھوپ دیا!"

پروین:

"شاید تمہارا اور سیٹھ صاحب کا یہ خیال ہے کہ میں نے اس کمپنی سے اور سیٹھ صاحب کی جیب سے خوب خوب روپیہ بٹورا؟"

کانتا کماری:

"ہاں یہی بات ہے!"

پروین:

"چونکہ میں نے روپیہ بٹورا لہذا میں سیٹھ صاحب کی نمک خوار بھی بن گئی؟"

کانتا کماری:

"ہاں ٹھیک"

پروین:

"اور چونکہ میں نے امتیاز صاحب کے معاملہ میں سیٹھ صاحب کا ساتھ نہیں دیا، لہذا میں نمک حرام بھی ہوئی —— کیوں ہے نا یہی بات؟"

کانتا کماری:

"بے شک —— یہی بات ہے!"

پروین :

"لیکن سیٹھ صاحب نے یا کمپنی نے یہ روپیہ خیرات کے طور پر مجھے دیا تھا کیا؟"

کانتا کماری :

"خیرات کیسی؟ کام لیا روپیہ دیا"

پروین :

"جب یہ روپیہ میں نے مفت میں نہیں لیا، خیرات کے طور پر نہیں لیا، محنت کی، رات رات بھر جاگی، دن کو دن نہ سمجھی، اپنا سارا ہنر، اپنا سارا کمال، اپنا حُسن، اپنی جوانی، اپنا روپ، ہر چیز میں نے اس روپے کے عوض بے چون وچرا پیش کر دیا، پھر میں نمک خوار کہاں رہی؟ جو سیٹھ صاحب کے پاس تھا انہوں نے دیا، جو میرے پاس تھا میں نے پیش کر دیا، چلو حساب کتاب برابر!"

کانتا کماری :

"واہ یہ کیسے؟"

پروین :

"تم بازار سے ایک چیز خریدتی ہو، تو دوکان دار تمہارا نمک خوار نہیں ہو جاتا!"

کانتا کماری :

"تو اس سے کیا؟"

پروین:

"سیٹھ صاحب نے میرا روپ، میری جوانی، میرا ہنر خریدا، اس کے دام دیے، میں ان کی نمک خوار کس طرح ہو گئی؟"

کانتا کماری:

"واہ بھئی یہ تو بڑے مزے کی بات کہی تم نے"

پروین:

"ہاں یہ بات مزے کی بھی ہے اور سچی بھی ہے!"

کانتا کماری:

"ہوگی ہمیں کیا ——— تم جانو اور سیٹھ صاحب جانیں، یہ لو وہ نمک حرام تک ہو گئے"

پروین:

"میں نے اپنا گُن اور روپ دے کر سیٹھ صاحب کو اس سے کہیں زیادہ دولت لُٹا دی جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی تھی"

قاسم سیٹھ:

"وہ کس طرح؟"

کانتا کماری:

"یہ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیا کہہ رہی ہو؟"

پروین:

"آج تو سب کچھ کہوں گی جو کچھ میرے جی میں آئے گا، جو کچھ

میری زبان پر آئے گا"

قاسم سیٹھ :

"کہو کہو ضرور کہو"

کانتا کماری :

"تمہیں منع کون کرتا ہے کہو بھئی جو جی میں آئے!"

پروین :

"سیٹھ صاحب نے درجنوں فلمیں بنائی ہیں"

قاسم سیٹھ :

"ہاں تو؟"

کانتا کماری :

"بنائی ہیں اور بنائیں گے"

پروین :

"لیکن ذرا سیٹھ صاحب سے پوچھو، جن فلموں میں میں نے کام کیا ہے ان سے کتنا نفع ملا؟ اور جن فلموں میں دوسری ایکٹرسوں نے کام کیا ہے ان سے کتنا نقصان ہوا؟"

کانتا کماری :

"نقصان؟"

پروین :

"ہاں یہ بہی کھاتہ سامنے رکھا ہے دیکھ لو،

ابھی کل کی بات ہے نسیم جی بتارہے تھے، میری فلموں سے اب تک سیٹھ صاحب کو ۱۸ لاکھ نفع ہوچکا ہے اور دوسری فلموں میں ۲ لاکھ کا گھاٹا برداشت کرچکے ہیں ——— لہٰذا اگر ایک ہاتھ سے میں نے ایک روپیہ لیا تو دوسرے ہاتھ سے دس روپے واپس بھی کردیئے! ——— جب یہ بات ہے تو تم ہی کہو بہن میں کس طرح یہ طعنہ سن لوں کہ میں نمک خوار تھی، نمک حرام ہوگئی، مجھے تو جو یہ طعنہ دے گا میں اسی کے منہ پر کھینچ ماروں گی!"

کانتا کماری:

"بھئی ہم یہ باتیں نہیں جانتے۔"

پروین:

"ٹھیک ہے میری اصلی مخاطب بھی تم نہیں ہو، کوئی اور ہے!"

قاسم سیٹھ:

"اس "کوئی اور" کا نام کیوں نہیں لیتیں؟ کہہ دو وہ سیٹھ قاسم ہے۔"

پروین:

"کہنے کی کیا ضرورت ہے؟"

قاسم سیٹھ:

"ایک دنیا جانتی ہے کیوں؟"

پروین:

"بے شک ——————— ایک دنیا جانتی ہی نہیں مانتی بھی ہے!"

یہ کہکر پروین اٹھ کھڑی ہوئی، قاسم سیٹھ کا سارا غصہ یہ کھری کھری باتیں سن کر کافور ہو گیا تھا۔ اب انہوں نے اسے واپس جاتے ہو دیکھا تو گھبرا گئے، اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہنے لگے۔

"کہاں جا رہی ہو؟ ——— چلو آؤ تاج محل چلیں!"

پروین نے خشکی کے ساتھ پوچھا،

"وہاں کیا ہے؟"

وہ نیاز مندی کے ساتھ بولے،

"کچھ نہیں ——— آج کی باتوں سے بڑی بے لطفی رہی وہاں ذرا تفریح رہے گی۔"

پروین نے تیوری چڑھا کر کہا،

"معاف کیجئے میں تفریح کرنا نہیں چاہتی ———!"

قاسم سیٹھ نے ایک اور فارمولا صلح کا پیش کر دیا،

"اچھا نہ سہی ——— ذرا کار پر تھوڑی دور سیر کر آئیں!"

وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی،

"میں سیر بھی نہیں کروں گی!"

لیکن سیٹھ صاحب ہار ماننے والے کب تھے ذرا بھی مایوس

نہ ہوتے۔

"اچھا میں تمہارے گھر چلتا ہوں، وہیں ذرا دیر نشست رہے گی"

پروین نے چلتے چلتے کہا،

"یہ بھی نہیں ہو سکتا!"

انہوں نے جھجکتے جھجکتے پوچھا،

"یہ کیوں بھلا؟"

وہ بولی،

"نہ اب آپ میرے گھر آ سکتے ہیں نہ میں آپ کی دہلیز پر کبھی قدم رکھوں گی۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی جو آج ہوئی!"

سیٹھ صاحب تقریباً روہانسے ہو گئے،

"پروین، مس پروین!"

وہ جاتے جاتے بولی،

"میرا فیصلہ اٹل ہے!"

اور وہ چلی گئی!

جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گئی سیٹھ صاحب اس کی طرف دیکھتے رہے پھر دھم سے صوفے پر گرے اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے،

کانتا کماری نے کہا،

"سیٹھ صاحب جانے دیجئے، آیئے چلئے ذرا گھوم آئیں، ورلی کی طرف!"

سیٹھ صاحب نے اسے نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اب جا سکتی ہو!"

یہ جواب سنکر وہ شرمندہ سی ہوگئی اور چپ چاپ واپس چلی گئی،

کانتا کماری کے جانے کے بعد سیٹھ صاحب سیدھے پروین کے گھر پہنچے، لیکن اس نے ملنے سے صاف انکار کر دیا، انہوں نے ٹیلیفون کیا مگر اس نے سیٹھ صاحب کی آواز پہچانتے ہی ریسیور اٹھا کر رکھدیا، انہوں نے دستی خط بھیجے جنہیں پڑھے بغیر اس نے واپس کر دیا۔ انہوں نے کئی لوگوں کو بیچ میں ڈالا مگر اس نے کوئی واسطہ کوئی سفارش اور کوئی شفاعت بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک مہینہ ہوگیا مگر نہ سیٹھ صاحب نے پروین کی صورت دیکھی نہ پروین نے سیٹھ صاحب کے جمالِ جہاں آرا کا نظارہ کیا!

اس مرتبہ وہ اس طرح روٹھی تھی کہ سیٹھ صاحب کو صرف یہ شعر ہی یاد رہ گیا تھا،

بارہا دیکھی تھیں ان کی رنجشیں
لیکن اب کے سرگرانی اور ہے

باب ۳۱

ریل کا سفر

مہ جبین امتیاز سے مسکراتی ہوئی رخصت ہوئی۔ امتیاز نے مسکراتے ہوتے اُسے رخصت کیا۔ لیکن دونوں کا دل رو رہا تھا، دونوں کے دلوں میں ایک ایسا طوفان برپا تھا جس کا مقابلہ کرنا، جسے روکنا، جس سے عہدہ برآ ہونا ناممکن نظر آ رہا تھا۔ لیکن دونوں کو اپنے دل پر قدرت تھی۔ اِس مہیب اور خطرناک طوفان کو ایک چھوٹے سے مجرد ——— دل ——— میں سمیٹے ہوتے، دونوں ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے تھے!

مہ جبین کو رخصت کرنے کے بعد امتیاز جب گھر آیا تو اُسے فرزانہ کا خط ملا، لکھا تھا:—

"آپ فوراً آئیے، امّی کی طبیعت بیحد خراب ہے!"

امتیاز نے خط دیکھتے ہی رختِ سفر باندھا۔ ٹیلیفون کرکے سیٹ بک کرائی اور وقت مقررہ پر وکٹوریہ ٹرمنس پہنچ گیا۔ وہ گاڑی چھوٹنے کے وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے اسٹیشن پہنچ گیا تھا۔ یہ وقت کس طرح کٹے؟ یہی سوچتا ہوا وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ وھیلر بک اسٹال پہنچا، وہاں سے کئی انگریزی رسالے خریدے، کچھ کتابیں لیں، پلیٹ فارم پر اس وقت پہنچا جب گاڑی سیٹی دے چکی تھی، گاڑی جب رینگنے لگی تو وہ لپکا، خوش قسمتی سے اس کا کوپا پیچھے تھا، جیسے ہی وہ سامنے آیا اُچک کر پائدان پر اور وہاں سے دروازہ کھول کر اندر!

اندر پہنچتے ہی وہ یہ دیکھکر حیران و ششدر رہ گیا کہ پروین نہایت اطمینان سے اس کے بستر پر بیٹھی ہے، وہ اسے دیکھکر مسکرائی اور کہنے لگی۔

"آئیے، آئیے، آپ تو ایسا معلوم ہوتا ہے مجھے دیکھکر کچھ سہم سے گئے، میں کوئی ہوّا تو نہیں ——— اگر آپ کو اعتراض ہو تو لیجئے آپ کی سیٹ سے اُتری جاتی ہوں!"

یہ کہکر وہ اُٹھنے لگی، امتیاز نے کہا۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں ——— بیٹھئے!"

وہ اترتے اترتے پھر بیٹھ گئی اور بولی۔

"کہاں جارہے ہیں آپ ؟"
امتیاز نے کہا۔
"چھوٹی بہن کا خط آیا ہے، والدہ بیمار ہیں!"
وہ پریشان ہوگئی۔
"والدہ بیمار ہیں ؟"
"جی ہاں ——— لکھا ہے بہت سخت بیمار ہیں!"
"خدا خیریت رکھے!"
امتیاز نے کوئی جواب نہیں دیا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی چلتی رہی،
تھوڑی دیر کے بعد امتیاز نے قفل سکوت توڑا۔
"آپ کہاں جارہی ہیں ؟"
"ذرا ہوشنگ آباد تک!"
یہ سنکر امتیاز پھر چپ ہوگیا۔ پروین کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پوچھے
"کیوں جارہی ہو؟ کب آؤگی؟ اب ملاقات کب ہوگی، اتنے دن کہاں رہیں؟"
لیکن وہ بالکل خاموش بیٹھا سگریٹ پیتا رہا، کچھ بھی تو اس نے نہ پوچھا۔ آخر اس نے خود باتوں کا سلسلہ شروع کردیا آخر کب تک صبر کرتی،

کہنے لگی،

"آپ تو شاید، توبہ شاید کیا، انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں واپس آجائیں گے؟"

وہ بولا،

"جی ہاں، امید تو یہی ہے ——— ! ——— آپ کب تک آئیں گی واپس بمبئی؟"

یہ سوال سنکر پروین کا مرجھایا ہوا دل پھول کی طرح کھل گیا، اس نے دل ہی دل میں جوشِ مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا،

"دیکھئے ——— کچھ کہہ نہیں سکتی!"

قدرتاً اس جواب سے امتیاز کو تعجب ہوا، اس نے کہا،

"یہ کیا بات آپ نے کہی ہے ——— یعنی آپ غیر معین عرصہ کے لئے جا رہی ہیں؟"

وہ مسکرائی،

"یونہی سمجھئے!"

امتیاز پروین سے زیادہ باتیں نہ کرنا چاہتا تھا، لیکن پوچھ بیٹھا

"پھر فلم کمپنی کا کیا ہوگا؟ ——— کیا آپنے ملازمت چھوڑ دی؟"

پروین نے کہا۔

"جی ہاں چھوڑ دی!"

امتیاز نے سوچا، گفتگو کا سلسلہ یہیں ختم کر دے لیکن انکشافات کچھ اس طرح کے ہو رہے تھے کہ خاموش رہنا بھی ناممکن تھا، اُس نے پوچھا۔

"پھر اب آپ کیا کریں گی؟"

پروین نے ایک تبسم کے ساتھ کہا،

"یادِ خدا!"

امتیاز بھی مسکرا دیا، پھر اُس کی طبیعت جو لہرائی تو کہہ اُٹھا۔

"یہ کام دوسروں کے لئے رہنے دیجئے، نہ ابھی خدا آپ کو یاد کرے گا، نہ آپ ———، نہ میں اسے یاد کروں ——— آپ کا یہی مطلب ہے نا؟"

"یہی سمجھ لیجئے! ——— لیکن بتایئے تو بات کیا ہے؟ کہیں قاسم سیٹھ سے تو نہیں خفا ہو گئیں آپ؟"

"آپ کو اس سے کیا؟ میں جانوں اور قاسم سیٹھ جانیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے آپ جلتے ہیں اُن سے!"

امتیاز نے کہا۔

"میں تو اُن سے نہیں جلتا، لیکن شاید ———"

"وہ جلتے ہیں آپ سے؟"

" اندازہ تو یہی ہوتا ہے اُن کی باتوں سے ——— سنا ہے مجھ سے خفا بھی بہت ہیں!"

ہونے دیجئے، کیا بگاڑیں گے آپ کا خفا ہو کر؟!"

" ہاں بنانے بگاڑنے کا کیا سوال ہے، لیکن مجھے تعجب ضرور ہے، میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ میں اُن کا دشمن ہوں، ہاں اصولی طور پر اُن کی کمپنی کی تصویروں پر تنقید ضرور کی جنہیں تعریف کے قابل سمجھا اُن کی تعریف کی، جہاں نقائص نظر آئے ان کا ذکر بھی کر دیا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا وہ بُرا مانیں!"

پروین نے کہا،

" چھوڑیئے اُن کا قصہ ——— کچھ دلچسپ باتیں کیجئے، ——— ہاں یہ تو بتایئے، اُس دن وہ جوان لڑکی آپ کے ساتھ کون تھی؟، وہاں ایون فریزر کی دوکان پر؟"

" وہ میرے ایک بہت عزیز دوست کی بہن ہے!"

" اور وہ عزیز دوست کہاں ہیں؟"

" وہ ولایت میں ہیں!"

" تو وہ اکیلی بمبئی آئی تھیں؟"

" نہیں اپنے بھائی کو رخصت کرنے!"

" گئیں؟"

" جی ہاں گئیں!"

"آپ اُن سے شادی کیوں نہیں کر لیتے ؟"

امتیاز کا رنگِ رخ یہ بات سُن کر بدل گیا، اُس نے کہا

"شادی ؟"

وہ کہنے لگی،

"ہاں وہ بھی ماشاء اللہ خوب صورت ہے، آپ کا تو کہنا ہی کیا۔ بڑا اچھا جوڑا رہے گا، لیکن ہمیں ضرور بلا لیجئے گا!"

امتیاز نے کہا،

"یہ لیجئے، اتنی جلدی آپ نے تو سارا فیصلہ ہی کر ڈالا! —— آخر آپ کو میری شادی کی فکر کیوں ہے ؟"

اس سوال کا جواب پروین نے نہیں دیا، کھڑکی کی طرف منہ کر کے باہر کا نظارہ کرنے لگی، امتیاز نے پوچھا۔

"بولئے، بتائیے!"

اور قبل اس کے کہ پروین کوئی جواب دے، امتیاز نے کہا،

"میرا جی چاہتا ہے کہ ایک سوال آپ سے بھی کروں!"

کھڑکی کی طرف سے منہ ہٹا کر اس نے کہا۔

"فرمائیے —— کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ ؟"

"آپ خود کیوں نہیں شادی کر لیتیں ؟"

بہت سنجیدہ لہجہ میں پروین نے امتیاز سے پوچھا،

"میں کیوں نہیں شادی کر لیتی ؟"

"ہاں بتائیے!"
ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے کہا،
"جب آپ کی شادی ہو جائے گی تب بتا دوں گی!"
"لیکن اتنا طویل انتظار میں نہیں کرنا چاہتا! ——— ابھی کیوں نہ بتا دیجئے!"
"جی نہیں چاہتا!"
"کس چیز کا جی نہیں چاہتا ——— میرے سوال کا جواب دینے کا یا شادی کرنے کا؟"
پروین نے ہنستے ہوئے کہا،
"دونوں کا!"
امتیاز بھی ہنسنے لگا!
کچھ دیر خاموش رہ کر امتیاز نے کہا۔
"میری رائے ہے آپ شادی کر لیجئے!"
"آخر یہ رائے آپ کیوں اور کس جذبہ سے دے رہے ہیں"
"مخلصانہ طور پر ——— مجھے آپ کے مطالعہ کا، کافی وقت ملا ———"
"کیا رائے قائم کی آپ نے اِس خاکسار کے بارے میں؟"
"آپ میں بہت سی خوبیاں ہیں، بہت سی صلاحیتیں ہیں، آپ کی صورت بھی اچھی ہے اور سیرت بھی پاکیزہ ہے، شمع محفل بھی،

زندگی بھر کے لئے نہ بنیئے ، اب چراغ خانہ بن جائیے تاکہ آپ ایک ایسی نسل کی ماں بن سکیں جس میں آپ کی خوبیاں تمام آجائیں اور کمزوری ایک بھی نہ آنے پائے!"

امتیاز نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پروین کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، نظر سے نظر ملی تو وہ آنسو موتی کے دانوں کی طرح پروین کے دامن اور گریبان پر بکھر گئے۔ اس منظر سے امتیاز بہت متاثر ہوا، اس نے کہا۔

"ارے آپ تو رونے لگیں —— میرے کسی لفظ سے اگر آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں معاف کر دیجئے مجھے!"

پروین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے شرمندہ نہ کیجئے، آپ معافی کیوں مانگتے ہیں۔"

"اچھا نہ میں آپ کو شرمندہ کروں گا، نہ معافی مانگوں گا، یہ بتائیے آپ روئیں کیوں؟"

"آپ نے سوال ہی ایسا کیا تھا!"

"کیا مطلب؟ میرے سوال میں کون سی ایسی بات تھی؟"

"آپ جانتے ہیں میرا شمار اُن عورتوں میں ہے جن کی سماج میں پوچھ بہت ہے لیکن عزت نہیں، جن کی آنکھوں کا جادو سب پر چلتا ہے۔ لیکن جنہیں شرفاء آنکھوں میں

بٹھانے سے انکار کرتے ہیں، جن کے حسن، شباب، رعنائی اور خوب روئی کا کلمہ پڑھا جاتا ہے، لیکن جنہیں حد ادب سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہیں ہوتی، جب حالت یہ ہے تو ہم شمع محفل بننے پر مجبور ہیں، اپنی چمک دمک دکھا کر ایک دن جھلملائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، چراغ خانہ بننے کے لئے ہمت کہاں سے پیدا کریں؟"

"نہیں مس پروین یہ نہ کہیئے۔ عموی حیثیت سے آپ نے صحیح بات کہی ہے، لیکن جہاں تک آپ کا تعلق ہے یہ بات قطعاً صادق نہیں آتی!"

"کیوں؟ —— مجھ میں کون سے ایسے سرخاب کے پر لگے ہیں؟"

"آپ اپنے آپ سے واقف نہیں ہیں!"

وہ مسکرائی،

"آپ ہیں؟"

"ہاں —— بہت اچھی طرح!"

"اگر میں آپ کو چاہوں تو آپ شادی کر لیں گے مجھ سے؟"

امتیاز یہ سن کر چونک پڑا، اس نے کہا،

"میں؟"

وہ بولی،

"جی ہاں آپ ——— بتائیے، میں آپ کا استعجاب دیکھنا نہیں چاہتی، جواب سننا چاہتی ہوں، جواب دیجئے!"

امتیاز نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ پروین نے کہا،

"انکار کر دیجئے، معذرت کر دیجئے، ——— کوئی بہانہ کر دیجئے، غرض کسی طرح بھی پہلو بچا جائیے ——— ایک سب سے بڑی دشواری ہم جیسی عورتوں کے راستہ میں آپ جیسے اچھے اور شریف اور نیک لوگوں کی طرف سے یہ بھی پیش آتی ہے!"

"نہیں مس پروین یہ بات نہیں، آپ مجھے غلط سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے، میں نے آپ کی شرافت کے بہت سے جلوے دیکھے ہیں، میں آپ کی شرافت سے بہت متاثر ہوں ——— "

پروین بات کاٹ کر بولی،

"اسی لئے ہمیشہ مجھے ذلیل کرتے رہے، اسی لئے ہمیشہ میرے منہ پر اپنی خود داری کے ہنٹر مارتے رہے، اسی لئے جب بھی میں آگے بڑھی آپ نے نہایت بے دردی کے ساتھ مجھے پیچھے دھکیل دیا ——— اگر کہیں آپ میری شرافت سے متاثر نہ ہوتے تو شاید چاقو یا چھرا مار کر دم لیتے!"

یہ کہتے کہتے پروین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے،

امتیاز نے کہا،

"آپ مجھے غلط نہ سمجھئے، میں نے کبھی کبھی ضرور ایثار و بے اعتبار

کیا، جو آپ کو بُرا معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ کی عزت میرے دل میں کم تھی، یا میں آپ کو شریف نہیں سمجھتا تھا!"

"پھر کیا تھی؟"

"کوئی اور بات تھی!"

"کہہ ڈالئے اس وقت سب کچھ جب بات چھیڑی ہے تو کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنا چاہیئے!"

کچھ تأمل کرتے ہوئے امتیاز نے کہا،

"اصل بات یہ تھی کہ مجھے بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ مجھے اپنی دولت سے مرعوب کرنا چاہتی ہیں!"

"کیوں یہ خیال کیوں آتا تھا آپ کے دل میں؟"

"آتا تھا ـــــــ بہرحال غلط نہیں آتا تھا!"

پروین نے کہا،

"اچھا غلط سہی تو چھوڑیئے ایک بات بتایئے!"

"فرمایئے!"

"آپ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہیں نا؟"

"ہاں ـــــــ یقیناً!"

"اگر آپ مجھے کبھی خراب خستہ حالت میں دیکھیں اور آپ کی مالی حالت بھی اچھی ہو تو آپ میری طرف دست امداد بڑھائیں گے

یا نہیں ؟"

"ضرور بڑھاؤں گا !"

"پھر میں تو آپ کو صرف شریف ہی نہیں، فرشتہ اور فرشتہ سے بھی زیادہ معصوم، نیک، پاک سرشت۔ مجموعۂ اخلاق اور نہ جانے کیا کیا۔ دل ہی دل میں سمجھتی تھی اور سمجھتی ہوں، پھر اگر میرے پاس الغاروں روپیہ تھا اور اتفاق سے آپ کے پاس نہیں تھا تو میں نے آپ کی مالی مدد کرنے کی کوشش کرکے آپ کو مرعوب کرنا چاہا، یا اپنا فرض ادا کیا ؟"

امتیاز کچھ سوچنے لگا، پھر اس نے سوچتے سوچتے کہا

"میرا خیال ہے ——— ثبوت تو میرے پاس کوئی نہیں، لیکن یہ خیال دل سے نہیں نکلتا کہ آپ نے مختلف موقعوں پر میری خفیہ مدد بھی کی ہے !"

پروین کہنے لگی۔

"وہاں کی ہے، جوتا اتاریے اور یہ سر حاضر ہے۔ اتنا ماریے کہ جوتا ٹوٹ جائے اور سر پھوٹ جائے، میں اس جرم کا اقرار کرتی ہوں اور پھر کہتی ہوں۔ یہ خطا جب بھی میں ضرورت سمجھوں گی ضرور سرزد ہوگی ! ——— میں نے آپ کے گھر روپیہ بھیجا۔ میں نے آپ کے اخبار کے نام پر بینک میں روپیہ جمع کرایا میں نے ———"

امتیاز چیخ پڑا،

"پروین"

وہ جوش کے ساتھ بولی،

"ہاں یہ سب کچھ میں نے کیا، لیکن آپ کو ذلیل سمجھ کے نہیں، محبوب سمجھ کے، آپ کو مرعوب کرنے کے لئے نہیں، آپ کو خوش دیکھنے کے لئے، آپ سے سودا کرنے کے لئے، آپ کی مشکلات دور کرنے کے لئے، آپ کو محتاج سمجھ کر نہیں اپنا آقا اور سرتاج سمجھ کر!"

اور یہ کہکر وہ پھر رونے لگی، امتیاز نے کہا،

"پروین مت روؤ!"

وہ بولی،

"صرف یہی ایک چیز ایسی ہے جس پر مجھے اختیار ہے کیا آپ اسے بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں پھر میرے پاس رہ کیا جائے گا؟ —— نہیں اپنی یہ پونجی آپ کو نہیں دوں گی، اور سب کچھ آپ نے لے لیا اور سب کچھ آپ کے لئے حاضر ہے!"

امتیاز سے ان باتوں کے جواب میں کچھ نہ بولا گیا۔ پروین نے کہا۔

"ابھی آپ سے میں نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا تھا، کیا آپ

مجھ سے شادی کے لئے تیار ہیں؟ آپ اس سوال کو گول کر گئے، آپ نے بہت سی باتیں کیں، مگر اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا، لیکن اگر آپ کا جواب ہاں ہوتا تب بھی میں منظور نہ کرتی ——— "

امتیاز بیچ میں بول پڑا،

"یعنی؟"

"میں آپ سے شادی نہ کرتی!"

امتیاز مسکرایا،

"کیوں؟ ——— میں جانتی ہوں آپ کسی اور سے محبت کرتے ہیں، اور میرے خیال میں وہ خوش قسمت ہستی جس سے آپ محبت کرتے ہیں وہی لڑکی ہے جو اُس دن فورٹ میں ملی تھی، میں آپ کی محبت کے راستے میں، پتھر نہیں بن سکتی، آپ محبت کیجئے، محبت کو کامیاب بنائیے، میں نے ہمیشہ آپ کو اتنا اونچا سمجھا کہ آپ کسی اور سے محبت نہ کرتے ہوتے جب بھی میں اپنے دل میں یہ توقع نہیں قائم کر سکتی تھی کہ آپ کی رفیقۂ حیات بن سکوں گی، کہاں آپ مانے ہوئے ادیب، صاحبِ قلم، جس کی تحریر پر لوگ جان دیتے ہیں، جس کے قلم کا لوگ لوہا مانتے ہیں۔ جس کی گل کاریوں پر لوگ سر دھنتے ہیں جس کا قلم لوگوں کے دماغ پر، قلب پر، ذہن پر حکومت

کرتا ہے، —— اور کہاں میں ایک معمولی فلم ایکٹرس، بار بار آپ کے پاس آنے، آپ سے ملنے، آپ سے قرب حاصل کرنے کا صرف ایک مقصد تھا —— "

"کیا تھا وہ مقصد؟"

"وہ مقصد وہی تھا جسے بہت دن پہلے غالب کہہ گیا ہے!"

"یعنی؟"

"یعنی ——————

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

آپ نے یہ بھی نہ چاہا، اس قابل ہی مجھے نہ سمجھا یہ میری قسمت ہے، پھر بھی میں آپ سے گلہ نہیں کرتی، پھر بھی میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی شکایت نہیں!"

"لیکن تم مجھے اتنا حد سے زیادہ کیوں بڑھائے دیتی ہو آخر مجھ میں ایسی کون سی بات ہے؟"

وہ بولی،

"میری آنکھوں سے اپنے آپ کو دیکھئے، نظر آجائے گی!"

باب ۳۲

ماں کی موت

ہوشنگ آباد کے اسٹیشن پر جب پروین اُترنے لگی، امتیاز نے پوچھا،
"اب آپ واقعی بمبئی نہیں آئیں گی؟"
وہ بولی،
"کیوں نہیں آؤں گی ——— جب تک آپ بمبئی میں ہیں مجھ سے کون اُسے چھڑا سکتا ہے!"
امتیاز ذرا جھینپ سا گیا، اس نے کہا،
"میں بمبئی میں ضرور آپ سے ملوں گا!"
پروین نے ایک ادا کے ساتھ کہا،

"شکریہ!"

اور وہ اتر گئی!

شام ہوتے ہوتے امتیاز اپنے وطن پہنچ گیا۔ گھر کے دروازے پر اسے ایک عجیب ویرانی اور سوگواری سی نظر آئی، دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے اندر قدم رکھا، سب سے پہلے نظر فرزانہ پر پڑی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، امتیاز سمجھ گیا اس کی ماں اس دنیا سے رخصت ہو گئی، وہ بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا،

فرزانہ نے ہچکی لیتے لیتے کہا،

"آخری سانس تک وہ آپ کا انتظار کرتی رہیں۔"

امتیاز:

"لیکن میں تمہارا خط ملتے ہی چل پڑا، ایک لمحہ کے لئے بھی میں نے تاخیر نہیں کی ـــــــ تم نے مجھے پہلے سے اطلاع کیوں نہیں کی؟"

فرزانہ:

میں نے تو لاکھ چاہا، مگر وہ منع کرتی رہیں!"

امتیاز:

"کیوں؟ کس لئے؟"

فرزانہ :

"کہتی تھیں وہ پردیس میں پریشان ہوگا، وہاں کون اُسے تسلّی دے گا؟ کون اس کا جی بہلائے گا؟ کون اس کی رفاقت کرے گا؟"

یہ سُنکر امتیاز کی آنکھوں سے پھر آنسو ٹپکنے لگے۔

فرزانہ نے کہا،

"بھیّا وہ آپ کو بہت چاہتی تھیں!"

امتیاز :

"ہاں میں جانتا ہوں!"

فرزانہ

گھنٹوں اور پہروں آپ کی تصویر دیکھا کرتی تھیں، آپ کے خط پڑھا کرتی تھیں، پڑھوا پڑھوا کر سنا کرتی تھیں، ہر وقت آپ ہی کا ذکر، جب دیکھو جب آپ ہی کا تذکرہ، آپ کے سوا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھیں!"

امتیاز :

سچ کہتی ہو فرزانہ ــــــ میری بدقسمتی کہ میں ان کا آخری دیدار بھی نہ کر سکا، کاش میں ایک دن پہلے آجاتا!"

فرزانہ :

"ہاں بھیّا، یہ بڑا اچھا ہوتا، لیکن خدا کی مرضی!"

امتیاز :

"رخسانہ کہاں ہے؟"

فرزانہ :

وہ کل ہی بھائی جان کے ساتھ کلکتہ گئی ہیں، ارجنٹ بلاوا آیا تھا وہاں سے؟"

امتیاز :

"اور ریحانہ آپا؟"

فرزانہ :

"وہ بیچاری یہیں ہیں ——— ابھی آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے کسی کام سے اپنی سسرال گئی ہیں، تھوڑی دیر میں آتی ہوں گی ——— ٹھہرئیے، ابھی آدمی بھیج کر بلواتی ہوں ———!"

امتیاز :

"نہیں آدمی نہ بھیجو، وہ خود آجائیں گی!"

فرزانہ :

"ان بیچاری کا حال بھی بہت ابتر ہے!"

امتیاز :

"کیوں انہیں کیا ہوا؟"

فرزانہ :

دائم المرض اور کمزور ہمیشہ سے ہیں، امّاں جتنا آپ کو

چاہتی تھیں، اتنا ہی وہ امّاں کو چاہتی تھیں، اس حادثہ نے
اُن پر بڑا گہرا اثر کیا ہے؟ ——— بیہوش ہو گئی تھیں،
بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں ہوش آیا جا کر اُنہیں ——— ،
اب بھی اُن کے آنسو نہیں تھمتے، جب دیکھو جب رویا کرتی ہیں!"

امتیاز :

"اُن کا دل ہاتھ میں رکھو، اُنہیں تسلّی دو، اُن کا جی بہلاؤ،
اب امّاں کے بعد اُنہی کی ایک ذات ایسی ہے جو ہماری محبّت
کا مرکز بنی چاہیئے!"

فرزانہ :

"ہاں بھیّا، میں تو اُنہیں بہت سمجھاتی ہوں، اب آپ
آ گئے ہیں آپ کو دیکھ کر اُن کا غم بٹ جائے گا، آپ کا کہنا بھی وہ
بہت مانتی ہیں، ذرا سمجھائیے گا!"

امتیاز :

"سمجھاؤں گا ——— میرا ارادہ تو یہ ہے کہ تمہیں اور آپا
ریحانہ کو اپنے ساتھ بمبئی لیتا جاؤں!"

فرزانہ :

"ہم دونوں کو؟"

امتیاز :

"ہاں ——— ذرا تبادلۂ آب و ہوا بھی ہو جائے گا

اور مجھے یقین ہے کہ بدلی ہوئی فضا میں اُن کا غم بھی بٹ جائے گا!"

فرزانہ:

"لیکن بڑے بھائی جان جانے دیں گے اُنہیں؟"

امتیاز:

"کیوں نہیں جانے دیں گے؟ تمہیں میں اپنے پاس رکھ لوں گا، یہاں اکیلی کہاں، کس کے پاس رہو گی؟ وہ مہینہ دو مہینہ میں واپس آجائیں گی!"

فرزانہ:

"ہاں بھیّا ٹھیک ہے، بڑی اچھی تجویز ہے آپ کی ـــــ، دیکھیے آپا آرہی ہیں، دیکھ لیجئے چہرہ کتنا اُترا ہوا ہے!"

اتنے میں ریحانہ قریب آگئی، امتیاز کو گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، امتیاز کو بھی بہن کے رونے پر رونا آگیا، پھر اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا،

امتیاز:

"آپا اتنا زیادہ سوگ نہ کرو، تم ویسے ہی کمزور اور بیمار ہو، کہیں خدانخواستہ بیمار نہ پڑ جاؤ!"

ریحانہ:

"بھیّا اب زندگی میں مزہ بھی کیا رہ گیا ہے، میں تو چاہتی

ہوں کل کی مرتی آج مر جاؤں، میری زندگی تو اماں کے دم تک تھی اور اُن کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ——— آہ !"

یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی، امتیاز نے کہا،

"آپا، اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں زندہ رہوں تو تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ اب تم نہیں روؤ گی، ورنہ میں زہر کھالوں گا ——!"

وہ روتے روتے چپ ہو گئی، اُس نے کہا،

"بھیا ایسا نہ کہو —— اچھا اب میں نہیں روؤں گی۔ دیکھو چپ ہو گئی، آنسو پونچھ لئے میں نے!"

امتیاز نے دیکھا ریحانہ نے اگرچہ آنسو پونچھ لئے اور ظاہری طور پر رونا بند کر دیا، لیکن اس کا دل برابر رو رہا ہے۔ یہ غم بُری طرح اُس کے دل و دماغ پر طاری ہے،

کچھ دیر کے بعد امتیاز نے ریحانہ کو پھر مخاطب کیا،

"بڑے بھائی جان کیسے ہیں؟"

ریحانہ:

"اچھے ہیں —— نزلہ زکام کی شکایت رہتی ہے۔!"

امتیاز:

"آپا میری ایک تجویز ہے —— اگر تم مان لو!"

ریحانہ:

"کون سی تجویز بھیا!"

امتیاز:

"میری رائے یہ ہے کہ تم، بڑے بھائی جان، فرزانہ، سب میرے ساتھ بمبئی چلیں۔!"

ریحانہ:

"کیوں بھیا وہاں جانے سے کیا فائدہ؟"

امتیاز:

"تمہارا رونا یہاں نہیں بند ہوگا، لہٰذا انہیں وہاں چلنا پڑے گا پھر مہینہ دو مہینہ بعد آجانا۔!"

ریحانہ پھر رونے لگی،

"نہیں میں اپنی ماں کا گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی، وہ مجھے وہاں بہت یاد آئیں گی!"

امتیاز نے اب کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش ہو گیا۔ سات آٹھ روز کے بعد اُس نے بڑے بھائی جان یعنی ریحانہ کے شوہر سے گفتگو کر کے اُنہیں راضی کرلیا، اب مجبوراً ریحانہ کو بھی راضی ہونا پڑا۔ اور دوسرے روز یہ مختصر سا قافلہ بمبئی کے لئے سامان سفر تیار کر رہا تھا۔

باب ۳۲

ایک اور انکشاف

امتیاز اپنے ساتھ دونوں بہنوں کو بمبئی لے آیا۔ یہاں تین ماہ کے دوران قیام میں ریحانہ کی صحت بھی سنبھل گئی اور غم بھی بڑی حد تک غلط ہو گیا، آخر ایک دن وہ اپنے شوہر کے ساتھ وطن روانہ ہو گئی، فرزانہ کے بارے میں بھی طے ہوا کہ وہ امتیاز کے پاس رہے۔

بمبئی آنے کے بعد، کئی مرتبہ امتیاز پروین کے مکان پر گیا، جب گیا یہی معلوم ہوا، ابھی نہیں آئیں، آنے والی ہیں، ایک روز وہاں قاسم سیٹھ بھی مل گئے، کہنے لگے،

امتیاز صاحب، یہ تم نے اچھا نہیں کیا!"

امتیاز نے پوچھا،

"میں نے کیا کیا قبلہ؟"

وہ بولے،

"ہمارے قاتل تمہیں ہو!"

وہ مسکرایا،

"قاتل؟ —— میں؟ —— غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو!"

اِن باتوں سے اُن کا پارہ اور تیز ہو گیا،

"ہم پھر کہتے ہیں، یہ تم نے اچھا نہیں کیا، اس کا پھل تمہیں بھی اچھا نہیں ملے گا!"

امتیاز کو غصہ آ گیا،

"اِن باتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

وہ بولے،

"مطلب تو بالکل صاف ہے —— جس نے قاسم سیٹھ سے وفا نہ کی وہ کسی سے وفا نہیں کر سکتی!"

امتیاز:

کس نے بے وفائی کی آپ کے ساتھ قبلہ؟"

قاسم سیٹھ:

"اس پروین نے اور کس نے؟ ہم نے لاکھوں روپیہ اس پر نچھاور کر دیا، ہم نے اس کی پبلسٹی پر پانی کی طرح روپیہ بہایا، ہم نے کیا نہیں کیا اس کے لئے؟"

امتیاز:

"مگر میں کب آپ پر اعتراض کرتا ہوں؟ کب میں نے کہا کہ آپ نے یہ کارنامے نہیں انجام دیئے؟"

قاسم سیٹھ:

"مگر مس پروین نے ہم سے دگا دغا کیا، اس کی نظر میں ہم کچھ نہیں ہیں۔ اور تم سب کچھ ہو؟ ——— دیکھ لینا کسی دن تمہیں بھی وہ دغا بتائے گی کہ یاد کروگے عمر بھر!"

امتیاز:

"یہ میرا ذکر کیوں بیچ میں آگیا؟"

قاسم سیٹھ:

"جو کچھ ہوا تمہاری وجہ سے ہوا۔"

امتیاز:

"میری وجہ سے؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

قاسم سیٹھ:

"ہم جھوٹ نہیں بولتا ——— تمہاری وجہ سے اس نے ہم کو نمک حرام کہا، ہمیں گالیاں دیں، ہمارا نوکری چھوڑ دیا۔ کئی فلموں میں اس کا کام تھا، وہ ادھورا چھوڑ دیا ہم کو کئی لاکھ کا نقصان بیٹھا، ہم چاہے تو ابھی سالی سبئر سے کہکر نوٹس دے سکتا ہے، لیکن ہم یہ نہیں چاہتا ہم اب بھی راضی نامہ (صلح) کرنے کو تیار ہے!"

امتیاز:

"آپ کی یہ پہیلیاں میری سمجھ میں نہیں آتیں صاف صاف کہئے!"

اور آخر قاسم سیٹھ نے ساری رام کہانی از اول تا آخر سنا ڈالی، اپنی اور پروین کی لڑائی کی ایسی مکمل تصویر کھینچی ہے کہ سماں بندھ گیا۔ امتیاز کو ایسا معلوم ہو رہا تھا، یہ سامنے سیٹھ صاحب بیٹھے ہیں۔ یہ کانتا کماری موجود ہے، یہ پروین بیٹھی ہوئی ہے اور زور شور سے جنگ ہو رہی ہے،

یہ ساری کتھا سننے کے بعد امتیاز نے کہا۔

"سیٹھ صاحب مجھے تو یہ باتیں آج معلوم ہوئی ہیں، باقی آپ کا ملازم کہتا ہے کہ وہ جلد آنے والی ہیں وہ آجائیں تو آپ چاہے نوٹس دے دیں، یا راضی نامہ کرلیں مجھے کوئی سروکار نہیں!"

سیٹھ صاحب اپنے راستے چلے گئے اور امتیاز اپنے گھر کی طرف مڑا،

راستہ بھر امتیاز کے سامنے پروین کی تصویر پھرتی رہی، وہ بار بار سوچتا تھا کیا یہ ہو سکتا ہے؟ یہ وہ جانتا تھا کہ پروین اسے چاہتی ہے، اسے بھی وہ محسوس کرتا تھا کہ پروین اس کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی، ہر قربانی کے لئے تیار ہے،

لیکن اس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ محض اس کے لئے
وہ اپنا پیشہ ترک کر دے گی، لاکھوں روپے کا نقصان برداشت
کرے گی، شہرت اور ناموری کی دنیا سے نکل کر گمنامی اور
کس مپرسی کی دنیا میں پہنچ جائے گی۔ یہ اتنا بڑا ایثار تھا
جسے بار بار وہ یقین کرنے سے انکار کرتا تھا، لیکن پھر یقین کرنے
پر مجبور ہو جاتا تھا، قاسم سیٹھ کی بات کا کیونکر یقین کرتا اور پھر وہ
بار بار اپنے دل سے پوچھتا تھا، کمزور عورت اتنا بڑا ایثار کر سکتی
ہے۔ میں مرد ہوں، اس سے کہیں زیادہ مضبوط اور شہ زور،
کیا میں ایثار نہیں کر سکتا؟ کیا میں اپنی محبت قربان کر کے اس
ایثار کو خرید نہیں سکتا ——————؟

باب ۳۳

اور ایک روز ——— !

امتیاز گھر پہنچا تو فرزانہ نے کہا،
"بھیا آج بڑی دیر لگا دی، کہاں رہ گئے تھے؟"

وہ بولا،
"ذرا ایک کام نکل آیا تھا، تم گھبرا گئیں؟"
فرزانہ نے بچوں کی طرح مچلتے ہوئے کہا،
"بھیا ایک بات کا ہمارا بڑا جی چاہتا ہے!"
امتیاز نے بڑی شفقت سے پوچھا،

"کس چیز کا؟ ——— تو بتاؤ تو سہی، فوراً موجود ہوگی وہ!"

فرزانہ خوش ہو گئی، اس نے کہا،

"وعدہ کرو پہلے، پھر بتاؤں گی، ویسے نہیں!"

امتیاز:

پگلی، میں تجھ سے جھوٹ بولوں گا، بتا!"

فرزانہ:

"لیکن اگر تم نے وہ چیز مجھے لا کر نہ دی تو؟"

امتیاز:

"تو کیا؟"

فرزانہ:

"پھر میں رو رو کر آنکھیں سجا لوں گی!"

امتیاز:

"اچھا!"

فرزانہ:

"پھر کبھی تم سے بات بھی نہ کروں گی!"

امتیاز:

"یہ بھی منظور!"

فرزانہ:

"پھر کھانا بھی نہ کھاؤں گی اور مسلسل برت رکھنا شروع کر دوں گی!"

امتیاز:

(ہنس کر) اچھا؟ یہ سارے حربے آزمالینا، لیکن بتاؤ تو سہی تم کیا چاہتی ہو؟ کیا چیز لا دوں تمہیں؟"

فرزانہ:

"بھابھی!"

امتیاز چکرا گیا،

"بھابھی؟"

وہ بولی،

"ہاں مجھے بھابھی چاہیئے!"

امتیاز نے ایک عزم کے ساتھ فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

"اچھی بات!"

"لیکن کب؟"

"ایک ہفتہ میں!"

وہ خوشی کا جھولا جھولتی ہوئی بولی،

"تو لکھ دوں مہ جبین کو؟"

امتیاز نے کہا،

"تم لکھنے والی کون ہوتی ہو؟ یہ سارے کام میں کرونگا

تم بالکل خاموش رہو، مجھے یاد بھی نہ دلاؤ، اور ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد اپنی بھابھی کو مجھ سے لے لو۔!"

وہ تالیاں بجا بجا کر گانے لگی،

"میرے بھتیا نے بات میری مان لی ——— میرے بھتیا نے بات میری مان لی!"

امتیاز نے پیار سے اُس کے کان اُمیٹھتے ہوئے کہا،

"یہ فلمی گانا تو نے کہاں سے یاد کر لیا؟"

وہ اٹھلاتی ہوئی بولی،

"کہیں سے بھی یاد کیا، ہے تو حسب حال؟"

دونوں بہن بھائی ہنسنے لگے!،

اس گفتگو کے چوتھے روز میرین ڈرائیو پر شام کے وقت امتیاز ٹہل رہا تھا کہ اُسے پروین نظر آئی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھکر تیزی سے ملنے کے لئے بڑھے،

پروین نے کہا،

"آپ نے تو وعدہ کیا تھا بمبئی میں ملیں گے آپ مجھ سے؟"

امتیاز نے کہا،

"اپنے ملازم صاحب سے دریافت کیجئے، کتنے چکر کاٹ چکا ہوں!"

"شکریہ ——— اب بتائیے کب آئیے گا غریب خانہ پر؟"

"ابھی چل سکتا ہوں!"

وہ خوش ہو گئی،

"تو آئیے!"

دونوں موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے، گھر پہنچنے کے بعد پروین نے کہا،

"کھانا کھا لیجئے!"

امتیاز نے جواب دیا،

"کھانا بعد میں کھاؤں گا، پہلے ایک خبر سن لیجئے!"

"فرمائیے، کون سی خبر!"

"آج میری شادی ہے!"

"پروین کا چہرہ سفید پڑ گیا،

"آپ کی شادی؟"

"ہاں ——————"

وہ لڑکھڑاتی زبان میں بولی،

"مبارک!"

امتیاز نے کہا:

"مبارک سلامت کا قصہ چھوڑئیے، یہ بتلائیے آپ کا ٹیلیفون کہاں ہے، بڑا ضروری کام ہے!"

"وہ رہا دوسرے کمرہ میں!"

امتیاز فون کر کے آیا، اس نے کہا،

"اس خبر سے آپ کچھ خوش نہیں ہوئیں؟"

وہ کہنے لگی،

"اپنی کامیابی پر میرا مذاق نہ اُڑائیے —— یقین کیجئے میں خوش ہوں!"

اتنے میں ملازم آیا، اُس نے کہا،

"ایک مولوی صاحب آئے ہیں، دو آدمی اُن کے ساتھ اور ہیں!"

قبل اس کے کہ پروین کچھ کہے امتیاز نے کہا،

"بُلالاؤ"

تینوں اندر آ گئے، امتیاز نے ایک صاحب کی طرف دیکھ کر کہا،

"دیکھئے قاضی صاحب، یہ ہیں مس پروین اور یہ ہے خاکسار، ہم دونوں کا نکاح کر دیجئے!"

قاضی صاحب کیل کانٹے سے لیس ہو کر گواہوں کے ساتھ بیٹھ گئے، پروین نے محبت بھری نظر سے امتیاز کو دیکھا اور شرما کر گردن جھکالی +

عشق